نگارشاتِ ساجد

مجموعہ مضامین

مصنف

جناب شیخ چاند ساجد صاحب

ایم۔اے ، ایم۔فل (عثمانیہ)

شائع کردہ

ادارہ تنظیمِ مہدویہ

نگارشاتِ ساجد

مجموعہ مضامین

مصنف

جناب شیخ چاند ساجد صاحب

ایم۔اے، ایم۔فل (عثمانیہ)

شائع کردہ

ادارہ تنظیمِ مہدویہ

نمبر 806-8-16 شاداب منزل، نیوملک پیٹ، حیدرآباد۔24

Cell No. 9885237858

(سلسلۂ اشاعت 103)

نام کتاب	:	**نگارشاتِ ساجد (مجموعہ مضامین)**
مصنف	:	جناب شیخ چاند ساجد صاحب، ایم۔اے، ایم۔فل (عثمانیہ)
طبع	:	اوّل
سنہ اشاعت	:	جمادی الثانی ۱۴۴۳ھ م جنوری 2022ء
صفحات	:	184
تعداد اشاعت	:	300
ناشر	:	ادارہ تنظیم مہدویہ نمبر 806-8-16، شاداب منزل، نیو ملک پیٹ، حیدرآباد، تلنگانہ 500024
کمپیوٹر کمپوزنگ	:	SAN کمپیوٹر سنٹر، نئی سڑک، چنچل گوڑہ حیدرآباد 24۔ سیل نمبر 9959912642
طباعت	:	ایس۔ایم پرنٹرس چھتہ باڑار، حیدرآباد۔ 9885214979
قیمت	:	-/100 روپئے

﴿کتاب ملنے کا پتہ﴾

☆ ادارہ تنظیم مہدویہ، 806-8-16 نیو ملک پیٹ، حیدرآباد۔ 500024 سیل نمبر 9885237858

☆ مسجد حضرت حافظ سید داؤد میاں صاحبؒ چنچل گوڑہ، حیدرآباد۔ 500024

☆ SAN کمپیوٹر سنٹر، نئی سڑک، چنچل گوڑہ، حیدرآباد۔ سیل نمبر 9959912642

☆ ادارۃ العلم مہدویہ اسلامک لائبریری، مرکزی انجمن مہدویہ بلڈنگ، چنچل گوڑہ، حیدرآباد۔ 500024

فہرست مضامین

سلسلہ نشان	مضمون	صفحہ نمبر
1	بعثتِ مہدیؑ اور قرآن فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ	10
2	ترجمہ و تلخیص اقتباس از تفسیر لوامع البیان بحر العلوم علامہ سید اشرف شمسیؒ قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْ	19
3	ترجمہ اقتباس من لوامع البیان علامہ شمسیؒ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا	22
4	وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ	28
5	وحی الٰہی	33
6	معرفتِ خدا پیامِ امامؑنا کی روشنی میں	36
7	''تصدیق بندہ عمل است''	47
8	مہدویت۔ مذہبِ عشق	61
9	مہدویت	67
10	مذہب عشق	70
11	فرامین امامؑنا اور عصر حاضر	74
12	مہدویت۔ایک سفر منزلِ احسان کی طرف	79
13	تذکرۂ حضرت بندگی میاں شاہ نعمت رضی اللہ عنہ	82
14	عاشق پاک	88
15	بشارتیں۔دربارۂ حضرت بندگی میراں سید خوندمیر بارہ بنی اسرائیلؒ	93
16	بشارتیں۔دربارۂ مخصوص الزماں حضرت بندگی میراں شاہ نصرتؒ	96
17	حضرت بندگی میاں سید عالمؒ	100

18	حضرت مخدوم علاء الدین انصاریؒ کی تعلیمات	103
19	علاّمہ سید اشرف سمنانیؒ	107
20	قائد ملت کے استاد محترم علاّمہ سید اشرف سمنانیؒ	110
21	علاّمہ سمنانیؒ کے اساتذہ	115
22	دور حاضر اور ہم	119
23	فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے تنہا کچھ نہیں	121
24	تدوین واشاعت کتب۔ایک تجزیہ	124
25	۵۴۰ویں جشن میلاد مہدیؑ پر ایک تبصرہ	128
26	رودادِ جلسہ سیرت امام علیہ السلام (رپورتاژ)	132
27	تبلیغ واشاعت مذہب۔مسائل اور حل	136
28	دعوت وتبلیغ اور ہماری ذمہ داریاں	143
29	تعلیمات امامناؑ اور اُمّتِ مسلمہ کی شیرازہ بندی	152
30	شادی۔رحمت یا زحمت!	155
31	کالپی اور جائس میں مہدویہ اثرات	160
32	مکران کے ذکری	165
33	فضیلت کی تلاش	174
34	الغنی والفقیر	177
35	آیئے! میرے دوستوں سے ملئے	179
36	A Great Spiritual Reformer	184

☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ حال

زیرِنظر کتاب ان مضامین کا مجموعہ ہے جو مختلف موضوعات پر وقتاً فوقتاً مختلف اخبارات ورسائل میں شائع ہوتے رہے جن کا حوالہ مضمون کے آخر میں دے دیا گیا ہے۔ بعض احباب کا اصرار تھا کہ مضامین کو کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے۔ چنانچہ تلاشِ بسیار کے بعد جو مضامین دستیاب ہو سکے انہیں شاملِ کتاب کر دیا گیا ہے۔ قومی جرائد نورحیات، نورولایت، فضیلت اور مہدوی کے علاوہ دیگر جرائد میں بھی مضامین شائع ہوئے ہیں جو فی الوقت دستیاب نہ ہو سکے۔ ایک ہی عنوان پر بعض مضامین موقع کی مناسبت سے مختلف اوقات میں مختلف رسائل میں شائع ہوئے ہیں۔

کتاب میں پہلے ہژدہ آیات میں سے چار آیات کی تفسیر کے اقتباسات علامہ سید اشرف سمنانیؒ کی ''لوامع البیان فی تفسیر القرآن'' بزبان عربی سے ماخوذ ہیں۔ ان کا اردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ کچھ مذہبی مضامین بھی ہیں۔ اس کے بعد سلف الصالحین کی سیرت پر مضامین ہیں۔ ان میں علامہ سمنانیؒ پر مضمون قیام گلبرگہ کے دوران روزنامہ ''سلامتی'' میں شائع کروانے کا مقصد یہ تھا کہ میری تحقیق کے علاوہ کچھ اور حقائق ہوں تو منظرِعام پر آجائیں۔ میری تحقیق کے مطابق دکن میں خواجۂ دکن حضرت سید محمد گیسودرازؒ کی تفسیر ''الملتقط'' کے بعد مکمل قرآن مجید کی تفسیر بزبان عربی لکھنے کا اعزاز صرف علامہ سمنانیؒ کو حاصل ہے۔ اور جامعہ عثمانیہ میں منعقدہ ایک سیمنار میں موجودہ سجادہ نشین گلبرگہ نے اس دعویٰ کو تسلیم بھی کیا ہے۔

تیسرے حصہ میں مشاہدات پر مبنی تجزیاتی مضامین ہیں جن کا واحد مقصد خود احتسابی اور اصلاحی تدابیر ہیں۔ کسی بھی مخصوص فرد یا افراد یا ادارہ سے مخاطبت نہیں ہے۔ کچھ سال قبل تک مرکزی انجمن مہدویہ حیدرآباد کے زیرِاہتمام منعقد ہونے والے تقاریب جشن میلاد امامنا مہدی موعود علیہ السلام کے ضمن میں ''علمی مباحث'' بھی منعقد ہوتے تھے جن میں مخصوص عنوانات پر اظہارِ خیال کی دعوت دی جاتی تھی۔ ایک طالب علم کی حیثیت سے عنوان کی مناسبت سے ظاہر کردہ خیالات ''نورحیات'' میں شائع ہوا کرتے تھے جو شاملِ کتاب کر دیئے گئے ہیں۔ البتہ ان خیالات سے ہر قاری کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس لئے گذارش ہے کہ مثبت فکر و ذہن کے ساتھ مطالعہ کریں اور یہ ذہن سے نکال دیں کہ کس نے لکھا ہے صرف یہ دیکھیں کہ کیا لکھا ہے اور کس حد تک قابلِ غور و عمل ہے۔

چوتھے حصہ میں انگریزی اور عربی مضامین کا ترجمہ ہے اور آخر میں طنز و مزاح پر مشتمل ایک مضمون کے علاوہ ایک انگریزی مضمون ہے جو تقریباً چالیس سال قبل میلاد مہدیؑ کے موقع پر انگریزی روزنامہ ''دکن کرانیکل'' میں شائع ہوا تھا۔

امید ہے کہ قارئین اس سے استفادہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

احقرالعباد شیخ چاند ساجد

ایک مفکر و مدبر

شیخ چاند ساجد

سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو بندوں کو مرتبہ کمال تک پہنچاتا ہے۔ ہر بندہ میں خوبی وکمال کو پیدا کرتا ہے' خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اُمت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ میں پیدا کیا اور خلیفۃ اللہ مہدی موعودؑ کی تصدیق سے مشرف فرمایا جس نے اللہ تعالیٰ کے احکام مان لئے اور جس نے تعلیمات خاتمین پاکؑ پر عمل کیا اس نے رشد و ہدایت کو پالیا اور اُن کی زندگی چیز ہوگئی۔

قرآن پاک میں ارشاد ہوا ہے۔ **والذین امنوا و اعملوا الصلحت لھم مغفرۃ و اجر کبیر** ۔ترجمہ: اور جو لوگ کہ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کے واسطے بخشش ہے اور بڑا ثواب ہے۔۔اس آیت کی روشنی میں یقیناً قابل مبارک باد ہیں وہ افراد جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اس کی عبادت کرتے ہوئے نیک کام کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا جس پر فضل وکرم ہوجاتا ہے وہ ہی اس کام کو انجام دیتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ قوم میں علمی اور عملی ضروریات کی تکمیل کرنا قوم کے علمائے کرام اور اہل علم حضرات کی ذمہ داری ہے۔ الحمد اللہ قوم مہدویہ میں اس ضرورت کی تکمیل وقتاً وقتاً اہل قلم حضرات بخوبی انجام دیتے آرہے ہیں۔۔ایسی ہی شخصیتوں میں ایک نام عالی جناب شیخ چاند ساجد صاحب ہیں یہ وہ شخصیت ہے جو قوم میں تعارف کے محتاج نہیں ہے۔

قوم کا یہ ہونہار سپوت ۳؍اپریل ۱۹۵۰ء کو جناب محمد عبد القادر صاحب کے گھر مشیر آباد میں پیدا ہوتا ہے۔ ۱۹۶۵ء میں سرکاری مدرسہ فوقانیہ زمستان پور مشیر آباد سے میٹرک پاس کرتے ہیں۔ آرٹس کالج اینڈ سائنس کالج سکندر آباد سے گریجویشن یعنی بی۔ایس۔سی کی ڈگری حاصل کرتے ہیں آپ کو بچپن سے تعلیم کا ذوق وشوق تھا۔ اس شوق کو والدین ایثار وقربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پورا کرتے ہیں۔ گریجویشن کے بعد جامعہ عثمانیہ سے ایم فل (عربی) ۱۹۸۰ء میں کیا۔ ایم فل میں آپ کے مقالہ کا عنوان ''علامہ سمنسی کی علمی خدمات'' تھا۔ جو بزبان عربی ڈاکٹر سید ابراہیم ندوی صاحب کی نگرانی میں ترتیب پایا۔ تعلیمی شوق کو پورا کرنے کے لئے پی۔ایچ۔ڈی میں داخلہ کے لئے انٹرویو دیتے ہیں۔ لیکن منتخب نہیں ہوتے' منتخب نہ ہونے پر مایوس ہوکر نہیں بیٹھ جاتے ہیں۔ داخلہ کی کوشش میں سرگرم ہوجاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں پروفیسر عالم خوندمیری صاحب سے رجوع ہوتے ہیں پروفیسر صاحب اس طالب علم کی دلچسپی کو دیکھ کر ڈین فیکلٹی آف آرٹس سے رجوع ہوتے ہیں۔ ڈین صاحب نے صدر شعبہ عربی کو ہدایت دی کہ داخلہ دیا جائے۔ داخلہ مل جاتا ہے۔ لیکن عصبیت کا کھیل شروع ہوجاتا ہے۔ صدر موصوف علامہ سمنسی کا عنوان دیکھ کر دریافت کرتے ہیں کہ کیا آپ مہدوی ہیں؟ یہ ہونہار طالب علم فوراً کہتا ہے الحمد اللہ میں مہدوی ہوں' یہ سننے کے بعد صدر موصوف کہتے ہیں تبھی تو آپ علامہ سمنسی

پر ریسرچ کرنا چاہتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ عنوان بدل دو لہٰذا عنوان بدل دیا گیا یہی صاحب ریسرچ سپر وائزر بن گئے۔ لہٰذا کام آگے بڑھ نہ سکا۔ دیگر اساتذہ اور احباب کی ترغیب پر دوبارہ پی۔ ایچ۔ ڈی میں داخلہ لیا۔ علامہ شمسی علیہ الرحمہ پر ریسرچ کرنے کا کام شروع کر دیا۔ پہلے داخلہ پر اغیار نے ساتھ نہ دیا۔ دوسرے داخلہ پر اپنوں نے سب کچھ مواد موجود ہونے کے باوجود تعاون نہ کیا۔ اس کی ایک علیحدہ داستان ہے۔ اس موقعہ پر اس کو بیان کرنا ضروری نہیں سمجھتا ہوں۔ قوم کے اس لائق طالب علم کو اپنوں نے ہی آگے بڑھنے سے روک دیا قوم کا ایک بڑا علمی کارنامہ علامہ شمسی علیہ الرحمہ پر جو ہونے والا تھا یکسر ختم ہو کر رہ گیا۔ قوم کے لئے یہ کتنی بدنصیبی ہے کس سے گلہ کریں اپنوں ہی نے مار ڈالا۔

جناب شیخ چاند ساجد صاحب نے گورنمنٹ کالج گلبرگہ' آرٹس اینڈ سائنس کالج سکندر آباد اور نظام کالج پر بحیثیت لکچرر عربی خدمات انجام دئے۔ آپ نے ۸ سال تک سعودی عرب میں بحیثیت مترجم خدمت انجام دی۔ سعودی عریبیہ سے واپسی کے بعد پہلے ریاستی اقلیتی کمیشن میں کچھ عرصہ خدمت انجام دی۔ اس کے بعد ۱۹۹۴ء سے محکمہ اقلیتی بہبود حکومت آندھرا پردیش کے مرکز تعلیمی ترقی برائے اقلیتی طبقات CEDM میں بحیثیت سینئر پروجکٹ آفیسر مارچ ۲۰۲۱ء تک خدمت انجام دی۔ آپ نے حکومتی سطح پر دسویں جماعت اردو میڈیم طلباء کی مفت کوچنگ کے ساتھ تمام مضامین میں مطالعاتی مواد کو تیار کرنے نیز مسابقتی امتحانات کی کوچنگ اور مطالعاتی مواد کی تیاری ونگرانی کے فرائض انجام دیئے۔

زندگی کے سفر میں حق پر رہتے ہوئے بھی کئی ایک مشکلات کا سامنا کیا۔ ہر وقت صبر وتحمل سے کام لیا۔ قومی خدمات کا بھی بھرپور جذبہ آپ میں موجود ہے۔ مرکزی انجمن مہدویہ' ادارہ حیات وممات مہدویہ اور انتظامی کمیٹی مہدویہ مسجد بھولک پور سے طویل وابستگی ہے۔ علامہ شمسی ریسرچ اکیڈمی کے معتمد کی حیثیت سے کئی کتابوں کی اشاعت میں علمی وقلمی تعاون فرمایا۔ بھولکپور ویلفیر اسوسی ایسن مشیرآباد کے معتمد کی حیثیت سے محلّہ کی ترقی میں یعنی سہولیات کی فراہمی کے لئے حکام سے نمائندگی کرنے میں پیش پیش رہے ہیں۔ کردار کی خوبی یہ ہے کہ ساری خدمات مفت انجام دیتے ہیں۔ طبیعت میں سادگی' نام ونمود وشہرت سے کوسوں دور رہتے ہیں۔ خاموشی سے خدمت قومی انجام دیتے ہیں۔ گذشتہ چار سال سے بحیثیت صدر ادارہ ''حیات وممات مہدویہ'' بہترین خدمت انجام دینے پر اراکین ادارہ نے دوبارہ ۴ سالہ میقات (۲۰۲۲ء تا ۲۰۲۵ء) کے لئے آپ کو بلا مقابلہ منتخب کیا ہے۔ اس سے آپ کی قوم میں مقبولیت ظاہر ہوتی ہے۔ آپ کی سماجی وقومی خدمات کے اعتراف میں میلاد کمیٹی نوجوانانِ مہدویہ مشیرآباد نے ۲۰۱۳ء میں منعقدہ عظیم الشان جشن میلاد النبیؐ کے موقع پر ''محسنِ ملّت'' کے خطاب سے نوازا۔

جناب شیخ چاند ساجد صاحب کی مذہبی تعلیم وتربیت میں حضرت سید ابراہیم صاحب تحسین یداللّٰہیؒ (روپال) حضرت ابوحامد سید محمد سردار میاں صاحبؒ اور حضرت سید عالم صاحبؒ (اہل اپل گوڑہ) کا نمایاں حصہ رہا ہے۔ جس کی وجہ سے عبادت اور مذہبی

مضامین تحریر کرنے کا شوق پیدا ہوا۔

آپ کو نہ صرف اردو زبان بلکہ عربی، انگریزی اور ہندی زبان پر بھی کافی عبور حاصل ہے۔ آپ تقریباً (۳۰) کتب کا اردو سے انگریزی اور ہندی میں ترجمہ کیا ہے۔ آپ کے کردار کی خوبی ہے کہ تفویض کردہ کام کو بہتر سے بہتر انداز میں انجام دینے کے لئے بڑی محنت کرتے ہیں۔ آپ کا تفہیمی انداز نہایت دلکش اور متاثر کن ہے۔ ادب سے کافی لگاؤ ہے جو تحریر سے ظاہر ہوتا ہے۔ آپ معلم اور رہبر کے ساتھ بہترین ایڈمنسٹریٹر بھی ہیں۔ قومی اداروں سے وابستہ ہو کر مفید مشوروں اور تجاویز سے اداروں کی کارکردگی میں اضافہ کرتے ہیں۔

پیش نظر کتاب ایک علمی کتاب ہے جس کے تمام مضامین مفید اور پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ علامہ شمسی علیہ الرحمہ کی لوامع البیان فی تفسیر القرآن جو زبان عربی میں ہے اس کی تفسیر کی ہژدہ آیات میں چار کا اردو ترجمہ فاضل مضمون نگار نے کیا ہے۔ یہ شامل کتاب ہے۔ اس کا ترجمہ کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ جناب شیخ چاند ساجد نے بہت ہی بہتر انداز میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔ جس سے آپ کی قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔ زیر نظر کتاب میں مذہبی مضامین کے ساتھ خلفائے کرام اور بعض بزرگان دین کی سیرت اور تعلیمات پر بعض اخلاقی پہلوؤں پر اور میلاد خلیفۃ اللہ حضرت مہدی موعودؑ کے موقعوں پر پیش کردہ مقالے بھی ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ فاضل مضمون نکار نے پہلے ہی تحریر کر دیا ہے کہ ہر قاری کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہ نہ دیکھیں کہ کس نے لکھا ہے بلکہ یہ دیکھیں کہ کیا لکھا ہے۔

قاری کو اس کتاب میں ''وحی الٰہی'' پر ایک بہترین معلوماتی مضمون ملے گا۔ ''معرفت خدا پیام امامنّا کی روشنی میں'' کے مضمون میں تعلیمات مہدویت کو پیش کرتے ہوئے تحریر کیا ہے ''طالب صادق وہ ہے کہ جس کی طلب کامل ہو اس کے لئے تین صفات کا ہونا لازمی ہے۔ اول طلب کامل، دوم دیدہ قابل اور سوم دل مائل۔ انسان کی فلاح ونجات صرف معرفتِ الٰہی پر منحصر ہے'' اس مضمون میں آگے تحریر کرتے ہیں ''ایمان ہی اعمال کا محرک ہوتا ہے اور یہ ایمان دراصل نام ہے یقین کا''

''تصدیق بندہ عمل است'' ''مہدویت مذہب عشق'' منفرد مضامین ہیں۔ ان مضامین کے ذریعہ فاضل مضمون نگار نے یہ بتلانے کی سعی وکوشش کی ہے کہ احکام ولایت پر ہی عمل کر کے عشق کی منزلیں طئے کی جاسکتی ہیں۔ حضرت مہدی موعودؑ جو مبین القرآن ہیں آپ نے تمام رموز قرآنی کھول دیئے۔ مہدویت ہی حق شناسی کی تعلیم دیتا ہے۔ اور مہدویت بجز مذہب عشق کے کوئی دوسری چیز نہیں۔ الغرض راہ عشق طئے کرنے کے لئے ایک رہبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے بغیر منزل تک پہنچنا ناممکن ہے۔ ایک مضمون ''فرامین امامنّا اور عصرِ حاضر'' پر بھی ہے۔ اس مضمون میں قومی حالات کا بہتر انداز سے احاطہ کرتے ہوئے تبلیغ پر توجہ دلائی ہے۔ ''فقیر'' کی تعریف اس طرح کی ہے۔ ''ف سے مراد فاقہ، ق سے قناعت، ی سے یاد الٰہی، اور ر سے ریاضت'' قرآن، احادیث اور فرامین حضرت مہدی موعودؑ کی روشنی میں فقیر کی یہی تعریف وتعارف ہے۔

مرکزی انجمن مہدویہ سے جشن میلادؑ کے موقع پر فاضل قلمکاروں کو عنوانات دے کر مقالے پیش کرنے کی دعوت دی جاتی

ہے۔ یہ سلسلہ گذشتہ ۲۵ سال سے بند ہے۔ اس کتاب میں فاضل مضمون نگار کے چار مقالے شائع ہوئے ہیں۔ ان مقالوں میں بہترین انداز میں قومی حالات' واقعات اور عصر حاضر کے تقاضے ہماری ذمہ داریاں' کن کن باتوں پر توجہ دینے کی ضرورت ہے' ہر ایک کی کیا کیا ذمہ داریاں ہیں اور مثبت تعمیری تجاویز کو پیش کیا گیا ہے۔ آج بھی اس پر توجہ دینے اور روبہ عمل لانے کی ضرورت ہے۔ موجودہ دور میں شادی بیاہ کے موقعہ پر جو فضول خرچی' بے جا رسومات ہو رہے ہیں جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ اداروں اور علمائے کرام کا کام ہے کہ سادگی کے ساتھ یہ فریضہ انجام دینے کے لئے قومی افراد کو ترغیب دیں ان کی ذہن سازی کریں یہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس کتاب میں ''شادی رحمت یا زحمت'' پر ایک اچھا مضمون پڑھنے کو ملے گا۔

ڈاکٹر قمرالدین صاحب نے مہدویت پر انگریزی میں کام کیا ہے آپ کی کتاب کے دو مضمون ''کالپی اور جائس میں مہدویہ اثرات'' اور ''مکران کے ذکری'' کا فاضل مضمون نگار نے اردو ترجمہ کیا ہے۔ یہ مضامین بھی کتاب میں شائع ہوئے ہیں جو قاری کی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔

جناب شیخ چاند ساجد صاحب میں گوناگوں قابلیت پائی جاتی ہے۔ مذہبی' ادبی مضامین کے ساتھ طنز و مزاح پر بھی لکھنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ لیکن اس کو مستقل نہیں اپنایا۔ اس کتاب میں ایک مضمون ''آیئے میرے دوستوں سے ملئے'' شائع ہوا ہے۔ کم سنی سے ہی مضمون نگاری کا شوق تھا۔ چنانچہ روزنامہ ''رہنمائے دکن'' حیدرآباد میں تقریباً پچاس سال قبل ''بچوں کا صفحہ'' شائع ہوا کرتا تھا جس میں بھی ان کے مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔ سولہ یا سترہ سال کی عمر میں عیسائیوں کے ایک مشہور تبلیغی مرکز حبرون (Hebron) واقع مشیرآباد میں عراق سے آئے ہوئے ایک پادری سے گفتگو کا موقع ملا۔ پادری نے ایک انجیل کا نسخہ بتائے ہوئے پوچھا کہ کیا آپ اس انجیل پر ایمان رکھتے ہیں تو جواب دیا کہ ہم اُس انجیل پر ایمان رکھتے ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ یہ انجیل اصلی نہیں ہے۔ پادری نے کہا کہ آپ اگر ثابت کردیں تو میں مسلمان ہوجاؤں گا۔ ساجد صاحب نے اُس سے کہا کہ آپ کاغذ پر لکھ کر دیدیں 'میں اپنے علماء کو لاکر ثابت کروں گا۔ لیکن پادری نے تحریراً دینے سے انکار کردیا۔ اس کے علاوہ جہاد اور دیگر امور پر بھی گفتگو ہوئی۔

جناب شیخ چاند ساجد صاحب کی نظر وسیع ہے۔ ایک اچھے ادیب' بہترین مترجم کی حیثیت سے اپنا ایک مقام پیدا کرچکے ہیں۔ اس صف میں سب سے آگے نظر آتے ہیں۔ زبان اردو ہو یا انگریزی' عربی ہو یا ہندی سلیس زبان میں ڈھالنے کا فن انہیں آتا ہے۔ اس کے ساتھ ناقدانہ اور مفکرانہ بصیرت رکھتے ہیں۔ زندگی کے سفر میں جو محسوس کیا اور دیکھا اس کو رقم کیا۔ یہ حقیقت اور سچائی پر مبنی ہے کہ آپ کا قلم اور زبان اخلاقی قدروں اور اخلاقی باتوں کی طرف زیادہ توجہ دلایا ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو جزائے خیر دے آپ کی تالیفات کو مقبول عام کرے۔ اس کتاب کی اشاعت پر دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

۱۰/جنوری ۲۰۲۲ء

فقیر مقصود علی خاں غفرلہ

بعثتِ مہدیؑ اور قرآن

فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ

بحر العلوم علامہ سید اشرف شمسی علیہ الرحمہ کی تفسیر ''لوامع البیان'' بہ زبانِ عربی سے مذکورہ آیتِ مبارکہ کا ترجمہ اور توضیح و تشریح پر مشتمل ضروری اقتباس و تلخیص پیش ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ. یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ ط ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَشَآءُ. وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (المائدۃ ۔۵۴) پس عنقریب اللہ تعالیٰ لائے گا ایک قوم کو جو اس سے محبت کرے گی اور وہ اس سے محبت کرے گا۔ نرم دل ہیں مسلمانوں پر اور سخت ہیں کافروں پر، جہاد کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اور ڈرتے نہیں کسی کی ملامت سے، یہ فضل ہے اللہ دے گا جس کو چاہے اور وسعت والا علم والا ہے۔

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اسلام میں ارتداد واقع ہوگا اور مرتدین کے بعد ایک قوم آئے گی جو اللہ سے محبت کرنے والی ہوگی اور اللہ ان سے محبت کرے گا۔ علماء نے اس آیت کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے۔ ان میں سے بعض وہ علماء ہیں جو اُن (قوم) سے مراد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور آپ کے اصحاب سمجھتے ہیں۔ جنہوں نے مرتدین اور منکرین زکوٰۃ سے جنگ کی تھی۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد عامۃ العرب مرتد ہوگئے تھے، سوائے اہل مدینہ، اہل مکہ اور اہل بحرین میں سے بنی عبدالقیس کے لوگ جو اسلام پر قائم تھے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مشاورت کے بعد ان سے جنگ کرنے کا بیڑا اٹھایا اور یہ قول حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت قتادہؓ کا ہے۔ بعض علماء نے اس قوم سے مراد ابوموسیٰ الاشعری کی قوم الاشعری لیا ہے جیسا کہ عیاض بن غنم الاشعری نے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''وہ لوگ یہ قوم ہے'' یعنی ابوموسیٰ اشعری۔ حاکم نے مستدرک میں اس کا استنباط کیا ہے۔ بعض نے اس قوم سے مراد اہل یمن لیا ہے اور علماء نے کہا کہ یہ آیت انصار کی شان میں نازل ہوئی ہے کیونکہ وہی لوگ تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدد کی اور دین کے اظہار میں تعاون کیا بعض نے کہا کہ اُن (قوم) سے مراد اہل یمن کے قبائل ہیں جن میں النخع سے دو ہزار، کندہ اور تجیلۃ والوں میں سے پانچ ہزار اور ملی جلی قسم کے لوگوں کی تعداد تین ہزار ہے جنہوں نے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جنگِ قادسیہ میں فی سبیل اللہ جہاد کیا تھا۔ صاحب تفسیر اللباب اور صاحب

المدارک وغیرہ مفسرین کے قول کے مطابق یہ آیت خبر غیب ہے۔

میں کہتا ہوں (قول مفسر علامؒ) کہ فرمانِ خدا "یا ایھا الذین آمنوا" میں مخاطبین صحابہؓ ہیں و نیز قولہ تعالیٰ "من یرتد منکم عن دینه" سے اس مقصد کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ اہل یمن، انصار اور وہ قبائل جنہوں نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لیا تھا وہ سب مخاطبین کے مفہوم میں داخل ہیں۔

آیت "فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ الخ" سے مراد صحابہؓ لینا درست نہیں ہے کیونکہ اس قول فسوف میں حرف فاء صحابہؓ کے بعد اس قوم کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح کلمہ سوف زمانۂ مستقبل میں اس قوم کے وجود میں آنے کی دلیل ہے۔ چنانچہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اور اس آیت کے نزول کے وقت اس قوم کا موجود ہونا درست نہیں۔ اگر وہ قوم نزولِ آیت کے وقت موجود ہوتی تو پھر پیچھے آنے اور مستقبل کے معنی کیوں مقرر کئے جاتے۔ کیونکہ جو چیز وجود میں آچکی ہے اس کے بارے میں یہ کہنا کہ زمانۂ مستقبل میں وجود میں آئے گی درست نہیں۔ علاوہ ازیں یہ تکرار بلا فائدہ ہے۔ اس کلمہ سے قومِ صحابہؓ مراد لینا بھی مناسب نہیں۔ اس لئے لازماً اس سے غیر صحابہ کی ایک قوم مراد ہے جس کو اللہ تعالیٰ زمانۂ مستقبل میں لائے گا۔

تو جان لے جو ہم کہتے ہیں کہ اس آیت میں ایک خبر غیب ہے جو نبی صلعم کے بعد اللہ تعالیٰ کے خلفاء میں سے ایک خلیفہ کی بعثت پر دلالت کرتی ہے وہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جاریہ ہے کہ اپنی کتاب میں مستقبل میں آنے والے کی خبر دی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں توراۃ میں حضرت موسیٰ ؑ، حضرت مسیح ؑ اور حضرت محمد مصطفیٰ ؐ کے آنے کی خبر دی ہے۔ جیسا کہ علامہ تفتازانی نے المقاصد اور شرح المقاصد میں اور امام رازی نے اپنی تفسیر میں توراۃ کے عربی ترجمہ سے نقل کیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ طور سینا سے آیا اور سعیر سے چمکا اور جبل فاران سے ظاہر ہوا" اور میں نے یہ عبارت توراۃ میں دیکھی ہے جو اس طرح ہے "یا اللہ الذی تجلی من طور سینا و اشرق نوره من جبل سعیر ولوح به من جبل فاران" (اے اللہ جو طور سینا سے تجلی کیا اور جبل سعیر سے اپنا نور چمکایا اور جبل فاران سے نمودار ہوا)

مذکورہ عبارت علمِ کلام کی اکثر کتابوں میں لکھی ہوئی ہے اور ان سے منقول ہیں۔ پس یہ تین جملے اُن پاک و مقدس قطعاتِ ارض سے اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے ظہور اور اللہ کی جانب سے نازل شدہ اخبار مغیبہ کے ظہور پر دلالت کرتے ہیں جن کا ظہور لازم ہے ورنہ خبروں میں نسخ لازم آئے گا جو کہ جمہور اہل اُصول کی رائے میں باطل ہے۔ چنانچہ ان کا زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ میں وقوع پذیر ہونا واجب ہوگیا۔ جب کہ آنا اور جانا شانِ جسمانی ہے اور اللہ کا جسمانی وجود عقلاء کی رائے میں محال ہے۔ چنانچہ علماء راسخ اس کے معنی میں غور و خوص کے بعد کہتے ہیں کہ ان مقامات سے اللہ تعالیٰ کے ظہور سے مراد اس کے انبیاء اور خلفاء کا ظہور ہے پس طور سینا سے اللہ تعالیٰ کے آنے کا مطلب حضرت موسیٰ ؑ کا کوہِ طور سے ظہور ہے کیونکہ اسی مقدس مقام پر الواحِ تورات عطاء کی گئیں اور سعیر سے

اللہ تعالیٰ کے طلوع ہونے سے مراد اس مقام سے حضرت مسیحؑ کا ظہور ہے اور جبال فاران سے اللہ تعالیٰ کے ظاہر ہونے سے مراد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا مکہ سے ظاہر ہونا ہے کیونکہ جو پہاڑ مکہ کو گھیرے ہوئے ہیں انہیں فاران کہا جاتا ہے اور یہ معنی مراد لینے کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء وخلفاء کے درمیان ایک خاص مناسبت ہے اور وہ یہ ہے کہ ہدایت کے راستے تک پہنچانا اور صراطِ مستقیم کی طرف ان کی رہنمائی سالک کو اس کے مطلوب تک پہنچاتی ہے۔ لہذا اللہ کے آنے، چمکنے اور ظاہر ہونے سے مراد اُس کے انبیاء کا آنا، چمکنا اور ظاہر ہونا مجازی طور پر مراد ہے۔

اسی طرح قولہٗ تعالیٰ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗ. خبر دیتا ہے اللہ تعالیٰ کے آنے کی ایک قوم کے ساتھ جن سے اللہ محبت کرے گا اور وہ قوم اللہ سے محبت کرے گی۔ اس لئے یہ قول لازماً دلیل ہوگا رسول اللہ ﷺ کے بعد خلیفۃ اللہ کی بعثت و ظہور کا جیسا کہ طور سینا سے اللہ تعالیٰ کا آنا حضرت موسیٰؑ کے ظہور کی دلیل تھی۔ اور سعیر سے اللہ تعالیٰ کا چمکنا بعثت مسیحؑ کی دلیل تھی۔ اور جبل فاران سے اللہ تعالیٰ کا ظاہر ہونا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے آنے کی دلیل تھی۔ چنانچہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا آنا، چمکنا اور ظاہر ہونا ان انبیاء کرام کے ظہور کی دلیل تھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کا اس کی ایک محبوب قوم کے ساتھ آنا دراصل نبی کریم ﷺ کے بعد خلیفۃ اللہ کے ظہور کی دلیل ہے۔ سیاق استدلال ان دونوں موضوعات میں ایک ہی ہے۔ ان میں کوئی تفاوت نہیں البتہ مجموعی حیثیت سے یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے بعد بعثت خلیفۃ اللہ پر دلالت کرتی ہے لیکن وہ مبہم ہے اور اس میں خلیفۃ اللہ کے نام اور علامت کا تعین نہیں ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اخبار مرفوعہ وصحیحہ میں اس کا تعین کر دیا ہے لہذا یہ اخبار اس آیت کی تفسیر وتبیین ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ جو مبہم ومجمل تھا وہ بھی واضح ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ کا بیان جس میں آپ ﷺ نے اپنی اُمت کو امام مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کی خبر دی ہے وہ اسانید صحیحہ کی رو سے صحیح ثابت ہوا جیسا کہ مُلا علی قاری نے ''رسالۃ المہدی'' میں روایت کی ہے اور ایک روایت میں اس مقام پر قول رسول ﷺ کی وضاحت کی ہے کہ **المھدی من عترتی و من ولد فاطمۃؓ** یعنی مہدی میری عترۃ سے اور فاطمہ کی اولاد میں سے ہے۔ جیسا کہ روایت کی ہے ابوداؤد ابن ماجہ اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ ام سلمہؓ سے کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ **یخرج المھدی و علیٰ راسہ ملک ینادی ان ھذا المھدی فاتبعوہ** یعنی مہدی اس حال میں ظاہر ہونگے کہ ان کے سر پر فرشتہ منادی کرے گا کہ یہ مہدی ہیں ان کی اتباع کرو۔ ابونعیم وغیرہ نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ **المھدی منا اھل البیت یصلحہ اللہ فی لیلۃ** یعنی مہدی ہم میں سے اہل بیت سے ہے اور اللہ تعالیٰ ایک ہی رات میں انہیں صلاحیت عطا کرے گا۔ روایت کی احمد اور ابن ماجہ نے حضرت علیؓ سے کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ **المھدی منی اجلی الجبھۃ واقنی الانف یملاء الارض قسطا وعدلا کما ملئت جوراً و ظلماً یملک سبع سنین** یعنی مہدی مجھ سے ہے جلی پیشانی اور لمبی ناک والا وہ زمین کو قسط وعدل سے بھر دے گا جیسا کہ وہ ظلم وجور سے بھری ہوئی ہوگی اور وہ سات سال زندہ رہے

گا۔ نیز فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ ''میں تم کو بشارت دے رہا ہوں مہدی کی جو اہل قریش میں سے ایک شخص ہے اور جو میری اُمت میں ظاہر ہوگا جبکہ لوگوں میں اختلاف ہوگا اور زلزلے ہونگے پس وہ زمین کو قسط وعدل سے بھر دے گا جیسا کہ وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی ہوگی اور زمین و آسمان کے رہنے والے اس سے راضی ہونگے اور وہ مال صحاحاً تقسیم کرے گا'' ایک شخص نے پوچھا کہ صحاحاً کیا ہے تو فرمایا کہ ''وہ مال برابر برابر یعنی بالسویۃ لوگوں میں تقسیم کرے گا اور اُمت محمد ﷺ کے قلوب کو غناء سے بھر دے گا اور ان میں اس کے عدل کی گنجائش پیدا ہو جائے گی۔ حتی کہ منادی کا حکم دے گا پس منادی کی جائے گی کہ ہے کوئی حاجت مند لیکن کوئی نہیں آئے گا سوائے ایک آدمی کے اور وہ طلب کرے گا (اس کے بعد کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ) آپ اس کو اتنا مال عطا کریں گے جتنا وہ اُٹھا سکتا ہے۔ پھر وہ نادم ہو جائے گا اور مال لوٹانا چاہے گا۔ لیکن دیا ہوا مال آپ قبول نہیں کریں گے اس طرح آپؑ چھ یا سات یا آٹھ یا نو سال ٹھہریں گے اور آپ کے بعد زندگی میں خیر نہیں ہے۔

روایت کی احمد وابوداؤد وابونعیم نے ابی سعید الخدریؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے **لن تھلک امة انا فی اولھا و عیسیٰ بن مریم فی آخرھا و المھدی من اھل بیتی فی وسطھا** (وہ اُمت کبھی ہلاکت نہیں ہوگی جس کے شروع میں، میں ہوں اور عیسیٰ ابن مریم آخر میں ہیں اور مہدی میرے اہلِ بیت سے اس کے وسط میں ہیں۔) روایت کی ابونعیم وابن عساکر نے ابن عباسؓ سے اور انہوں نے بیان نقل کیا حضرت علیؓ سے کہ آپ نے اپنے فرزند حضرت حسنؓ کی طرف نظر ڈالی اور فرمایا کہ میرا یہ فرزند سردار ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ان کا نام رکھا ہے اور عنقریب اس کی صلب سے ایک مردِ صالح نکلے گا جو تمہارے نبی ﷺ کے نام سے موسوم ہوگا اور اخلاق میں حضور ﷺ سے مشابہت رکھے گا۔ ملا علی قادری نے کہا ہے کہ اس روایت کو تقویت ملتی ہے نعیم بن حماد کی روایت سے جو شیوخ بخاری میں سے ایک ہیں اور بعض روایات میں ہے کہ مہدیؑ اولاد حسینؑ میں سے ہیں جیسا کہ روایت کی گئی ہے عقد الدرر میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کہ فرمایا ''ایک آدمی نکلے گا اولادِ حسینؑ سے مشرق کی جانب سے اور اگر پہاڑ بھی اس کے راستہ میں آئیں تو انہیں منہدم کر دے گا اور ان میں اپنا راستہ بنائیگا۔ اس کی روایت کی الحافظ ابوالقاسم نے اپنی معجم میں اور حافظ ابونعیم اصفہانی اور حافظ ابوعبداللہ بن حماد نے کتاب الفتن میں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں تم کو صاف صاف بتا دیتا ہوں، زمانے کا وقت جو ہم میں ہے اور جو حدود اللہ تقسیم کئے گئے ہمارے لئے میں نے اس کا ایک عہد چن لیا اور ہماری طرف وقت کا دیکھنے والا لوٹے گا اہل حرم میں سے اور وہ ہمارے لئے اللہ کا فضل طلب کریں گے جو ہمارے لوٹنے کو پہچان لیں وہ ہم کو پہچانا۔ وہ مشابہت رکھے گا اللہ کی مخلوق میں رسول اللہ ﷺ سے اور اس کا نام رسول ﷺ کے نام پر ہوگا۔ اس کے والد کا نام رسول ﷺ کے والد کے نام پر ہوگا اور وہ اولاد فاطمہؓ سے ہوگا جو رسول اللہ ﷺ کی دختر ہیں۔ اور اولاد حسینؓ سے ہوگا۔ پس جو شخص اس کے سواء آئے گا اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

صحیح یہ ہے کہ امامؑ حضرت فاطمہ بنت نبی ﷺ کی اولاد میں سے ہیں جیسا کہ بیہقی نے بیان کیا اور اکثر علماء نے یہی مذہب

اختیار کیا اور حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالبؓ نے فرمایا کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مہدیؑ ہم میں سے ہیں یا غیر سے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم میں سے ہیں اور اللہ دین کو اُن پر ختم کرے گا جیسا کہ مجھ سے شروع کیا۔ اور باقی حدیث بیان کی حفاظ کی ایک جماعت نے اپنے کتب میں جن میں ابوالقاسم وابونعیم اصفہانی وعبدالرحمٰن بن حاتم اور ابوعبداللہ نعیم بن حماد وغیرہ نے ان احادیث سے جو اُمور مستنبط ہوتے ہیں ان میں

پہلا امر یہ ہے کہ امام مہدی علیہ السلام نبی کریم ﷺ کی دختر بی بی فاطمۃ الزہراؑ کی اولاد میں سے ہیں۔

دوسرا یہ کہ امامؑ کی اتباع جمیع الناس پر فرض ہے۔

تیسرا یہ کہ امامؑ کے کمالات وہبی ہیں کسبی نہیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ انہیں ایک رات میں صلاحیت عطا کرے گا''

چوتھا یہ کہ آپ زمین کو قسط وعدل سے بھر دیں گے۔ اس سے مراد زمین پر اشاعت عدل واحسان اور تبلیغ ہدایت وایمان ہے۔ اگر اس سے مراد فعلاً تمام زمین کو قسط وعدل سے بھر دینا مراد لیں تو مشیت الٰہی کے خلاف بات ہوگی جو کہ باطل ہے۔ لہذا تمام زمین کا قسط وعدل سے بھرا جانا امر باطل ہے۔ چنانچہ بیاں ملزوم مشیت ایزدی کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّھُمْ جَمِیْعًا (سورۂ یونس آیت ۹۹) یعنی اگر تیرا رب چاہتا تو زمین پر جتنے لوگ ہیں وہ سب ایمان لے آتے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا کُلَّ نَفْسٍ ھُدٰھَا (سورۃ السجدۃ۔۱۳) یعنی اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو ہدایت دیتے۔ ان آیات سے اس بات کی نفی ہوتی ہے کہ جمیع الناس ایمان لائیں گے اور ہدایت پر ہوں گے۔ اور اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کی مشیت ان دونوں اُمور سے ہٹ کر ہے۔ اس لئے اگر امام مہدیؑ تمام زمین کو عدل واحسان سے بھر دیں تو مشیت الٰہی کے خلاف ہوگا اور وہ چیز لازم آئے گی جس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ یعنی امام علیہ السلام ایسی چیز پر قادر ہو جائیں گے جو مشیت الٰہی میں سے نہیں ہے۔ وہ ممنوع ہے اس طرح امامؑ ایسی چیز کی ایجاد پر قادر ہو جائیں گے جو بذات خود ممنوع ہے اور یہ قطعی باطل ہے اور یہ بھی لازم آئے گا کہ قادر عاجز ہو جائے اور عاجز قادر ہو جائے جو کہ امر باطل ہے۔ قادر کے عاجز ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا جس پر اس کا ایک بندہ قدرت رکھتا ہے اور عاجز کے قادر ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی چیز پر قادر ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی قدرت نہیں۔ جہاں تک امام مہدیؑ کے عاجز ہونے کی بات ہے تو یہ ممکن ہے اور ہر ممکن شئے واجب کی محتاج ہے اور ہر محتاج عاجز ہے۔ پس مہدی علیہ السلام عاجز ہیں اور یہی مطلوب ہے اور یہ جملہ کہ تمام زمین کو قسط وعدل سے بھر دیا جانا قطعی باطل ہے۔ پس جب امر اس طرح ہے تو حدیث کا مفہوم بھی یہی ہے اور کہتے ہیں کہ الارض پر جو لام داخل ہے استغراق کے لئے نہیں بلکہ عہد خارجی کے لئے ہے۔ اس سے مراد کوئی ایک قطعہ ارض لیا جائے گا تو اس قطعہ کا قسط وعدل سے بھرا جانا جائز ہوگا اور اس سے محذور لازم

نہیں آئے گا

پانچواں یہ کہ امام علیہ السلام مال صحاحاً یعنی بالسویہ تقسیم کرینگے اور یہ ہمارے پاس ثابت ہو چکا ہے اور یہ عمل ہماری قوم میں جاری ہے۔

چھٹا یہ کہ اللہ تعالیٰ مصدقین مہدی کے قلوب میں بے نیازی پیدا کر دے گا یعنی اُن کو متاع دنیا اور اس کی لذتوں کی طلب سے مستغنی یعنی بے نیاز بنا دے گا کیونکہ وہ لوگ سوائے اللہ کے کسی سے محبت نہیں کریں گے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اُن کی شان میں فرمایا'' یحبونہ ''یعنی وہ قوم اس (اللہ) سے محبت کرے گی اور یہ صفت انہیں بے نیاز بنا دے گی چنانچہ وہ لوگ ماسوئ اللہ کی طرف التفات نہیں کریں گے۔

ساتواں یہ کہ امامؑ رسول اللہ ﷺ کی طرح اُمت کو ہلاکت سے بچائیں گے اور دفع ہلاکت سے مراد ہدایت کی تبلیغ اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی ہے جو سالک کو اپنے مطلوب تک پہنچاتی ہے۔

آٹھوں یہ کہ امام علیہ السلام اخلاق واطوار میں خُلق رسول اللہ ﷺ سے مشابہہ ہیں چنانچہ آپ کے اخلاق رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کی مانند عظیم ہیں۔

نواں یہ کہ خلیفۃ اللہ کا اس کے اقوال وافعال واحوال میں معصوم عن الخطا ہونا لازم ہے۔ مُلا علی قاری نے رسالۃ المہدی میں لکھا ہے کہ ''خلیفۃ اللہ کے بارے میں یہ واضح دلیل ہے اُن کی علوشان اور رفعتِ مکان پر اور آپ کی عظمت مزید واضح ہو جاتی ہے آدم علیہ السلام کے حق میں اللہ کے قول سے جو اُن کے ذکر میں ہے۔ **واذ قال ربک للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ** نیز قولہ تعالیٰ **یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض**. اس سے معلوم ہوا کہ یہ ان کی منقبت میں ہے اور شائد مہدیؑ افضل ہوں صدیق ؓ (ابوبکرؓ) سے اس حیثیت سے کیونکہ ان کو رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ کہا جاتا ہے اللہ کا خلیفہ نہیں کہا جاتا''۔ میں کہتا ہوں (قول مفسر علامؒ) کہ بے شک حق اپنی زبان سے بولا جاتا ہے ورنہ ملا علی قاری سے اُمید نہیں کی جاسکتی کہ وہ اس طرح کی بات کہے اور کہا جاتا ہے کہ فضل وہ ہے جس کی دشمن بھی شہادت دے۔

دسواں امر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مبدی دین ہیں اور امام مہدی موعودؑ خاتم دین ہیں جیسا کہ حضرت علی مرتضیٰ ؓ سے مروی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ یہ بات تم سے مخفی نہیں کہ امامؑ کا اللہ کے دین کا خاتم ہونا آپ کا وصفِ جلیل اور نعمت عظیم ہے اور یہ وصف جلیل دلیل ہے امامؑ کے جامع ہونے کی رسول اللہ ﷺ کے تمام کمالات کا اور اس بات کا متقاضی ہے کہ آپؑ ان تمام کمالات میں اکمل ہوں کیونکہ خاتم اگر مبدی سے کم یعنی ناقص ہو تو اکمال واختتام دین کی اس سے توقع نہیں کی جاسکتی کیونکہ جو خود ناقص ہو وہ تکمیل پر کیسے قادر ہوگا، اس لئے خود اس کا مبدی کے جمیع کمالات وملکات میں جامع ہونا واجب ہے سوائے آپ ﷺ کے

خصائص کے مثلاً نبوت تشریعیہ اوردعوت کے کیونکہ یہ چیزیں رسول اللہ ﷺ پر ختم ہوچکی ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **مَا کَانَ مُحَمَّد "اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ** (سورہ الاحزاب۔۴۰) یعنی محمد باپ نہیں کسی کے تم مردوں میں سے لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں اور جیسا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ **لا نبی بعدی** یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔میں کہتا ہوں (قول مفسر علامؒ) کہ یہاں نبی سے مراد نبی مشرع یعنی صاحبِ شریعت نبی اور نبی غیر مشرع دونوں ہیں جن کا وجود ممتنع ہے اور یہ حدیث نبی کے وجود پر امتناع کی دلیل ہے۔جہاں تک حدیث **لا وحی بعدی** کا تعلق ہے تو وہ محدثین کی رائے میں باطل ہے۔ملا علی قاری نے ''رسالتہ المہدیٰ'' میں لکھا ہے ''جہاں تک حدیث **لا وحی بعدی** کا تعلق ہے تو وہ باطل و بے اصل ہے۔ہاں البتہ وارد ہوئی ہے **لا نبی بعدی** کی حدیث جس کا معنی علماء کی رائے میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی صاحب شریعت نبی پیدا نہیں ہوگا جو آپ ﷺ کی شریعت کو منسوخ کر سکے'' میں کہتا ہوں (قول مفسر علامؒ) کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے علوم قدسیہ اور معارف الٰہیہ کی تعلیم القاء والہام کے ذریعہ ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں اور حاصل کلام یہ ہے کہ مہدی علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے ساتھ متحد ہیں آپ ﷺ کے جملہ کمالات و معارف میں سوائے ان کے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **المھدی منی یقفو اثری و لا یخطی** ۔اس سے مراد یہ ہے کہ امامؑ رسول اللہ ﷺ کی حالت وسیرت میں پوری پوری پیروی کریں گے لہذا واجب ہوگیا کہ آپ کی حالت اور سیرت رسول اللہ ﷺ کی حالت وسیرت سے مشابہہ ہو اور ہمارے بیان سے واضح ہو چکا کہ آپؑ کا خروج و بعثت لازم ہے اُمت رسول اللہ ﷺ کو ہلاکت سے بچانے اور اختتام دین محمدی کے لئے۔

مفتی الحرمین ابن حجر الھیتمی نے لکھا ہے کہ بعض ائمہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مہدیؑ کے متعلق راویوں کی کثرت کے ساتھ متواتر و مستفیض اخبار وارد ہیں۔مہدیؑ کے آنے اور آپ کے اہل بیت نبی سے ہونے کے بارے میں ایک اور جگہ کہا کہ یہ تمام روایتیں موافقت کرتی ہیں جو پہلے طئے پایا تھا کہ امامؑ آل نبی ﷺ سے ہیں کیونکہ آپؑ کی احادیث بکثرت و صحیح ہیں بلکہ بعض ائمہ حفاظ کا قول ہے کہ مہدیؑ کا آل رسول اللہ ﷺ سے ہونا متواتر مروی ہے۔مُلا علی قاری نے رسالتہ المہدی میں لکھا ہے حضرت مہدی کے ذکر میں اور آپ کے اہل بیت سے ہونے کے متعلق احادیث رسول اللہ ﷺ متواتر ہیں۔شیخ عبدالحق دہلوی نے اشعۃ اللمعات فی شرح المشکواۃ میں لکھا ہے کہ مہدی کے اہل بیت سے اور اولادِ فاطمہؓ سے ہونے پر احادیث حدتواتر کو پہنچ چکی ہیں۔ان سب کا ماحصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اللہ سبحانہ تعالیٰ کے آنے سے مراد امام مہدیؑ کا آنا ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ قولہ تعالیٰ بقوم میں باء تعدیہ ہے اس سے یہ معنی ہونگے کہ اللہ تعالیٰ عنقریب ایک قوم کو لائے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور وہ قوم اُس سے محبت کرے گی۔اس بناء پر جو تم نے ذکر کیا ہے وہ موزوں نہیں ہے۔میں کہتا ہوں (قول مفسر علامؒ) کہ یہ تاویل ہمارے لئے ضرر رساں نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ کیا ہے کہ وہ عنقریب ایک ایسی قوم کو مبعوث کرے گا جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرے گا اور وہ قوم اللہ تعالیٰ سے

محبت کرے گی۔ چنانچہ اس محبت والفت کا وجود جو دوستی سے عبارت ہے معلم معصوم کی تعلیم کے بغیر درست نہیں کیونکہ اگر مدارج قرب معلم معصوم کی تعلیم کے بغیر حاصل ہو سکتے تو بعثت انبیاء عبث تھی اور قول نبی ﷺ **کیف تھلک امتی باطل** جونا ممکن ہے۔ اسی طرح واجب ہوگیا کہ تمام اچھی چیزوں کا حصول معلم معصوم کے وجود پر موقوف ہے جو لوگوں کو ہدایت کی راہ دکھائے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت کی ترغیب دے اور انہیں اللہ سے قریب ہونے کے طریقے سکھائے اور انہیں ایسے اعمال نفسانی کا حکم دے جو عبودیت کو فنا کر کے گوشۂ الوھیت تک بلکہ بقاع امہات الصفات تک پہنچا دے۔ اگر ایسا معلم معصوم ان کے ساتھ نہ ہوا تو وہ لوگ حقیقی محبت کی صفت سے موصوف نہیں ہونگے۔ اس بناء پر یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے بعد ایک امام معصوم کے وجود پر واضح ترین دلیل ہے اور وہ امام مہدی علیہ السلام ہیں۔ ہم نے اپنے مولفہ علم کلام کے بعض رسائل میں اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ بعد ازاں محبت اس کا ارادہ ہے جو اچھی چیز تم اپنے دل میں دیکھتے ہو۔ بعض نے اللہ کی محبت کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ کہا گیا کہ یہ اس کا انعام ہے اپنے بندے پر یا اس کی ہدایت ہے اس کی اطاعت کی طرف۔ اور کہا کہ اس کی جزاء ہے اس کی اطاعت پر۔ صاحب تفسیر کشاف کہتے ہیں کہ بندوں کی محبت اپنے رب کے لئے اس کی اطاعت اور اُس کی رضامندی حاصل کرنے کی کوشش ہے اور اگر ایسا کام نہیں کریں گے جو اُس کے غضب اور سزاء کا موجب بنے اور اللہ کی محبت اس کے بندوں کے لئے سب سے بہترین ثواب ہے ان کی اطاعت کے بدلہ میں اور دوہرا ثواب ہے ان پر اور ان سے خوش ہوتا ہے.....

احمد نے اپنے حاشیہ میں (جو تفصیل لکھی ہے اس کا خلاصہ بالاختصار یہ ہے کہ) محبت کے لغوی معنی اور اُس کی صفات پر تفصیلاً بحث کی ہے کہ یہ لذت سے متصف ہوتی ہے۔ بعد ازاں لذت کی اقسام بیان کی ہیں۔ مثلاً لذت ذوق، لذت نظر و لمس، لذت سونگھنے کی، لذت سماعی، لذت ادراک، لذت جاہ و ریاست اور لذت علوم وغیرہ اور ان کا موازانہ لذت حقیقی یعنی معرفتِ الٰہی سے کیا ہے اور لکھا ہے کہ اللہ کے لئے بندہ کی محبت لوازم و شرائطِ ایمان میں سے ہے اور ان میں تفاوت ممکن ہے ان کے ایمان میں تفاوت کے مطابق۔

میں کہتا ہوں (قول مفسر علامؒ) کہ اللہ کی محبت عبارۃ ہے اس کے بذاتِ خود ظہور سے انفس و آفاق کے معاملہ میں مختلف معاملات میں اور مختلف احوال میں جیسا کہ حدیث قدسی اسی پر دلالت کرتی ہے وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا قول جو اللہ تعالیٰ کے کلام سے منقول ہے کہ **کنت کنزاً مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق الخ** یعنی میں ایک کنز مخفی تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں پس میں نے خلق کو پیدا کیا۔ اس بناء پر اس کی ذات کی پوشیدگی محبّ ہو جائے گی اور اس کی ذات کا ظہور محبوب ہو جائے گا اس کی ذات کے لئے اور اس اعتبار سے وہ عالم بطوں میں متصور ہوگا۔ جہاں تک عالمِ شہادۃ وجود حب کی تعبیر ہے تو وہ اس کی ابتداء سے تحریک ہے یعنی اس کو جذب الٰہی سے تعبیر کیا جاتا ہے جو اس کے رضوان سے پیدا ہوتی ہے فضل وجود کے راستے پر اور وہ بندہ کو پہنچاتی ہے اللہ کی ذات وصفات کے مشاہدہ کے مقام تک وہ شہودِ تجلی کرتے ہیں جمالی تجلیات سے جو متحیر کرتی ہیں اس کے دل کو اور مشخص کرتی ہیں اس کی

طرف اس کی بصارت کواور وہ سوائے اس کے کسی اور کی طرف نہ توجہ کرتا ہے اور نہ نظر ڈالتا ہے۔ پس یہ جذب سبب ہے بندہ کے محبّ اور اللہ کے محبوب ہونے کا۔ پس امر پلٹ جاتا ہے اور تبدیل ہوجاتا ہے کیونکہ کسی چیز کا جذب اس کی ذات تک نہیں ہوتا اس کی محبت کے بغیر اس لئے یہ چیز اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کو محبّ بنادیتی ہے۔

(اس قوم کی صفات بیان کرتے ہوئے) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ أذلة جو ذلیل کی جمع ہے **ذلــول** نہیں کیونکہ اس کی جمع ذال ہے۔ **علی المومنین** حضرت علی ابن ابی طالبؓ نے فرمایا کہ **اذلة علی المومنین** سے مراد اہل رقتہ یعنی نرم گوشہ رکھنے والے ہیں ان کے دین پر اور کہا گیا کہ یہاں **ذل** سے مراد شفقت ورحمت ہے۔ گویا کہ وہ لوگ مومنین کے لئے شفقت رکھیں گے تواضع اور رقت کے اعتبار سے۔ **اعـزة علی الکافرین** یعنی اپنے مخالفین دین کے لئے وہ سخت ہونگے۔ **یـجاھدون فی سبیل الله** یعنی وہ لوگ کفار سے جنگ کریں گے اعلاء کلمتہ الحق کے لئے اور نصرت دین کے لئے اور ممکن ہے کہ جہاد سے مراد جہاد نفسانی ہو جو کہ جہاد جسمانی سے اکبر ہے کیونکہ مجاہد اپنے محبوب سے قریب ہوجاتا ہے اور اپنی ذات کو اس کی ذات کی تجلیات وصفات میں گم کردیتا ہے۔ **و لا یخــافـون لـومة لایم** . یعنی واؤ حال سے مراد وہ لوگ فی سبیل اللہ جہاد کریں گے ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ کئے بغیر کیونکہ وہ لوگ صرف اللہ کی رضامندی کے لئے جہاد کریں گے اس لئے ملامت کا خوف اس جگہ ان کی کوششوں میں رکاوٹ نہیں بنے گا اور وہ لوگ منافقوں کی طرح نہیں ہونگے جو باطنی طور پر کفار سے محبت کرتے ہیں لیکن ظاہری طور پر مومنین کے ساتھ چلتے ہیں کیونکہ وہ لوگ ملامت کرنے والوں کی ملامت سے ڈرتے ہیں۔ پس وہ مجاہدین کے ساتھ میدان کی طرف تو نکلتے ہیں ان کے دل جدال میں آگے بڑھنے اور حصہ لینے سے منع کرتے ہیں۔ **ذالک** اشارہ ہے مذکورہ اُمور کی طرف جو اس قوم کی صفات جلیلہ ہیں جو اللہ سے محبت کرتی ہے۔ پہلی صفت محبت ہے، دوسری صفت تذلل وتواضع ہے، تیسری صفت کافرین پر سختی ہے، چوتھی صفت مجاہدہ اور پانچویں صفت ملامت کے خوف سے بری ہونا ہے۔ **فـضل الله** کیونکہ وہ لوگ ان خصال رضیہ سے متصف ہونگے **یـؤتیه من یشاء** یعنی جس کو وہ عطا کرتا ہے یا توفیق دیتا ہے۔ **و الله و اسع** یعنی احسان وفضل میں واسع ہے **علیم** یعنی جانتا ہے کہ کون فضل وکرم کا مستحق ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''نور حیات'' میلاد نمبر اکٹوبر، نومبر ۱۹۹۲ء، ماہنامہ ''فضیلت'' جون ۲۰۰۵ء)

☆☆☆☆☆☆☆

ترجمہ وتلخیص اقتباس از تفسیر لوامع البیان بحر العلوم علامہ سید اشرف شمسیؒ

قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْ

قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ (سورہ یوسف آیت ۱۰۸)

(قل هذه سبیلی ادعوا الی الله) صاحبِ تفسیر کشاف (الکشاف عن حقائق التنزیل از علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر جار اللہ زمخشری وفات ۵۳۸ھ م ۱۱۴۴ء) نے کہا کہ یہ وہ سبیل ہے جو دعوت ہے ایمان وتوحید کی۔ سبیلی یعنی سبیل سے مراد راستہ ہے جو مذکر ومونث دونوں طرح مستعمل ہے۔ پھر اس کے راستے کی تفسیر بیان کی اس کے قول سے کہ میں بلاتا ہوں اس کے دین کی طرف حجۃ واضحہ کے ساتھ کھلے اور واضح طور پر۔ عبداللہ نے قل هذه سبیلی کو تذکیراً پڑھا ہے۔ اور معنی یہ کہ بیشک میں بلاتا ہوں خدائے واحد کی طرف اور نہیں بلاتا اس کے سوا فرشتہ انسان ستارہ یا بت کی طرف اور بے شک میری دعوت خدائے واحد کی طرف ہے۔

(علیٰ بصیرة انا) کہا گیا کہ بصیرت حجۃ واضحہ اور برہان قاطع ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''قد جاء کم بصائر من ربکم'' (سورہ الانعام آیت ۱۰۴) ترجمہ: تم کو پہنچ چکیں حجتیں تمہارے رب سے۔ یعنی دلائل وبراہین واضحہ اور یہی معنی اخفش نے اختیار کیا جیسا کہ ذکر کیا اس نے قولہ تعالیٰ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ (القیامۃ آیت ۱۴) کی تفسیر میں صاحب اللسان (لسان العرب از محمد بن مکرم ابن منظور متوفی ۱۳۱۱ء) نے کہا کہ بصیرت اعتقادِ قلب کا نام ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ (بصیرت) کسی امر کی تحقیق ومعرفت ہے۔

صاحب ''منتہی الادب'' نے کہا کہ بصیرت سے مراد کسی چیز کو دیکھنا اور اس کا یقین کرنا ہے۔ پس تاویل کے لحاظ سے یہ معنی ہوں گے کہ میں بلاتا ہوں اللہ کی طرف تصدیق واعتقاد پر نہ کہ ظن اور وہم پر۔ اس کے دوسرے معنی یہ ہوں گے کہ میں بلاتا ہوں اللہ کی طرف اس کی رویت پر۔ یہی وہ معنی ہے جو ہمارے پاس اختیار کئے جاتے ہیں کیوں کہ انبیاء علیہم السلام انسان کی تہذیب واصلاح کے لئے ہی مبعوث ہوئے امورِ معاش ومعاد میں اور اُس کی غایت یہ ہے کہ وہ (انسان) اخلاقِ الٰہیہ سے متصف ہو جائے اللہ عزوجل سے مکمل قربت کے ساتھ اور کمالِ قرب کی انتہا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھے۔ ''انا'' تاکید ہے لفظ ''ادعوا'' میں مستتر کے لئے۔

(ومن اتبعنی) عطف ہے قولہ ''انا'' پر صاحب کشاف نے کہا ''ادعوا الیها انا ویدعوا الیها من اتبعنی'' (یعنی

میں بلاتا ہوں اُس کی طرف اور وہ بلائے گا اس کی طرف جو میرا تابع ہے)۔ میں (مفسر علام) کہتا ہوں کہ دونوں بلاتے ہیں اللہ کی طرف اس کی رویت پر پس یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ان کے ایک تابع کی بعثت ہوگی جو اللہ کی طرف بلانے والا ہوگا دلیل واضح کے ساتھ یا تصدیق واعتقاد جازم پر یا اس کی رویت پر۔

مفسرین اس آیت کی گہرائی تک نہیں پہنچے اور اچھی طرح غور وفکر نہیں کیا کہ اس آیت کا مقصد کلام خبر دینا ہے ایک امام جلیل کی بعثت کی جو تابع ہے رسول اللہ ﷺ کا اس دعوت عظیمہ میں۔ ان مفسرین نے تابع سے مراد تابع عام لیا ہے چاہے وہ معصوم ہو یا نہ ہو۔ اور ہم (اب) بحث کریں گے اس تابع کے معنی میں۔ پس ہم کہتے ہیں کہ تابع کی دو قسمیں ہیں یعنی تابع تام اور تابع ناقص۔ تابع تام وہ ہے جو اتباع کرے اپنے متبوع کی اس کے جمیع اقوال وافعال واحوال میں اور اس کے لئے (صفت) عصمت لازمی ہے۔ کیوں کہ غیر معصوم کے لئے ممکن ہے کہ کسی بھی معاملہ میں اس سے خطا صادر ہو۔ تابع ناقص ویسا نہیں ہوگا یعنی وہ بعض امور میں متبوع کی اتباع کرے گا اور بعض امور میں قاصر ہوگا۔ پس اس آیت میں جو تابع مراد ہے وہ قسم اول یا ثانی ہوسکتا ہے۔ لیکن قسم ثانی مراد لینا جائز نہیں کیوں کہ اس آیت میں جو تابع منصوص بہ ہے وہ داعی الی اللہ تعالیٰ ہے کیوں کہ ''من'' معطوف ہے قولہ ''انا'' پر جیسا کہ صاحب کشاف نے اتفاق کیا ہے۔ داعی الی اللہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ معصوم عن الخطا ہو ورنہ اعتبار اُٹھ جائے گا کہ وہ اللہ کی جانب سے ہی اس کی طرف بلانے والا ہے۔ قسم ثانی کا تابع قاصر ہے اتباع میں پس وہ معصوم نہیں ہوگا اور اس کی دعوت کو قبول کرنا لازم نہیں کیوں کہ وہ صدق وکذب دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔ جہاں تک مجتہد کا معاملہ ہے وہ تو معصوم ہونا شرط نہیں ہے کیونکہ وہ اصولِ شرعیہ سے احکام کا استنباط کرتا ہے لہٰذا اس کے لئے امورِ مفسرہ کافی ہیں اجتہاد میں لیکن جہاں تک داعی کا معاملہ ہے تو وہ احکام پاتا ہے اور ان کی تجدید کرتا ہے اس لئے یہ کہاں اور وہ کہاں پس یہ مناسب نہیں کہ آیت میں مذکور تابع سے مراد معنی اول کے سواء کسی اور تابع کو لیا جائے یعنی (معنی اول میں) تابع تام اور وہی مطلوب ہے۔

قولہ ''من اتبعنی'' میں کلمہ ''من'' لفظ مجمل ہے جو بیان وتفسیر کا محتاج ہے یا یہ کہ وہ متصل ہونا چاہئے یا منفصل، لیکن وہ متصل نہیں ہے کیوں کہ مجمل کے ساتھ موجود نہیں ہے پس وہ منفصل ہے۔ پھر منفصل ضروری ہے کہ پایا جائے قرآن میں یا حدیث میں۔ اول (یعنی قرآن میں) تصریحاً موجود نہیں۔ پس دوسرا ثابت ہوتا ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ ان (مہدی موعودؑ) کے احوال میں رسول اللہ ﷺ سے مروی یہ احادیث متواترہ ہیں جن کی تخریج ائمہ احادیث نے اپنے مسانید وسنن میں کی ہے کہ آپؐ کے اہل بیت سے ایک امام معصوم نکلے گا جس کا لقب مہدی ہوگا جیسا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا'' المهدی منی یقفوا اثری و لا یخطی '' (مہدی مجھ سے ہے اور میرے قدم بہ قدم چلے گا اور خطا نہیں کرے گا۔) اسی طرح روایت ہے۔ ''کیف تهلک امتی انا فی

اولھا وعیسیٰ فی آخرھا والمھدی من اھل بیتی فی وسطھا۔ ’’کیسے ہلاک ہوگی میری اُمّت جبکہ میں اُس کے آغاز میں ہوں عیسیٰؑ اس کے آخر میں ہے اور میری اہل بیت سے مہدیؑ اس کے وسط میں ہیں‘‘ اسی طرح حضرت علی سے مروی ہے **یختم اللہ بہ الدین** ’’اللہ ان پر دین کو ختم کرے گا۔‘‘

روایت ثوبان میں ہے کہ **فبایعوہ ولو حبوا علی الثلج فانہ خلیفۃ اللہ المھدی** (پس اس سے بیعت کرو اگرچہ کہ برف پر سے رینگتے ہوئے جانا پڑے کیوں کہ وہ اللہ کا خلیفہ ہے۔)

ہم نے اس باب میں کچھ رسائل کی تالیف کی ہے جن میں اس امام نبیل سے متعلق احادیث کے طریق کے تعلق سے بحث کی ہے اور ہم نے ان احادیث کو صحیح اور مرفوع الی الرسول اللہ ﷺ پایا ہے۔ پس یقیناً اس تابع سے مراد امام موعود ہی ہیں جن کی خبر رسول اللہ صلعم نے اپنی اُمت کو دی ہے اور انہیں تاکید فرمائی ہے اپنے قول سے کہ ’’**فبایعوہ ولو حبواً علی الثلج فانہ خلیفۃ اللہ المھدی**‘‘

پس مجمل (من) کا بیان یہ احادیث متواترہ معنویہ [1] ہوں گے اور حاجت کے وقت تک بیان کی تاخیر میں کچھ مانع نہیں ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ ’’نور حیات‘‘ میلاد نمبر اکٹوبر و نومبر ۱۹۹۴ء/۱۴۱۵ھ و ’’نور ولایت‘‘ جنوری ۲۰۰۹ء)

---

(۱) حاشیہ: متواتر لفظی وہ ہے جس کے الفاظ کی روایت ایک جماعت نے دوسری جماعت سے اس طرح پر کی ہو کہ کسی لفظ کی اس میں تبدیلی نہ ہوئی ہو۔ متواتر معنوی وہ ہے کہ ایک جماعت نے دوسری جماعت سے کسی امر کے مختلف وقایع اور مختلف صفات نقل کئے ہوں۔ (اصلاح الظنون فی جواب ابن خلدون از علامہ بحر العلوم سید اشرف شمسیؒ)

☆☆☆☆☆☆☆

ترجمہ اقتباس من لوامع البیان (للعلامہ السید اشرف الشمسیؒ)

ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡکِتٰبَ الَّذِیۡنَ اصۡطَفَیۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا:

آیت:ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡکِتٰبَ الَّذِیۡنَ اصۡطَفَیۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا (سورہ فاطر آیت۳۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پھر ہم نے وارث بنایا کتاب کا ان لوگوں کو جنہیں ہم نے منتخب کرلیا اپنے بندوں میں سے اور نبی کا مورث بھی نبی ہی ہوتا ہے۔

ابوحیان نے کہا کہ کتاب کے بارے میں دو قول ہیں۔ایک یہ کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے کتاب نازل کی اور اس بناء پر کتاب اسم جنس ہے اور **مصطفون** سے مراد انبیاء اور ان کے اتباع ہیں۔یہ حسن کا قول ہے۔دوسرا قول ابن عباسؓ کا یہ ہے کہ کتاب سے مراد قرآن کریم اور **مصطفون** سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ کی اُمّت ہے۔انتہی۔پہلے قول کے مطابق یہ معنی ہوں گے کہ وہ کتاب جو ہم نے نازل کی نبی اور رسول پر تا کہ وہ لوگوں کو بلائے بصیرت پر اور اس کے بعد نبی کو اس کا وارث بنایا ہے۔وہ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ کوئی ان کا وارث ہوتا ہے جب وہ متاع دنیا سے کوئی چیز چھوڑیں بلکہ وہ دین و ہدایت کے وارث اور موروث ہوتے ہیں۔چنانچہ کسی نبی کا وارث صرف نبی ہوتا ہے لہٰذا ہمارے نبی ﷺ اپنے آل واصحاب میں سے کسی کے وارث نہیں ہیں بلکہ فرمایا کہ

نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث وما ترکناہ صدقة ہم انبیاء کے گروہ سے ہیں نہ ہم کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ کوئی ہمارا وارث ہوتا ہے اور جو ہمارا متروکہ ہے وہ صدقہ ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام متاعِ حیات دنیا میں سے نہ کسی چیز کے وارث ہوتے ہیں اور نہ کوئی ان کا وارث ہوتا ہے۔اس بناء پر ان کا کوئی ورثہ نہیں ہوتا سوائے دین و ہدایت کے اس لئے ان کے بعد کوئی ان کا وارث نہیں ہوتا سوائے دوسرے نبی کے کیوں کہ وہ ان کا خلیفہ ہوتا ہے انکے بعد تبلیغ دین میں حضرت اسمٰعیل واسحاقؑ کی طرح جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد لوگوں کو ملّتِ ابراہیمؑ کی طرف بلاتے تھے۔پس وہ دونوں باعتبار دعوت اس (نبی) کے خلیفہ اور وارث تھے۔

دوسرے قول میں **مصطفین** سے مراد اُمّتِ نبی ﷺ لیا گیا ہے جو کہ ضعیف ہے۔کیوں کہ آپؐ کی امت دو قسموں پر ہے۔یعنی اُمّتِ دعوت اور اُمّتِ اجابت اور کفار پہلی قسم میں داخل ہیں پھر وہ کس طرح اہل اصطفا اور وارثین کتاب میں سے ہوں گے۔اسی طرح فاسق امت اجابت میں داخل ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ بھی کتاب اللہ کے وارث نہیں ہیں۔چونکہ وارث مورث کا قائم

مقام ہوتا ہے اور یہاں مورث نبی ہے جو داعی الی اللہ ہے پھر کس طرح کا فر و فاسق اس مورث کا قائم مقام ہوگا۔ بعضوں نے کہا کہ وارثوں سے مراد علماء و مجتہدین ہیں کیوں کہ نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ ''العلماء ورثة الانبياء ''یعنی علماء انبیاءؑ کے وارث ہیں۔ بعض اہل علم نے اس بات پر اتفاق کیا اور اس میں بحث کی ہے۔ اور ان کا بیان ہے کہ دلیلِ عقلی و نقلی سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ نبیؐ اس کے جمیع اقوال و افعال میں معصوم عن الخطا ہے۔ لہٰذا عقل و نقل کے حکم سے واجب ہوا کہ اس کی اُمّت اس کی اتباع کرے اور ہر اس چیز پر ایمان لائے جو اسکے رب کریم کی طرف سے آئے جو اس کی اتباع کرتا ہے وہ قدر و منزلت میں اُس کی مثال نہیں ہوسکتا ہے کیوں کہ وہ بعض اقوال و افعال میں خطا کرے گا۔ جب اس کا یہ حال ہے تو لازمی ہے کہ نبی کا قائم مقام وہی ہو جو صفت عصمت سے متصف ہو کیوں کہ اگر وہ اس صفت سے متصف نہیں ہوگا تو اس کے قول و فعل میں خطا کا احتمال ہوگا۔ لہٰذا وہ جو کچھ کہے گا یا کرے گا اس میں بھی خطاء و صواب کا احتمال ہوگا۔ اگر چہ کہ وہ شخص کھرے کھوٹے میں فرق و تمیز کرنے والے علمائے محققین میں سے ہو۔ صاحب اجتہاد و قیاس ہو، کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ میں بصیرت فائقہ رکھنے والا ہو اور اس (سنت) کے جو امور ہیں اس کا اجتہاد و فضیلت دور دراز کے ملکوں اور شہروں تک مشہور ہو۔ وہ اس لئے کیوں کہ ہر مجتہد خطا و صواب کر سکتا ہے اور یہ قول متفق علیہ ہے۔ چنانچہ اس کا قول قطعی نہیں ہوسکتا لیکن علماء کا فتویٰ ہے کہ اس (مجتہد) کی تقلید جائز ہے اس امکان پر کہ وہ اپنے اجتہاد میں درست ہے کیوں کہ وہ اصول ثلاثہ سے احکام کا استنباط کرنے میں مہارت کا اونچا درجہ رکھتا ہے۔ پس وہ مجتہد اپنی رائے میں وقوعِ خطا کے امکان کے ساتھ اس نبی کا کیسے وارث ہوگا جو خطا سے پاک ہے۔ یہاں ہم کہتے ہیں کہ نبی کے وارث پر واجب ہے کہ وہ بھی نبی کی طرح معصوم ہو۔ امام ابو حامد محمد غزالیؒ نے ''احیاء العلوم'' میں لکھا ہے کہ کوئی عالم اس وقت تک نبی کا وارث نہیں ہوتا جب تک کہ وہ تمام معانی شریعت سے مطلع نہ ہو حتیٰ کہ اس کے اور نبی ﷺ کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق باقی رہ جائے۔ اور وہ درجہ نبوت کا ہے جو وارث اور مورث کے درمیان فرق ظاہر کرتا ہے۔ یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو نبی کا وارث ہوگا اس کا درجہ نبوت کے درجہ کے نیچے اور باقی تمام مراتب عالیہ سے اونچا ہوگا۔ میں (مفسر علام) کہتا ہوں کہ (وارث کی) یہ تعریف جامع نہیں ہے کیوں کہ بعض معروف افراد اس سے خارج ہوتے ہیں۔ بہتر ہوگا اگر یوں کہا جائے کہ وارث کی کچھ اقسام ہیں۔ پہلی قسم یہ کہ وارث نبی اور خلیفہ ہوگا۔ جس پر اللہ نے کتاب نازل کی ہو لیکن اس میں احکام و شرائع نہ ہوں بلکہ نصائح و مواعظ و امثال و اذکار ہوں جیسا کہ زبور جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کی گئی اور داؤد علیہ السلام لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کی طرف دعوت دیتے تھے اور ان کو موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے احکام ہی سکھاتے تھے اور ان پر عمل کرتے تھے۔ پس حضرت داؤدؑ نبی اور خلیفہ ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے وارث تھے۔

دوسری قسم یہ کہ وارث نبی ہو لیکن نہ خلیفہ ہو اور نہ صاحب کتاب ہو جیسا کہ حضرت اسمٰعیل۔ حضرت اسحاق۔ حضرت یعقوب علیہم السلام۔ پس بے شک وہ انبیاء تھے اور شریعت ابراہیمؑ کے وارث تھے۔ کیوں کہ وہ لوگوں کو شریعتِ ابراہیمؑ کی دعوت دیتے تھے۔ اور اس کے احکام کی تبلیغ کرتے تھے۔

تیسری قسم یہ کہ وہ (وارث) خلیفۃ اللہ ہو لیکن نبی اور صاحب کتاب جدید نہ ہو بلکہ خلافتِ الٰہیہ کے اعتبار سے بصیرت پر اللہ کی طرف بلانے والا ہو اور اپنے متبوع کا تابع تام ہو مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مانند جو بے شک خلیفۃ اللہ خاتم دین اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والے اور کافۃ الناس کی طرف مبعوث ہیں جیسا کہ آپ کے متبوع محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تھی۔

شیخ اکبر (محی الدین ابن عربی) نے ''الفتوحات المکیۃ'' میں لکھا ہے نبیؐ کا وارث کچھ اوصاف کا حامل ہوتا ہے۔ اول خلق سے اُس کا فرار یعنی خلق سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونا' دوم حق کے لئے اس کا وجود اور سوم رشد و ہدایت کے لئے خلق کی طرف اس کا رجوع ہونا۔ کہا کہ یہ حال ہے نبی ﷺ کے وارث کا بے شک آپؐ غار حرا میں تنہا رہتے تھے۔ اللہ کی طرف رجوع ہو کر' اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر' اپنے رب کی طرف دوڑتے ہوئے' یہاں تک کہ حق آیا ان کی طرف پھر اللہ نے آپ کو اپنے بندوں کی طرف رسولِ مرشد بنا کر مبعوث فرمایا۔ پس ان تین حالات میں وہ نبیؐ کا وارث ہوگا نبی کی اُمّت میں سے جس پر اللہ نے عنایت فرمایا ہو اور ایسا ہی شخص وارث کہلائے گا یعنی وارث کامل نبی کے ورثہ میں باعتبار علم و عمل و حال۔ انتہی۔ پس وہی ورثا جن کا ہم نے ذکر کیا ہے وہی وارث کامل ہیں اور شیخ اکبر ابن عربی کا اس پر اتفاق ہے۔

جہاں تک اس وارث کا تعلق ہے جس کا ذکر شیخ غزالیؒ نے کیا ہے تو وہ صفت کمال پر نہیں ہے کیوں کہ ان کے قول سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ علم' عمل و حال کا وارث ہوگا۔ پس جو نبی مورث کے فعل اور حال کا وارث نہیں وہ معصوم نہیں ہوتا۔ لہٰذا اُس کی وراثت میں نقص باقی رہتا ہے۔ پس وہ غیر معصوم ہونے کی وجہ سے احتمال خطاء کے ساتھ صرف نبیؐ کے علم کا وارث ہو سکتا ہے۔

ان مذکورہ تین معنوں کی روشنی میں علماء مجتہدین انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ ایسے علماء جنہیں درجہ اجتہاد حاصل نہیں انہیں اصل میں نبیؐ کی وراثت ہی حاصل نہیں۔ نہ علم میں نہ عمل میں اور نہ حال میں..... اب ہم یہاں صرف اس وارث کی تحقیق کریں گے جس کا ذکر تیسری قسم کے معنی میں کیا گیا ہے۔ اور اس وارث کو اللہ تعالیٰ نے نبوتِ تشریعی کے اختتام کے بعد مبعوث فرمایا۔ اور وہ مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جو خلیفۃ اللہ ہیں رسول اللہ کے بعد اور وہ کوئی نبی مشرع نہیں ہیں کیوں کہ رسول اللہؐ کے بعد نبوت تشریعی کا دروازہ بند ہو چکا ہے پس باقی نہیں رہا ان کے لئے سوائے نبیؐ کی تبعیت اور وراثت کے۔ لہٰذا وہ نبیؐ کے تابع تام اور وارث حقیقی ہیں۔ اس اُمّت میں کوئی ایسا نہیں ہے جو انکے فضل و کمال میں ان کا مساوی ہو اور اللہ کے قرب میں ان کی برابری کر سکے۔ اس لئے کہ وہ

خلیفۃ اللہ ہیں۔جیسا کہ روایت بیان کی گئی ہے سنن ابن ماجہ میں ثوبان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ تمہارے خزانے کے پاس تین آدمی جھگڑا کریں گے جو سب خلیفہ کی اولاد سے ہوں گے۔لیکن ایک بھی اس پر قابض نہیں ہو سکے گا۔پھر اس کے بعد مشرق کی طرف سے سیاہ جھنڈیاں نمودار ہوں گی پس وہ لوگ تم کو ایسا قتل کریں گے کہ اب تک کسی قوم نے ایسا قتل نہ کیا ہوگا۔پھر اس کے بعد خدا کے خلیفہ مہدیؑ آئیں گے۔جب تم کو مہدیؑ کی خبر ملے تو ان کے پاس جاؤ اور ان سے بیعت کرو اگرچہ کہ تم کو برف پر سے رینگتے ہوئے جانا پڑے کیوں کہ وہ اللہ کے خلیفہ مہدی ہیں۔چونکہ رسول اللہؐ نے اپنی امت کو حکم دیا ہے ان (مہدیؑ) سے بیعت کرنے کا' اس لئے ان سے بیعت کرنا اُمت پر فرض ہے۔بے شک وجود مہدیؑ ضروریاتِ دین سے ہے۔جیسا کہ ابوداؤد نے اپنی سنن میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی کہ فرمایا نبیؐ نے کہ اگر دنیا کے ایام سے ایک دن بھی باقی رہ جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس دن کو اتنا طویل کر دے گا تا آنکہ ایک شخص کو مجھ سے یا میرے اہل بیت سے اللہ تعالیٰ مبعوث کرے گا جس کا نام میرے نام کے موافق اور جس کے والد کا نام میرے والد کے نام کے موافق ہوگا۔اسی طرح ترمذی نے روایت بیان کی ہے کہ اس شخص (مہدی) کے اخلاق رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے مشابہ ہوں گے۔نیز سنن ابوداؤد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ خُلق میں مشابہت رکھتے ہیں اور خَلق میں مشابہت نہیں رکھتے۔آپ (مہدیؑ) کی دعوت عام ہے جیسا کہ روایت کی گئی سنن ابوداؤد میں اور حاکم نے ابی سعید الخدریؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ مہدیؑ مجھ سے ہے روشن پیشانی' اونچی ناک والا' وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔جس طرح وہ ظلم وجور سے بھری ہوئی تھی۔اسی طرح حاکم نے روایت کی اور یہ حدیث مختلف طریقوں سے اصحابِ مسانید وسنن میں کثرت سے بیان کی گئی ہے کہ بے شک مہدیؑ خاتم دین ہیں جیسا کہ نعیم بن حماد اور ابونعیم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ جب حضرت نبی کریم ﷺ سے حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ مہدیؑ ہم سے ہیں یا غیر سے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہم سے ہیں اللہ ان پر دین کو ختم کرے گا جس طرح ہم سے شروع کیا ہے۔بے شک وہ رسول اللہ کی طرح اُمت سے ہلاکت کو دفع کریں گے جیسا کہ ابونعیم نے روایت کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت ہرگز ہلاک نہیں ہوگی (کیوں کہ) میں اُس کے اول میں ہوں اور عیسیٰ علیہ السلام اس کے آخر میں ہیں اور مہدی اس کے درمیان میں ہیں۔

ایسے مناقب جلیلہ اور محامد نبیلہ افراد اُمت میں سوائے مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی میں نہیں پائے جاتے۔پس وہ رسول اللہ ﷺ کے بعد افضل الناس ہیں۔کیوں کہ وہ مقام خلیفۃ اللہ اور خاتم دین محمدی پر فائز ہیں۔اور محمدؐ کی شریعت مطہرہ پر عام دعوت کے ساتھ داعی الی اللہ' دافع ہلاکت امتِ محمدی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث اور کتاب مجید یعنی قرآن کریم کے وارث ہیں۔پس قولہ تعالیٰ'' ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا ''اس وراثت کی طرف اشارہ ہے اس معنی میں کہ نبی ﷺ کے

بعد مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام تبلیغ معانی قرآن کے وارث ہیں۔اور اس کی طرف اشارہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ثم ان علینا بیانه میں یعنی بیان قرآن جیسا کہ عنقریب آنے والا ہے۔اگر یہ کہیں کہ قولہ تعالیٰ ثم اورثنا الکتاب الذین .....الخ میں الذین جمع ہے تو اس سے واحد کیسے مراد لیا جائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ جمع سے واحد مراد لیا گیا ہے اس سے تعظیم مقصود ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''یٰٓاَیُّهَا النَبِیُّ اِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَآءَ''.....الخ (سورہ الطلاق) اس آیت میں ظاہر ہے کہ قولہ تعالیٰ'' طلقتم ''نبیؐ سے خطاب ہے علی سبیل تکریم یا پھر آپؐ کی تمام اُمّت سے خطاب عام ہے۔جیسا کہ کسی قوم کے سردار یا بزرگ کے لئے اس کی بڑائی کے اظہار کے لئے اور اس کے سردار ہونے کے اعتبار سے یہ کہتے ہیں کہ یا فلاں ایسا ایسا کرو۔صاحب تفسیر کشاف (جار اللہ زمخشری) کا یہی قول ہے۔اور شاعر ابو صخر الہذلی کہتا ہے۔

بیدی الذی شغف الفواد بکم

تفریج ما القی من الهم

یعنی جس ذات پاک نے میرے دل کو تم پر فریفتہ کر دیا ہے اسی کے اختیار میں اس غم کا کھولنا ہے جس سے میں دست وگریباں ہوں)

فتعلمی ان قد کلفت بکم

ثم افعلی ماشئت عن علم

(پس تو جان کہ میں تمہارا عاشق ہوں پھر بعد علم حال واقعی کے جو چاہے سو کر)

اسی طرح زیاد بن جمل بن سعد کہتا ہے۔

لم ینسی ذکرکم مذلم الا قکم

عیش سلوت به عنکم و لا قدم

(یعنی تمہاری یاد کو جب سے کہ تم سے میں نہیں ملا کسی عیش وعشرت نے اور نہ ملاقات کے پرانے ہو جانے نے مجھ کو ایسا نہیں بھلایا کہ اس کے سبب میں تم سے بے پرواہ ہو گیا ہوں)

یہ اشعار دیوان حماسہ میں مذکور ہیں اور ان تمام اشعار میں لفظ جمع استعمال کیا گیا ہے جبکہ اس سے مراد واحد ہے۔اسی طرح قولہ تعالیٰ ''اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَهُمْ رٰکِعُوْنَ (المائدہ آیت ۵۵) میں مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ الذین سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہ ہیں۔پس جس طرح اس

آیت میں قولہ تعالیٰ'' الذین '' سے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ مراد ہیں اسی طرح جائز ہے کہ آیت ''او رثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا ''میں ''الذین'' سے مراد مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام لیا جائے جنہیں اللہ تعالیٰ نے معانی ورموز قرآن بیان کرنے کے لئے منتخب کرلیا ہے اور وہ اپنے بیان سے دین کو ختم کریں گے کیوں کہ وہ خاتم دین ہیں جیسا کہ اس کی خبر دی نبی کریم ﷺ نے اور ابھی ہم نے اس کا ذکر کیا ہے اور اس طرف اشارہ کیا اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے قول'' ثم ان علینا بیانه'' کے ذریعہ اور اسی پر اتفاق کیا ہے شیخ شہاب الدین صاحب حکمۃ الاشراق والمطارحات نے ''ھیاکل نور'' میں اور کہا کہ پس تنزیل انبیاء سے متعلق ہے اور تاویل وبیان اس شخص کی ذمہ داری پر موقوف ہے جو زیادہ نورانی اور روحانی مظہر اعظم ہے جس کو فارقلیط کہتے ہیں۔ پھر کہا کہ قرآن میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرماتا ہے ثم ان علینا بیانه یعنی پھر ہم پر ہے اس کا بیان اور ثم کے معنی تراخی کے ہیں (یعنی تاخیر بیان) شارح ہیاکل النور نے اس قول کی شرح وتلخیص کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''ماتن ہیاکل النور'' کا قول جو بہت زیادہ نورانی مظہر اعظم ہے اس سے مراد مہدیؑ ہیں۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی کتب سماویہ میں سے اس کتاب کا بیان مہدی پر ہے کیونکہ تاویل ایک مسئلہ ہے مسائل میں سے اس لئے یہ ممکن نہیں ہے سوائے اس کے کہ جس کے پاس علم الکتاب ہے۔ اور وہ حق ہے یا اس کا خاصہ ہے۔ تحقیق کہ مضطرب ہوگیا محقق دوانی کا کلام ان کی شرح الہیاکل میں اور وہ نہیں سمجھے کہ صاحب ہیاکل النور نے کیا کہا۔ عنقریب اس کی توضیح سورہ قیامت میں آئے گی انشاءاللہ تعالیٰ۔ حاصل کلام یہ کہ نبی ﷺ کے وارث اور تابع اتم سوائے مہدی علیہ السلام کے کوئی نہیں ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''نورحیات'' فبروری ۱۹۹۴ء)

☆☆☆☆☆☆☆

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ

بعثتِ مہدی علیہ السلام کے ثبوت میں جن آیات قرآنی سے استدلال کیا جاتا ہے ان میں سے ایک آیت یہ بھی ہے۔'' اشرف العلماء بحر العلوم'' علامہ سید اشرف شمسیؒ نے اپنی تفسیر ''لوامع البیان فی تفسیر القرآن'' بزبان عربی میں ان آیات کی جو تفسیر بیان کی ہے وہ منفرد انداز کی ہے۔اس تفسیر کا بیشتر حصہ غیر مطبوعہ ہے۔اس لئے قارئین کے استفادہ کے لئے اس آیت کی تفسیر کے اقتباس کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْ ْ بَلَغَ (سورہ الانعام آیت ۱۹)

(اور وحی کیا گیا مجھ پر یہ قرآن تا کہ میں ڈراؤں تم کو اس کے ذریعہ اور جس کو یہ پہنچے)

یعنی اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ سے فرمارہا ہے کہ کہدو (اے محمد) کہ وحی کیا گیا میری طرف یہ قرآن تا کہ میں خبردار کروں تم کو اس کے ذریعہ''

انـــذار سے مراد تخویف وتحذیر (ڈرانا اور متنبہ کرنا) ہے۔فرمایا'' تا کہ میں ڈراؤں تم کو اس کے ذریعہ'' کیوں کہ قرآن مجید میں وعیدات وتہدیدات شامل ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے نہ ڈرنے والوں کے لئے ثابت ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس کے مخاطبین اہل مکہ ہیں جبکہ میرے (مفسر علامؒ کے) خیال میں حق یہ ہے کہ اگر مخاطبین باعتبار خطاب ظاہر ہیں تو اہل مکہ ہیں ورنہ **کـافة النـاس** مخاطبین ہیں۔**ومـن بلغ** ۔یعنی تا کہ میں ڈراؤں تم کو اور جس کو یہ پہنچے۔ جان لو کہ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ جس کو یہ قرآن پہنچے بے شک میں تم کو ڈراؤں اور تمہارے علاوہ ان کو بھی ڈراؤں جو دوسرے ملکوں اور دور دراز کے مقامات پر رہتے ہیں اقوام عرب وعجم میں سے اور کہا گیا کہ ثقلین یعنی جن وانس میں سے اور ان کو جنہیں یوم قیامت تک قرآن پہنچے گا۔سعید بن جبیرؓ سے روایت ہے کہ جس کو قرآن پہنچے گویا اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو دیکھا یہ وہی ہے جس کی طرف صاحب تفسیر کشاب (علامہ زمخشری) نے اشارہ کیا ہے اور کہا شیخ محمد بن جریر الطبری نے کہا ابن زید نے قولہ تعالیٰ ''وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْ ْ بَلَغَ'' کے ضمن میں کہتے ہیں کہ جس کو یہ قرآن پہنچے پس میں اُس کا ڈرانے والا ہوں اور پڑھا'' اے لوگو بیشک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف۔ کہا پس جس کو قرآن پہنچے تو رسول اللہ اس کے ڈرانے والے ہیں۔اس کے یہ معنی ہوئے کہ'' تا کہ میں تم کو ڈراؤں قرآن کے ذریعہ اے مشرکو اور ڈراؤں ان تمام انسانوں کو جن تک قرآن پہنچے۔

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو قیصر وکسریٰ اور ہر سرکش کو مکتوب لکھے اور انہیں اللہ عز

وجل کی طرف آنے کی دعوت دی۔ زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ کہا کہ میں نے سنا رسول اللہؐ کو فرماتے ہوئے کہ آسان بنایا اللہ نے حکم کو تا کہ ہم سے بات سنے اور اس کو یاد کرلے یہاں تک کہ اُس کو دوسروں تک پہنچائے۔ (کیونکہ) کبھی اس کا جاننے والا اس (بتلانے والے) سے زیادہ سمجھدار ہوگا اور کبھی علم رکھنے والا فقیہ نہیں ہوتا۔

اکثر مفسرین نے یہی معنی اختیار کئے ہیں لیکن انہوں نے اس آیت کے وجوہ میں تامل نہیں کیا بنظر دقیق وتامل ثاقب یعنی بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی اور غور وفکر اس میں نہیں کیا کہ یہ آیت اشارہ ہے رسول اللہؐ کے بعد ایک شخص کے آنے کا جو لوگوں کو اسی طرح ڈرائے گا جیسا کہ ان کو رسول اللہؐ نے ڈرایا تھا۔ اس کے بیان میں اگر واؤ عطف ہے ضمیر متکلم پر تو اس قول میں ''الیّ'' کے معنی یہ ہوں گے کہ بے شک یہ قرآن وحی کیا گیا میری طرف اور اس کی طرف جو میرے مرتبہ ومقام کو پہنچے۔ بلاغ یعنی پہنچانا دو قسم کا ہوتا ہے۔ پہلی قسم یہ کہ اس کی تبلیغ جملہ الفاظ ومعانی کے اعتبار سے ہوگی یا نہیں ہوگی۔ جہاں تک دوسری قسم کا تعلق ہے تو وہ ہر اُس شخص کے لئے ممکن ہے جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرے اور یوم قیامت تک ایسے شخص کا وجود صحیح ہوگا اور یہ معنی صادق آئیں گے ہر اُس موجود پر جو غائب یعنی دوسروں کو پہنچائے۔ اور ہر اُس فقیہ وواعظ پر جو لوگوں کو بیدار کرے۔ پس اس معنی کے لحاظ سے وہ مبلغ ہے۔ لیکن جہاں تک پہلی قسم کا مبلغ مراد ہے تو یہ معنی صرف اُس شخص پر صادق آتے ہیں جو قرآن کے جملہ حقائق ودقائق سے واقف ہو۔ اور ظاہر ہے کہ جملہ معانی واسرار قرآنی کا احاطہ ممکن نہیں کسی بھی انسان کے لئے سوائے اس کے جس کی طرف اللہ وحی کرتا ہے اور اس کو تعلیم دیتا ہے کیوں کہ یہ ادراک جمیع عقول کے بس کی بات نہیں اور صرف وہی اس درجہ پر فائز ہوسکتا ہے جس پر اللہ نے فضل کیا ہے اور روح القدس کے ذریعہ اس کی مدد کی ہے۔ پس وہی جانتا ہے اس کے اسرار کی حقیقت اور اس کے اشارات کے رمز کو۔ اس فضل الٰہی کے بغیر قرآن کے دقائق وغوامض کو پانے سے تمام عقلاء کی عقل قاصر ہے۔

پس جس کو اللہ نے جمیع معانی قرآن کا علم عطا کیا ہے وہ شریعت کے تمام حقائق کا جاننے والا ہوتا ہے اور ایسا شخص نبی کریمؐ کا وارث ہوتا ہے۔ جیسا کہ شیخ غزالیؒ نے ''احیاء العلوم'' میں فرمایا کہ عالم نبی کا وارث نہیں ہوتا جب تک کہ وہ شریعت کے جمیع معانی کا جاننے والا نہ ہو یہاں تک کہ اُس کے اور نبی کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق باقی رہ جاتا ہے۔ جو درجہ نبوت ہے اور جو وارث اور مورث کے درمیان فرق کو ظاہر کرتا ہے پھر وارث کی دو قسمیں ہیں۔

پہلا وارث وہ ہے جو ان احکامِ شریعت کے بیان کرنے میں خطا نہ کرے پس وہ امام معصوم ہے اور اُس کے اقوال وافعال میں اس کی اتباع واجب ہے۔

دوسرا وارث وہ ہے جو بیان میں کبھی خطا اور کبھی صواب کرسکتا ہے پس وہ عالم مجتہد ہے جس کی اتباع واجب ہے عام لوگوں پر اور ایسے عالم پر جو درجہ اجتہاد نہیں رکھتا۔ پھر پہلی قسم یعنی وارثِ معصوم اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوۃ پر مامور ہے تو وہ بندوں میں اللہ کا

خلیفہ ہے۔اور قولہ تعالیٰ'' من بلغ '' ایسے ہی معصوم وارث نبی کی طرف اشارہ ہے لہذا اُس کی تعلیم وتبلیغ بھی رسول اللہؐ کی تعلیم وتبلیغ کے مثل ہوگی۔اس راز کی طرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں اشارہ کیا کہ'' ثم ان علینا بیانه ''(القیامۃ آیت ۱۹) یعنی قرآن اوراس کے اسرار کا بیان ہمارے اوپر ہے''

مفسرین اس بلند وبہترین مطلب تک نہیں پہنچ سکے اورانہوں نے یہ سمجھ لیا کہ رسول اللہ منذر ہیں اہل مکہ کے لئے اوران لوگوں کے لئے جن تک یہ قرآن پہنچے۔اورانہوں نے یہ نہیں جانا کہ رسول اللہ جب عامۃ البشر کی طرف مبعوث کئے گئے تو قولہ تعالیٰ'' لینذر کم ''میں مخاطبین سے مراد کافة الناس ہیں یوم قیامت تک۔

اسی طرح ان کی تفسیر میں قول'' من بلغ ''زاید از مقصود ہے اس لئے کوئی حاجت نہیں ہے لیکن اس مقام پر ہم نے اس کی جو تاویل پیش کی ہے وہ فائدہ جدیدہ دیتی ہے اس لئے قولہ تعالیٰ'' من بلغ ''اصل مراد پر زائد نہیں ہوگا۔پس آیت کے حکم میں یہ تاویل اولیت رکھتی ہے اُس تاویل پر جوان کی تفسیر کا مقصود ہے۔اگر کہا جائے کہ اس تاویل سے لازم ہوگا کہ رسول اللہ صلعم کے بعد بھی وحی امر ممکن ہے جو کہ درست نہیں ہے زمانہ نبوت کے اختتام کی وجہ سے چونکہ رسول اللہؐ خاتم النبیین ہیں پھر کس طرح درست ہوگا تمہارا قول کہ قرآن جس طرح وحی کیا گیا نبیؐ کی طرف اسی طرح وحی کیا گیا اس کی طرف جس کو وہ پہنچے کیوں کہ یہ قول رسول اللہؐ کے بعد وحی کی بقاء کو صحیح ثابت کرتا ہے جو کہ امر باطل ہے۔تو ہمارا قول ہے کہ اختتام نبوت کا صاف مطلب یہ ہے کہ رسول اللہؐ کے بعد لوگوں میں سے کوئی نبی نہیں ہوگا اوراس کے لئے لازم ہے کہ جبرئیلؑ کے واسطہ سے نزول وحی کا سلسلہ بند ہو جائے۔لیکن یہ چیز مطلق وحی کے ثبوت کے منافی نہیں ہے کیوں کہ وحی درحقیقت اللہ تعالیٰ کا خطاب ہے جس کی تین اقسام ہیں۔ایک وہ جس کا نام مطلق وحی ہے۔دوسری وہ جو اس کا کلام پردہ کے پیچھے سے سنائی دیتا ہے۔اور تیسری وہ جو رسول کے واسطے سے ہوتی ہے۔پس وہ رسولؐ پر وحی کی جاتی ہے ملک یا بشر کے ذریعہ اللہ کے حکم سے جس کسی کی طرف وہ بھیجنا چاہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور بے شک وہ رسولؐ اللہ تعالیٰ کی ترجمانی کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔'' وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِى حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُولاً فَيُوْحِىَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ''(سورہ الشوریٰ آیت ۵۱)

پس اس سے مراد وہ وحی ہے جو بلا واسطہ اس کے بندوں کے دلوں میں ڈالی جاتی ہے۔پس وہ اپنے دلوں میں کوئی بات سنتے ہیں لیکن اس کی سماعت کی کیفیت کو سمجھ نہیں سکتے' اس کی حد کو نہیں پا سکتے اور اپنے خیال میں اس کا تصور نہیں کر سکتے لیکن اس کے باوجود وہ سمجھ لیتے ہیں جبکہ نہیں جانتے کہ وہ کیسا اور کہاں سے آیا اور اس کا کیا سبب ہے۔اللہ تعالیٰ اس سے جو بات کرتا ہے پردہ کے پیچھے سے کرتا ہے اور صورۃ حجاب بشری ہوتی ہے اور حجاب ایسا ہوتا ہے جیسا کہ موسیٰ نے درخت سے کلام کیا کوہ طور کی دہنی جانب سے کیوں کہ اگر بات بائیں جانب سے ہوتی ہے جو اُس کے قلب کی جہت ہے تو شاید یہ شبہ ہوتا کہ اس نے اپنے نفس سے کلام کیا ہے اس لئے

سیدھے جانب سے کلام آیا جو خلاف عادت ہے۔ وہ خود تجھ سے بات کرسکتا ہے اور فرشتے کے ذریعہ بھی بات کرسکتا ہے جیسا کہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ''**ینزل به الروح الامین علی قلب**'' یعنی قرآن کے ذریعہ جو کلام اللہ ہے۔ یہ خلاصہ ہے صاحب ''فتوحات'' (فتوحات مکیہ از شیخ محی الدین ابن عربیؒ) کے قول کا۔

اگر یہ بات تمہاری سمجھ میں آ گئی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ (وحی کی) ایسی قسم جس میں فرشتے کے ذریعہ اللہ تعالیٰ خطاب کرتا ہے وہ نبوت تشریعی کے ساتھ مخصوص ہے جو انبیاء کے ساتھ مختص ہے۔ پس جب نبوت ختم ہوگئی تو یہ وحی بھی ختم ہوگئی لیکن وحی کی جو دوسری دو قسمیں ہیں ان کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا۔ پس جائز ہے کہ ان دونوں قسموں میں سے کسی بھی قسم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں سے اپنے مقربین پر وحی کرے۔ نیز حدیث ''**لا وحی بعدی**'' محدثین کی رائے میں باطل و بے اصل ہے جیسا کہ ملا علی قاری نے ''رسالۃ المہدی'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وحی مذکور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہے برخلاف دوسری دو قسموں کے جو بے شک کبھی منقطع نہیں ہوتیں اور ان دونوں قسموں میں سے کسی بھی قسم کی وحی کا نزول ممکن ہے صدیقین و اولیاء صالحین پر۔ پس اسی طرح (وحی کی) ان دونوں قسموں کا حصول ممکن ہے اس کے لئے جس کو یہ قرآن پہنچے اپنے جمیع حقائق کے ساتھ رسول اللہؐ کے بعد تا کہ وہ لوگوں کو ڈرائے جیسا کہ رسول اللہؐ نے ان کو ڈرایا تھا۔

جان لو کہ یہ **منذر** (ڈرانے والا) اُمت محمدیہ کے پاس مجہول نہیں ہے بلکہ وہ ان میں متعارف ہے کیونکہ رسول اللہؐ نے متواتر المعنی احادیث صحیحہ میں اس کے آنے کی خبر دی ہے اور جس کی روایت محدثین وحفاظ نے اپنی کتب ومسانید میں کی ہے۔ اور خبر دی ہے کہ وہ آپؐ کی اُمت میں خلیفۃ اللہ ہے اور اس کی تصدیق کی پوری پوری تاکید کی ہے جیسا کہ ثوبانؓ نے حدیث میں ذکر کیا ہے ''**فبایعوه ولو حبوا علی الثلج لانه خلیفة الله المهدی**'' (پھر تم ان سے بیعت کرو اگرچہ کہ برف پر سے رینگتے ہوئے جانا پڑے کیوں کہ وہ اللہ کے خلیفہ مہدی ہیں)

اس کی روایت سنن ابن ماجہ اور مسند حافظ ابونعیم میں کی گئی ہے۔ اور اس کی تصدیق کو دفع ہلاکت کا موجب قرار دیا گیا ہے۔ روایت ہے کہ ''**کیف تهلک امتی انا فی اولها وعیسیٰ فی آخرها والمهدی من اهل بیتی فی وسطها**'' (کیسے ہلاک ہوگی میری امت جس کے اول میں ہوں اور عیسیٰ اس کے آخر میں اور مہدیؑ میرے اہل بیت سے اس کے وسط میں ہیں) اس کی روایت کی رزین نے اور اسی طرح روایت کی گئی مشکوٰۃ میں اور حافظ ابونعیم نے اپنی مسند میں روایت کی عبداللہ ابن عباسؓ کی حدیث مرفوع سے کہ ''**لم تهلک امة وانا فی اولها وعیسیٰ فی آخرها والمهدی فی وسطها**'' اس کا ذکر ملا علی قاری نے رسالۃ المہدی میں کیا ہے کہ بے شک وہ (مہدی) افضل ہے ابوبکر صدیقؓ سے کیونکہ وہ خلیفۃ اللہ ہے جبکہ ابوبکرؓ خلیفۃ اللہ نہیں ہے بلکہ انہیں رسول اللہ کا خلیفہ کہتے ہیں۔ نیز ملا علی قاری نے اس رسالہ میں ذکر کیا ہے واضح دلائل کے ساتھ کہ خلیفۃ اللہ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور

وہ اعلیٰ شان و بلند مرتبت ہوتا ہے اور وہ پوری طرح واضح ہے اس کے حکم کو ماننے کی اہمیت میں اللہ تعالیٰ کے اس قول سے جو آدم علیہ السلام کے حق میں ہے ''**و اذ قال ربک للملائکة انی جاعل فی الارض خلیفة** ''اور قولہ تعالیٰ'' **سبحانه یا داود انا جعلناک خلیفة فی الارض** .....الخ'' حاصل کلام یہ کہ یہ اس کی منقبت ہے اور یہ ممکن ہے کہ مہدیؑ اس حیثیت سے ابوبکرؓ صدیق سے افضل ہوں کیوں کہ انہیں (ابوبکرؓ کو) خلیفۃ اللہ نہیں بلکہ خلیفۂ رسولؐ کہا جاتا ہے۔

مجموعی اعتبار سے مہدیؑ کے ذکر میں رسول اللہؐ کی خبریں حد تواتر کو پہنچ چکی ہیں کہ وہ آپؐ کے اہل بیت سے ہیں اور یہ کہ مہدی علیہ السلام خلیفۃ اللہ ہیں اور رسول اللہؐ کے متواتر اخبار کے ذریعہ ان کے آنے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ پس وہی (مہدیؑ) رسول اللہ کے بعد منذر حقیقی ہیں۔ اسی طرح قولہ تعالیٰ ''**و من بلغ** '' کا اطلاق دوسروں کے مقابلہ میں ایسے ہی ڈرانے والے کے لئے اولیٰ ہے جو موعود ہے۔ چنانچہ اس آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ یہ قرآن وحی کیا گیا میری طرف اور اس کی طرف جس کو یہ پہنچا اپنے جمیع معانی وحقائق کے ساتھ جیسا کہ مجھے پہنچا اس صفت کے ساتھ۔ پس جس طرح میں اپنی امت کے لئے ڈرانے والا ہوں اسی طرح وہ بھی ان لوگوں کے لئے مبلغ منذر ہے۔

اس معنی کے اعتبار سے اگر میں (مفسر علامؒ) منفرد ہوں اکثر مفسرین سے تو اس لئے کہ یہی میری رائے میں حق ہے اور ان لوگوں کے پاس بھی جو قرآن میں بصیرت رکھتے ہیں اور حقائقِ قرآنی کے سمندر میں غواصی کر سکتے ہیں۔

(مطبوعہ ''نور حیات'' میلاد مہدی نمبر اکتوبر، نومبر ۱۹۹۳ء)

☆☆☆☆☆☆☆

وحی الٰہی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ O عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذَرِيْنَ O بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ O (سورۃ الشعراء آیات ۱۹۵۔۱۹۲)

اور بے شک اس قرآن کو پروردگار عالم نے نازل کیا ہے اور اس کو اتارا ہے روح الامین نے سلیس عربی زبان میں تمہارے دل پر تا کہ تم بھی لوگوں کو ڈراؤ۔

اس آیت شریفہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کلام الٰہی ہے اور نزول قرآن کے لئے جبرئیل علیہ السلام کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کو وحی کے ذریعہ تعلیم دیتا ہے۔ اور قرآن مجید بھی وحی ہی کی ایک شکل ہے۔ ماہِ رمضان کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس میں بنی نوع انسان کی ہدایت اور اصلاح کے لئے کتب مقدسہ نازل کی گئیں۔ جس طرح انبیاء سلف پر توریت، زبور، اور انجیل نازل کی گئیں اسی طرح حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

شهر رمضان الذى انزل فيه القرآن ۔یعنی رمضان کا مہینہ جس میں کہ قرآن نازل کیا گیا۔ **انا انزلنه فى ليلة القدر** بے شک ہم نے اس کو شب قدر میں نازل کیا۔ شب قدر رمضان کی ستائیسویں شب ہوتی ہے جسے ہزار مہینوں سے افضل بتایا گیا ہے۔

وحی کے لغوی معنی کسی چیز کا اترنا ہے یعنی مکتوب، کتابت، رسالت، الہام، اشارہ، کنایہ، کلام مخفی۔ شرعی اعتبار سے وحی کے معنی اخبار من اللہ ہیں۔ یعنی صرف خدا کا کلام جو کسی رسول پر نازل کیا گیا ہو۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلاً فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ'' (سورہ الزخرف آیت ۵۱) یعنی کسی بشر میں یہ طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے بات کرے مگر وحی کے ذریعہ یا در پردہ یا کسی فرشتہ کو روانہ کرے جو علم وحی اللہ کے حکم سے ان کو عطا کرے بے شک وہ بلند مرتبہ حکمت والا ہے۔ اس آیت شریفہ اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی مختلف طریقوں سے نازل ہوتی تھی۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نبی سے کلام کرتا ہے جیسا کہ موسیٰؑ سے کوہ طور پر بذریعہ شجر کلام کیا تھا اور معراج میں رسولؐ سے کلام کیا تھا۔ دوسرا طریقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بتوسط فرشتہ کلام کرتا ہے یعنی کوئی فرشتہ اللہ کا کلام لے کر آئے۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ یعنی روح الامین نے تمہارے قلب پر قرآن کو نازل کیا۔ فرشتہ کی آمد کبھی مثل **صلصلة الجرس** یعنی گھنٹی کی آواز کی طرح محسوس ہوتی تھی۔ نزول وحی کی یہ صورت اتنی تکلیف دہ ہوتی کہ آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ اگر کڑاکے کی سردی بھی ہو تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہہ نکلتا۔ اگر آپ اونٹ پر سوار ہوں تو سواری بھی آپ کی گرانی کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح وحی آئی کہ آپؐ حضرت زید بن ثابت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور آپؐ کا فرق مبارک (سر) ان کی ران پر تھا۔ حضرت زید پر وحی کا اتنا شدید بار ہوا کہ ان کا جسم دبا جاتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پارہ پارہ ہو جائے گا۔ چنانچہ جب یہ صورت حال ختم ہو جاتی تو تمام وحی من وعن آپ کو یاد ہو جاتی تھی۔

حارث ابن ہشام نے رسول اللہؐ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! آپ پر وحی کیسے نازل ہوتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وحی کبھی میرے پاس گھنٹی کی جھنکار کی طرح آتی ہے اور یہ کیفیت مجھ پر بہت شاق گزرتی ہے۔ پھر یہ کیفیت مجھ سے دور ہو جاتی ہے جب کہ اس (فرشتہ) کا کہا مجھے محفوظ ہو جاتا ہے اور کبھی فرشتہ بصورت بشری میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے بات کرتا ہے پھر وہ جو کچھ کہتا ہے میں اسے یاد کر لیتا ہوں۔ فرشتہ کی آمد کا یہ طریقہ حضور کے لئے سہولت بخش تھا۔ پیغام الٰہی ایک گراں بار ذمہ داری ہے اس کا بوجھ برداشت کرنا ہر انسان کے بس کی بات نہیں۔ اللہ کی دی ہوئی قوت برداشت کی بدولت پیغمبرؐ وحی کی امانت کو محفوظ کر لیتے تھے۔

نزول وحی کا تیسرا طریقہ القاء ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلا واسطہ ہوتا ہے۔ یعنی قلب میں کوئی بات پھونک دی جاتی ہے۔ نبی معصوم عن الخطا تھے اس لئے کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں تھی۔ البتہ اولیاء اللہ بھی فیض الہام سے بہرہ مند ہوتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ شہد کی مکھیوں کو بھی وحی کی گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بھی وحی بھیجی گئی کہ اس کو دودھ پلا۔ یہ طریقہ وحی القا ہی ہے۔

نزول وحی کا چوتھا طریقہ رویائے صادقہ ہے یعنی سچا خواب۔ انبیاء جو بھی خواب دیکھتے وہ روز روشن کی طرح صحیح نکلتا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے خواب دیکھا تھا۔ رویائے صادقہ صرف نبی کی ہدایت کے لئے ہوتے ہیں۔ گویا آئندہ سپرد ہونے والی نبوت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ یعنی درحقیقت نزول وحی کا سلسلہ رویائے صادقہ سے شروع ہوتا ہے۔ اس کے بعد قلب پر القاء ہوتا ہے یعنی الہامی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ پھر فرشتہ کسی خاص شکل میں وحی لے کر آتا ہے۔ خدا سے براہ راست تکلم تو صرف اولوالعزم پیغمبروں کا حصہ ہے۔ یہ فضیلت ہر نبی کو حاصل نہیں ہوتی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سب سے پہلی وہ چیز جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز ہوا نیند میں رویاء صالحہ ہے۔ حضور جو خواب دیکھتے تھے وہ صبح کے تڑکے کی طرح صحیح نکلتا تھا۔ چنانچہ جب عمر شریف کے اکتالیسویں برس میں آپ نے قدم رکھا تو نبوت سے چھ مہینے پہلے سے ہی سچے خواب نظر آتے تھے۔ رفتہ رفتہ آپ گوشہ نشینی کی طرف مائل ہو گئے۔ دنیا ومافیہا سے الگ ہو کر تحنّث میں مشغول رہنے لگے۔ اس لئے آپ نے غار حرا کا انتخاب کیا اور کئی کئی روز غار ہی میں گذار دیتے تھے۔ تحنّث زمانہ جاہلیت کی اصطلاح ہے یعنی اس زمانہ میں آدمی خلوت نشین ہو کر عبادت میں مشغول ہو جاتا تو اسے تحنّث کہتے تھے۔ چنانچہ اسی غار حرا میں آپ مصروف عبادت تھے کہ آپ پر حق منکشف ہوا۔ فرشتہ نے آ کر کہا ''اقراء'' یعنی پڑھ۔ آپ نے جواب دیا ''ماانا بقاری'' یعنی میں پڑھا ہوا نہیں ہوں تب فرشتہ نے آپ کو زور سے بھینچا اور پھر چھوڑ کر کہا کہ ''پڑھ'' آپ نے وہی جواب دیا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ اسی طرح تیسری بار فرشتہ نے آپ کو زور سے بھینچ کر چھوڑ دیا اور کہا ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ o خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ o اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ o الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِo عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ o ''(سورہ العلق آیات اسے ۵ تک) یعنی پڑھ اپنے رب کے نام کی برکت سے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے۔ پڑھ اور تیرا رب بڑے کرم والا ہے جس نے قلم کے ذریعہ سکھایا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔ رسول اللہؐ نے ان آیتوں کو دہرایا مگر آپؐ کا دل اس انوکھے واقعہ سے کانپ رہا تھا۔ کیونکہ اس سے قبل آپ کو ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اس غیر متوقع صورت حال

سے دوچار ہوکر آپؐ لرزتے ہوئے گھر پہنچے اور حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ مجھے کمبل اُڑھاؤ۔ انہوں نے آپ کو کمبل اڑھایا جب آپ کو کچھ تسکین ہوئی تو حضرت خدیجہؓ کو پورا قصہ سنایا اور فرمایا کہ میری جان خطرہ میں ہے۔ انہوں نے آپؐ کو تسلی دی اور اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو کہ عیسائی تھے۔ پورا واقعہ سن کر ورقہ نے کہا کہ یہ تو وہی ناموس ہے جو اللہ نے موسیٰ پر نازل کیا تھا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب کہ آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔ رسول اللہؐ نے پوچھا کہ کیا لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا ہاں۔ جو شخص بھی اس طرح کی چیز لے کر آیا تو لوگ اس کے دشمن ہوگئے۔ اگر میں زندہ رہا تو آپ کی پوری مدد کروں گا۔ لیکن کچھ دن بعد ورقہ کا انتقال ہوگیا اور کچھ عرصہ تک وحی کا سلسلہ بھی موقوف رہا۔ ورقہ بن نوفل نے ناموس کا جو لفظ استعمال کیا ہے اس سے مراد وہ فرشتہ ہے جو وحی لے کر آتا ہے۔ لغت میں ناموس کے معنی راز داں، بہی خواہ ہوتے ہیں۔

دو یا تین سال تک وحی کا سلسلہ موقوف رہا۔ اس کے بعد آپ ایک بار جارہے تھے کہ اچانک آسمان سے ایک آواز سنائی دی۔ آنکھ اٹھائی تو وہی فرشتہ جو غار حرا میں آیا تھا۔ زمین و آسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ آپؐ پر دہشت طاری ہوگئی اور واپس لوٹ کر کہا کہ مجھے کپڑا اُڑھادو۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ **یاایھا المدثر قم فانذر وربک فکبر وثیابک فطھر والرجز فاھجر** یعنی اے کپڑا اوڑھنے والے اٹھ اور لوگوں کو (عذاب الٰہی سے) ڈرا اور اللہ کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑے پاک رکھ اور پلیدی کو چھوڑ دے۔ اس کے بعد وحی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

جب بھی آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ توجہ سے سنتے اور جب فرشتہ چلے جاتا تو اس کو اسی طرح پڑھتے جس طرح جبرئیل نے پڑھا تھا۔ اور آپ کے ساتھی اس کو یاد کر لیتے یا پھر لکھ لیتے تھے۔ کاتبین وحی کی حیثیت سے حضرت زید بن ثابت، عبداللہ ابن مسعود، سالم، معاذ بن جبل، ابی ابن کعب، حضرت ابوبکر، حضرت عثمان، حضرت علی، زبیر بن العوام، حنظلہ بن الربیع، عبداللہ بن ارقم، ابان بن سعید رضی اللہ عنہم کے نام لئے جاتے ہیں۔ حضور اکرمؐ نے انہیں قرآن اسی ترتیب سے لکھایا تھا جیسا کہ لوح محفوظ پر ہے۔

وحی کی دو قسمیں ہیں ایک وحی متلوء اور دوسرے وحی غیر متلوء۔ وحی متلوء قرآن مجید ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ وحی غیر متلوء حدیث قدسی ہے جس کی تلاوت نہیں کی جاتی۔ قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ خدا نے لیا ہے اس لئے کسی تحریف وتبدل کی گنجائش نہیں۔ برخلاف اس کے حدیث قدسی کے ساتھ ساتھ ہزاروں جھوٹی اور غلط روایتیں لوگوں نے گھڑ کر شامل کر دیں جس کی وجہ سے ائمہ حدیث کو علم الاسناد اور فن رجال مدون کرنا پڑا۔ قرآن کا سرچشمہ لوح محفوظ ہے اور حدیثیں پیغمبر نے خود قرآن سے مستنبط فرمائی ہیں۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ میں سے قرآن اور حدیث کی تفریق کیونکر کی جاسکتی ہے۔ بعض نے اس کی یوں تشریح کی ہے کہ وہ کلام اللہ جو روح الامین کے ذریعہ نازل ہوا قرآن کہلایا اور وہ کلام جو بذریعہ الہام نازل ہوا حدیث کہلایا۔ مختصر یہ کہ نزول وحی کے وقت آپ حالت بشریت سے نکل جاتے اور حق کا غلبہ ہوجاتا تھا۔ ایسی حالت میں جو کلام الٰہی آپ کی زبان مبارک سے نکلتا وہ قرآن کہلایا۔ اور حالت بشریت میں جو اقوال آپ نے پیش فرمائے وہ حدیث کہلائے۔

قرآن حسب موقع اور حسب ضرورت اترتا رہا یعنی کبھی تو بلا کسی سوال یا واقعہ کے نازل ہوتا تھا اور کبھی سوال یا واقعہ پیش آجاتا تو وحی نازل ہوتی تھی۔ (مطبوعہ نور حیات اکتوبر ۱۹۷۴ء)

معرفتِ خدا پیامِ امامؑنا کی روشنی میں

جشن میلاد امام مہدی موعودؑ کے موقع پر سیمنار میں یہ مقالہ پیش کیا گیا

الحمد اللہ واھب العطایا وصاحب النعم' اسبغ علینا نعمہ ظاھرۃً وباطنۃ ھو الاول ھو الآخر ھو الظاھر ھو الباطن و ھو بکل شئی علیم والصلوٰۃ والسلام علی محمد ن المصطفی خاتم الانبیاء وعلی خاتم الاولیاء السید محمد ن المھدی الموعود وعلی اٰلھما واصحابھا اجمعین

معرفت کے لغوی معنی ہیں جاننا' پہچاننا اور حقیت کو پانا۔ حضور ختمی مرتبت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اللہ تعالیٰ کے قول سے منقول ہے کہ ''**کنت کنزاً مخفیا فاحبت ان اعرف فخلقت الخلق** (یعنی میں ایک کنز مخفی تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں پس میں نے خلق کو پیدا کیا) یعنی معرفت خدا ہی تخلیق کائنات کا مقصد ہے۔ معرفتِ خدا ایک ایسا بحر بیکراں ہے جس میں طالبان خدا حسب توفیق واستطاعت غواصی کرتے رہے ہیں اور تا قیامت کرتے رہیں گے۔ میرا اشارہ ایک تو حکماء فلاسفہ و متکلمین کے نظریاتی عرفان (Theoritical Irfan) کی طرف ہے اور دوسرا اولیاء وصوفیاء کے عملی عرفان (Practical Irfan) کی طرف ہے۔ نہ صرف اہل ایمان بلکہ دیگر اہل کتاب حتیٰ کہ مشرکین میں بھی معرفت خدا کا تصورِ عبادت موجود ہے لیکن انکے مسائل ورسائی محدود ہیں اور طریق اشغال مختلف ہیں۔ اہل ایمان میں اولیاء کرام وصوفیائے عظام نے معرفت خدا کے ضمن میں اپنے مجاہدات' مشاہدات وتجربات کو طالبانِ خدا کی رہنمائی کے لئے اپنی تالیفات وملفوظات میں محفوظ کیا ہے۔ لیکن طالبانِ خدا کی تعلیم وتربیت کا یہ نظام صرف خانقاہوں تک محدود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے عالم اسلام پر خصوصاً اور عالم انسانیت پر عموماً یہ احسانِ عظیم فرمایا کہ بعثتِ مہدیؑ کے ذریعہ اسرار ورموز قرآنی کو عام فہم بنادیا اور ایمان واحسان کی منزلوں کو قریب تر کردیا۔

مشکوٰۃ شریف میں حضرت عمر فاروقؓ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں جبرئیلؑ اور آنحضرتؐ کا سوال جواب درج ہے۔ جبرئیلؑ نے اسلام' ایمان اور احسان کی تعریف دریافت کی تو رسول اللہؐ نے فرمایا کہ خدا کی وحدانیت اور محمدؐ کی رسالت کا اقرار اور نماز 'زکواۃ' روزہ وحج کی ادائیگی اسلام ہے۔ خدا' اس کے فرشتوں' اُس کی کتابوں' اُس کے رسولوں اور یومِ آخرت کو دل سے ماننا اور قدر خیر وشر پر یقین رکھنا ایمان ہے۔

آنحضرتؐ نے احسان کی یہ تعریف بیان فرمائی کہ **ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن ..... یرا** (یعنی تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا خدا کو دیکھ رہے ہو اگر تم اس کو نہیں دیکھ سکتے ہو تو یہ خیال رکھو کہ خدا تم کو دیکھ رہا ہے۔)

اس حدیث میں تمام علوم اسلامیہ کا خلاصہ موجود ہے۔ چنانچہ اسلام فقہاء کا موضوع بحث ہے۔ ایمان متکلمین کا اور احسان اہل عرفان کا۔ تعلیم اسلام خصوصیاتِ نبوت سے ہے اور تعلیم احسان خصوصیاتِ ولایت سے متعلق ہے۔ جبکہ ایمان ان دونوں میں مشترک ہے۔ رسول اللہ صلعم نے اسلام اور ایمان کی تعلیم عوام الناس کو دی لیکن احسان کی تعلیم صرف خصوصی صحابہ کو دی اور تعلیم احسان کی تکمیل کے لئے ایک خلیفۃ اللہ وخاتم ولایت محمدیہ کے آنے کی بشارت دی۔ صاحب مخزن الولایت علامہ منتجب الدین علیہ الرحمہ نے ''حدیث جبرئیلؑ کی تشریح اس طرح کی ہے۔

''رسول اللہ صلعم اُمت کو ایمان واسلام کی علانیہ تعلیم دیتے تھے اس لئے کہ لوگوں کی طبیعت اس امر کے پانے کو آمادہ تھی پس یہ امر ظاہر شریعت سے ہے اب رہا احسان تو رسول اللہ صلعم نے اس کی تعلیم صرف اُسی کو دی جو نور ایمان سے بہرہ مند اور اللہ کے شوق و محبت کی صفت سے متصف تھا''

احسان کا مطلب یہ ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کو دیکھے یعنی اس کی رویت حاصل کرے۔ یہ تعلیم لوازماتِ نبوت سے نہیں بلکہ ولایت محمدیؐ سے متعلق ہے۔ نبوت منقطع ہوگئی لیکن ولایت منقطع نہیں ہوگی۔ جیسا کہ شرح ''فصوص الحکم'' میں تحریر ہے کہ'' **الولایۃ لا تنقطع ابداً**'' یعنی ولایت کبھی منقطع نہیں ہوگی کیوں کہ وہ اپنی جہت سے جو حق سبحانہ سے تعلق رکھتی ہے۔ ابدی، سرمدی، باقی اور دائمی ہے۔ اور اس کے مظہر اکمل خاتم الاولیاء ہیں''

الولایۃ افضل من النبوۃ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ (وفات ۶۳۸ھ دمشق) نے صاف الفاظ میں ولایت کی نبوت پر فضیلت کو پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ'' ولایت ایک مستقل اور نا تبدیلی پذیر مقام ہے جبکہ نبوت میں سلسلہ کے ٹوٹ جانے کا امکان رہتا ہے''

اس جملہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ'' ہر پیغمبر ولایت کی جہت رکھتا ہے جو اس کو خدا سے مربوط کرتی ہے اور ایک پیغمبرانہ پہلو ہے جو اس کو خلق سے مربوط کرتا ہے اور یہ جہت پیغمبر کے تشریعی عمل سے تعلق رکھتی ہے۔ ان کی نظر میں نبی کی ولایت کی جہت ان کے پیغمبرانہ جہت سے برتر ہے صرف اس بناء پر کہ ولایت کیوجہ سے وہ خدا سے مربوط ہوتا ہے'' (فصوص الحکم)

حضرت ابن عربیؒ کے اس بیان کی وضاحت کرتے ہوئے عفیفی کہتے ہیں کہ'' ولایت روحانی زندگی کی بنیاد ہے۔ ہر پیغمبر ولی ہے اور ہر نبی ولایت کی جہت کا مالک ہے۔ ولایت کی جہت عرفان رب سے مربوط ہے جو صوفی کی ذات پر منکشف ہوتی ہے اور پیغمبرانہ وحی سے مختلف ہے کیوں کہ تشریعی عمل اس کا مقام نہیں'' (تعلیقات فصوص الحکم الجزالثانی)

مولانا عبدا الرزاق کاشانی (وفات ۷۳۰ھ م ۱۳۲۹ء) مصنف شرح علی فصوص الحکم و'' شرح منازل السائرین'' و'' اصطلاحات الصوفیہ'' فرماتے ہیں کہ'' خاتم الاولیاء شریعت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں اور معارف العلوم میں اور مقام حقیقت میں تمام انبیاء اور اولیاء خاتم الاولیاء کے تابع ہیں'' (شرح کاشانی بحوالہ تنویر الابصار)

مختصر یہ کہ حضرت سید محمد مہدی موعودؑ خلیفۃ اللہ خاتم ولایت محمدیہ معصوم عن الخطا اور دعوتِ بصیرت پر مامور من اللہ ہیں یعنی دعوتِ بصیرت ہی مقصود بعثت ہے۔ بصیرت سے مراد رویتِ باری تعالیٰ ہے۔ عالم اسلام رویت حق تعالیٰ کے تعلق سے تین طبقوں میں منقسم ہے۔ ایک طبقہ سرے سے رویت کا منکر ہے دوسرا اور بڑا طبقہ دارِ آخرت میں دیدار کا قائل ہے اور تیسرا طبقہ دار دنیا میں دیدار حق پر یقین رکھتا ہے۔ امام سید محمد مہدی موعود علیہ السلام نے اس اختلاف کا حتمی فیصلہ یوں فرمادیا کہ آیاتِ قرآنی کی روشنی میں ''طلبِ دیدار خدا'' کو فرض قرار دیا۔ اور دنیا میں سر کی آنکھوں سے دیدار خدا کو ممکن قرار دیا اور اس راستہ تک پہنچنے کا راستہ بھی بتلا دیا۔ امامناؑ نے فرمایا کہ ''' مومنِ حقیقی وہ شخص ہے جو بینائے حق ہو چشم سر سے یا چشم دل سے یا خواب میں۔ اگر ان تینوں میں سے ایک بینائی بھی حاصل نہ ہو لیکن اس کی پوری طلب رکھتا ہو تو اس پر بھی ایمان کا حکم ہے''

غرض بصیرت کے تین درجے بیان کئے گئے ہیں۔ چشم سر سے یعنی مشاہدہ، چشم قلب سے یعنی مراقبہ و مکاشفہ اور خواب میں ان میں سے کسی ایک درجہ سے مشرف ہونا ایمان حقیقی کی دلیل ہے۔ اگر یہ شرف حاصل نہ ہو لیکن رویت کی طلب صادق ہو تو تب بھی ایمان کا حکم ہے۔ طالب صادق وہ ہے کہ جس کی طلب کامل ہو۔ اس کے لئے تین صفات کا ہونا لازمی ہے۔ اول طلب کامل، دوم دیدہ قابل اور سوم دل مائل۔ انسان کی فلاح و نجات صرف معرفتِ الٰہی پر منحصر ہے۔ جب تک کوئی بعلم الیقین یا بعین الیقین خدا کو نہ دیکھا ہو اس کو مومن نہیں کہیں گے۔ مگر طالب صادق کہو۔

حضرت بندگی میاں سید خوندمیر صدیق ولایت رضی اللہ عنہ دیدار خدا کے تعلق سے فرمانِ مہدی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''نیز حکم دیا کہ ہر ایک مرد اور عورت پر خدا کے دیدار کی طلب فرض ہے۔ جب تک سر کی آنکھ یا دل کی آنکھ سے یا خواب میں خدا کو نہ دیکھے مومن نہ ہوگا۔ مگر جو طالب صادق اپنے دل کا رخ غیر حق سے پھیر لیا ہے اور اپنے دل کا رخ خدا کی طرف لایا ہوا ہے اور ہمیشہ خدا کے ساتھ مشغول ہے اور دنیا و خلق سے عزلت یعنی علیحدگی اختیار کیا ہے اور اپنے سے باہر آنے کی ہمت کرتا ہے ایسے شخص پر بھی حضرت مہدیؑ نے ایمان کا حکم فرمایا ہے'' (عقیدہ شریفہ صفحہ ۴)

ایمان کا انسان کی ذات سے اور اس کے انجام سے بہت بڑا تعلق ہے۔ ایمان ہی اعمال کا محرک ہوتا ہے اور یہ ایمان دراصل نام ہے یقین کا، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ صحابی رسولؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''یقین ایمان ہے'' حضرت سید محمد مہدی موعودؑ نے ارشاد فرمایا کہ ''ایمان ذات خدا است'' (انصاف نامہ)

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (وفات ۶۳۲ھ م ۱۲۳۴ء بغداد) فرماتے ہیں: ''بشری حجابات اُٹھ جانے کے بعد دل میں جو نورِ حقیقت ظاہر ہوتا ہے اس کا نام یقین ہے۔ جس سے ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے۔ اس سے وہ یقین مراد نہیں ہے جو محض دلائل سے حاصل ہو'' (عوارف المعارف)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (وفات ۱۱۷۶ھ) کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے۔ ''یقین سے اعمال میں اخلاص، اعمالِ خیر کی

زیادتی اور اعمال میں خاص کیفیت یعنی خشوع پیدا ہوتا ہے۔ جب یقین دل پر قبضہ کرتا ہے تو خوف ورجاء سب خدا سے متعلق ہو جاتا ہے۔اور اعتماد اسباب پر نہیں بلکہ مسبب الاسباب پر ہوتا ہے اور مقامات عالیہ اس کے سینے میں پیدا ہوتے ہیں۔(ازالۃ الخفاء)

علماء نے یقین کے تین درجے بیان فرمائے ہیں۔علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین۔بحر العلوم علامہ سید اشرف سمنانیؒ نے آیت'' ھم یوقنون '' کی تفسیر بیان کرتے ہوئے جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ'' پہلی قسم علم الیقین سے مراد اس شئے کا ادراک ہے جس کی تصدیق کر لی گئی ہے۔ دوسری قسم عین الیقین سے مراد یہ ہے کہ جس چیز کی تصدیق کی جاتی ہے اس کے نفس ذات کی تحقیق ہو جائے۔حق الیقین کا درجہ کسی شخص کو اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی انانیت معینہ اور حقیقت مقیدہ یعنی خودی فنا نہ ہو جائے۔حق الیقین کے مرتبہ سے موصوف رسول اللہؐ اور آپ کے تابع تام خاتم ولایت محمدیہ ہیں۔جو کمالات سرمدی کے فیضان کیلئے مخصوص ہیں کیوں کہ آپ کے تابع بھی اپنے رب کی طرف سے مرتبۂ بصیرت پر فائز ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔'' قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ (سورہ یوسف آیت ۱۰۸) یعنی کہدو اے محمدؐ کہ یہ میری راہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں بصیرت پر اور وہ شخص بھی بلاتا ہے جو میرا تابع تام ہے۔اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تابع تام تمام موقنین سے اعلیٰ وافضل ہیں۔(تفسیر لوامع البیان)

حضرت مہدیؑ نے آیت ثم اورثنا الکتاب کا بیان فرماتے ہوئے کہا کہ علم الیقین کا مرتبہ ملکوتی کا ہے، عین الیقین کا مرتبہ جبروتی کا ہے اور حق الیقین کا مرتبہ لاہوتی کا ہے۔غور کرو کہ تم ان تینوں قسموں میں سے کونسی قسم میں داخل ہے۔اگر ملکوتی ہے تو وہ مرتبہ بذاتیہ مومن کا ادنیٰ مرتبہ ہے۔اور اگر جبروتی ہے تو خود نعمت ہے اور اگر لاہوتی ہے تو یہ مرتبہ سلطان السلاطین کا ہے۔اگر ان تینوں مقامات سے باہر ہے تو ناسوتی ہے جو بے شک کافر ہے۔جان کہ ناسوتی کیا چیز ہے وہ اللہ کو بھولنا ہے اور اللہ کو بھولنا نفس امارہ ہے۔ (انصاف نامہ)

اس کی مزید تشریح کی جاتی ہے کہ خواب میں خدا کو دیکھنا مرتبہ ملکوت اور علم الیقین کا مقام ہے جیسے آگ میں لوہا۔چشم دل سے خدا کو دیکھنا مرتبہ جبروت اور عین الیقین کا مقام ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے شیشے میں رنگ، چشم سر سے خدا کو دیکھنا مرتبہ لاہوت اور حق الیقین کا مقام ہے۔ جیسے دودھ میں پانی۔ جو شخص خدا کو بھول جائے وہ ناسوتی ہے۔ یہ مقام کافروں کا ہے۔اور جو شخص اپنے کو بھول جائے وہ لاہوتی ہے اور مومن حقیقی ہے۔(تصوف کی باتیں)

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ اہل عرفان دو قسم کے ہیں ایک تو حکماء جو علم ودانش سے اور دماغ کی دوربین سے معرفت حاصل کرنے کی جستجو کرتے ہیں۔دوسرے عُرفاء ہیں جو طہارتِ قلب وتزکیہ نفس کے ذریعہ معرفت حاصل کرتے ہیں۔یعنی عارف کی نظر میں صرف خدا کو سمجھنا نہیں بلکہ خدا تک پہنچنا کمال معرفت ہے۔اس راہ میں کئی مقامات ومنازل ہیں جن کو اصطلاح معرفت میں'' سیر وسلوک'' کہتے ہیں۔اس کا تفصیلی بیان یہاں ممکن نہیں البتہ طالبانِ معرفت یعنی زاہد، عابد اور عارف کا مختصر تعارف مناسب ہوگا۔

زہد کی تعریف میں حجۃ الاسلام امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ:

''دنیا سے روگرداں ہوکر آخرت کی طرف مائل ہونا زہد ہے یا غیر اللہ سے منہ پھیر کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونا زہد ہے اور یہ زہد کا بہت بلند درجہ ہے'' (احیاء العلوم)

نیز فرماتے ہیں کہ: ''جب اللہ کسی بندہ کی بھلائی چاہتا ہے تو اس کو زہد فی الدنیا اور رغبت الی الآخرۃ کی توفیق عطا فرماتا ہے۔'' (احیاء العلوم)

رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''جو شخص دنیا میں زاہد ہوتا ہے اس کے دل پر اللہ تعالیٰ حکمت کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ اس کی زبان حکمت کے ساتھ گویا ہوتی ہے۔ دنیا کی علّت' بیماری اور درد نیز درمان کا راز اسے بتا دیا جاتا ہے اور اسے دنیا سے سلامتی کے ساتھ جنت میں لے جاتے ہیں۔'' (کیمیائے سعادت صفحہ ۷۰۱)

زہد کی فضیلت بیان کرتے ہوئے امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ:

''جو کچھ دنیا کی مذمت میں بیان ہوا وہ زہد کی فضیلت کی دلیل ہے اور دنیا کی دوستی ہلاک کرنے والی ہے جبکہ اس کی دشمنی نجات کا باعث ہے'' (کیمیائے سعادت) اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''زہد فی الدنیا'' اور ''ترک دنیا'' ہم معنی ہیں۔''

مشہور حکیم و فلسفی شیخ الرئیس بوعلی سینا (وفات ۴۲۸ھ م ۱۰۳۸ء ہمدان) نے زاہد' عابد اور عارف کی تعریف اس طرح بیان کی ہے:

'' المعرض من متاعِ الدنیا وطیبا تها یخص باسم الزاهد والمواظب علی فعل العبادات من القیام والصیام ونحوهما یخص باسم العابد والمتصرف بفکره الی قدس الجبروت مستدیما لشروق نور الحق فی سره یخص باسم العارف وقد یترکب بعض هذه مع بعض'' (الاشارات)

ترجمہ: دنیا حتیٰ کہ اس کی طیبات سے منہ موڑنے والا زاہد کہلاتا ہے۔ عبادات مثلاً نماز' روزہ وغیرہ پر مداومت کرنے والا عابد کہلاتا ہے۔ اور جو ہمیشہ اپنی فکر کو قدس جبروت کی طرف مشغول رکھتا ہے تا کہ نورِ حق اس کے سینے میں چمکے تو ایسا شخص عارف کہلاتا ہے۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ وہی شخص ان میں سے ایک سے زائد صفات کا حامل ہو۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ ایک شخص بیک وقت عابد اور زاہد ہو' یا زاہد اور عارف ہو' یا عابد اور عارف ہو' یا عابد' زاہد اور عارف ہو۔ یعنی کوئی زاہد ہوسکتا ہے یا عابد ہوسکتا ہے لیکن عارف نہیں ہوسکتا۔ لیکن عارف کے لئے ضروری ہے کہ وہ زاہد اور عابد بھی ہو۔ گویا ہر زاہد یا عابد عارف نہیں ہوتا لیکن ہر عارف زاہد و عابد ہوتا ہے۔

آگے چل کر عارف اور غیر عارف کے زہد و عبادت کے فرق کو واضح کرتے ہوئے ابن سینا لکھتے ہیں:

''غیر عارف کا زہد یہ ہے کہ وہ متاعِ دنیا کے ذریعہ متاع آخرت خریدنا چاہتا ہے لیکن عارف خدا سے غافل کر دینے والی ہر چیز کو ترک کر دیتا ہے اور خدا کے سوا ہر چیز کو حقیر جانتا ہے۔ غیر عارف کی دنیا میں عبادات کا مقصد آخرت میں حصول اجر و ثواب ہے لیکن

عارف کی عبادت دراصل ریاضت ہوتی ہے۔جس کا مقصد تزکیہ نفس اور اپنی ذات کو مٹا کر ذاتِ حق میں فنا ہوجانا ہے۔عارف کا مقصد کوئی اور چیز نہیں بلکہ ذات حق ہے اور اس کی عبادت صرف اللہ کے لئے ہوتی ہے کیونکہ صرف وہی معبودِ حقیقی ہے اور عارف کی عبادت کسی اجر وثواب کی تمنا یا خوف کے تابع نہیں ہوتی''

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ:

'' الٰھی ما عبدتک خوفا من نارک و لا طمعاً فی جنتک بل وجد تک اھلاً للعبادۃ فعبدتک''

ترجمہ: یااللہ میں تیری آگ کے خوف سے یا جنت کی حرص میں تیری عبادت نہیں کرتا بلکہ میں نے تجھے ہی عبادت کے قابل پایا اس لئے تیری عبادت کرتا ہوں۔

غرض عارفوں کے نزدیک عبادت میں خدا کے سوا کسی اور چیز کا خیال شرک ہے۔

معرفت خدا و لوازماتِ معرفت کے اس اجمالی بیان کے بعد یہ بات دھیان میں رکھیئے کہ امامنا حضرت سید محمد مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خاتم ولایت محمدیہ ہیں۔امامنا علیہ السلام نے فرمایا کہ ''مذہب ما کتاب اللہ واتباع محمد رسول اللہ'' اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپؑ نے کوئی نیا مذہب نہیں پیش فرمایا کیونکہ آپؑ رسول اللہ صلعم کے تابع تام ہیں ظاہر میں اور باطن میں۔باطن کی تعلیم ''تعلیم احسان'' ہے۔احسان کا مطلب ہے رویت باری تعالیٰ جو مقصدِ بعثت مہدی ہے۔چنانچہ امامنا مہدی موعودؑ نے معرفت خدا کے اعلیٰ ترین واکمل ترین درجہ ''طلب دیدار خدا'' کی تعلیم دی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ ''(سورہ یوسف آیت ۱۰۸)

ترجمہ: (کہدو اے محمد) یہ میرا راستہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف بصیرت پر اور وہ بلاتا ہے جو میرا تابع ہے۔

اس آیت میں لفظ'' انا'' سے مراد ذاتِ رسول اللہ صلعم ہے۔اور''من اتبعنی'' سے مراد ذاتِ مہدی موعودؑ ہے اور'' بصیرۃ'' سے مراد رویت ہے۔بصیرت کے لغوی معنی عقل وشعور اور بینائی دل کے ہیں۔بصارت کے لغوی معنی بینائی چشم کے ہیں۔ بصارت' بصیرت کے تابع ہوتی ہے۔لہٰذا بصیرت جتنی زیادہ ہوگی بصارت اتنی ہی تیز ہوگی۔کامل بصیرت کے لئے قلب سلیم ضروری ہے جو دل اللہ کی محبت ومعرفت سے لبریز ہوتا ہے اس کو قلب سلیم کہتے ہیں۔

رویت کی دو قسم بیان کی گئی ہیں۔اگر بلا واسطہ ہو تو رویت مطلقہ اگر بالواسطہ ہو تو مقیدہ۔رویت مطلقہ صرف خاتم الانبیاءؐ وخاتم الاولیاء علیہما السلام کو حاصل ہے۔امامناؑ نے فرمایا کہ بندہ حضرت رسول اللہؐ کے قدم بقدم چلتا آیا ہے۔اور بینائی چشم سر وبینائی چشم دل میں آنحضرتؐ کی پوری پوری متابعت رکھتا ہے۔آپ کے فرزند بندگی میاں سید محمود ثانی مہدیؑ پر تعلیم بلا واسطہ کا ذکر سنتے ہی جذبہ حق طاری ہوگیا اور بے ہوش ہوگئے۔امامناؑ کو منجانب اللہ خبر ہوئی تو حجرہ کے باہر سے اٹھا کر حجرہ میں لے گئے اور بی بیؓ سے فرمایا کہ دیکھو سید محمود کا گوشت' پوست' استخوان' بال بال لا الہ الا اللہ ہوگیا ہے۔حضرت بندگی میاں شاہ خوندمیر صدیق ولایتؓ نے ایک

دفعہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کے ایک ایک بال کو دو دو آنکھیں عنایت کیں جن سے میں نے خدا کو دیکھا۔

اللہ کا دیدارِ چشم سر سے چشم دل سے یا خواب میں ہونے کے بارے میں مہدویہ کا جو مسلک ہے وہ بھی مسلمات اہل سنت کے مغائر نہیں۔ مثلاً حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ جنہیں مہدیؑ نے ''پہلوانِ دین'' قرار دیا۔ فرماتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ جب دیدار کا وقوع خواب میں اور آخرت میں جائز ہے تو جس شخص کو اللہ چاہے بیداری اور اس زندگانیٔ دنیا میں بھی اس کے لئے دیدار کا وقوع جائز ہے'' (فتوحات مکیہ باب ۶۴)

علامہ سعد الدین تفتازانیؒ (متوفی ۷۹۲ھ م ۱۳۸۹ء سمرقند) نے شرحِ مقاصد میں لکھا ہے۔ ''مخالفین پیدا ہونے سے پہلے اُمّتِ محمدیہ نے وقوع رویت پر اتفاق کیا ہے۔''

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز علیہ الرحمہ (۸۲۵ھ) نے حضرت شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ (وفات ۵۶۳ھ بغداد) کی کتاب ''آداب المریدین'' (یہ کتاب چھٹی صدی ہجری کی ہے) کی شرح لکھی ہے جس میں دیدار کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''اس بات پر صوفیوں کا اجماع ہے کہ ان آنکھوں سے جو کہ چہرہ پر ہیں اور انہیں حدقوں سے کہ جن میں روشنائی ہے اسی روشنائی سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتے ہیں۔ میں جو کہ محمد حسینی ہوں کہتا ہوں کہ ایسے بزرگ بندے بھی ہیں جنہوں نے اس دنیا میں خدا کو چشم دل سے دیکھا ہے (اس کے آگے تحریر فرماتے ہیں کہ) ثابت ہے کہ طالبِ صادق ومشتاقِ واثق حضرت سبحانہ وتعالیٰ کے جمال کو اس دنیا میں دیکھ سکتا ہے۔''

بحر العلوم علامہ سید اشرف سمنیؒ (۱۳۴۹ھ حیدر آباد) نے رویت باری تعالیٰ کے تعلق سے مشہور فلسفی ابوالولید محمد بن احمد ابن رشد (۵۹۴ھ م ۱۱۹۸ء مراکش) کے خیالات ''تنویر الہدایہ'' میں بیان کیا ہے۔

''اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو نور سے موصوف کیا ہے اور یہ فرماتا ہے کہ اللّٰہ نور السموات والارض۔ اور نور ایسا ہے کہ ادنیٰ واعلیٰ اس کو محسوس سمجھتے ہیں اور اس کو اشرف محسوسات جانتے ہیں بلکہ نور کی وجہ سے دوسری چیزوں کا بھی ادراک کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنا نام نور رکھا ہے اور نور کی جہت سے سب قسم کی اشیاء کی رویت ہوتی ہے تو اسی نور ہونے کی جہت سے اللہ تعالیٰ کی ذات بھی جائز الرویت ہوگی اور جو جائز الرویت ہو اس کی طلب محال نہیں'' (تنویر الہدایہ)

حضرت مہدیؑ نے فرمایا کہ: ''مومن حقیقی وہ شخص ہے جو بینائے حق ہو چشم سر سے یا چشم دل سے یا خواب میں۔ اگر ان تینوں میں سے ایک بینائی بھی حاصل نہ ہو اور پوری طلب رکھتا ہو تو ایسے شخص پر بھی ایمان کا حکم ہے'' (انصاف نامہ باب ۱۱)

اس فرمان میں دیدار خدا کو فرض نہیں کہا گیا بلکہ ''طلب دیدار خدا'' فرض قرار دی گئی ہے اور دیدارِ خدا پر ایمان کا انحصار نہیں کیا گیا مگر ''طلبِ صادق'' کی شرط عائد کی گئی ہے۔ مذکورہ بالا مباحث وفرمانِ امامنا مہدیؑ سے واضح ہوتا ہے کہ رویت باری تعالیٰ جائز ہے جو معرفتِ خدا کا اعلیٰ ترین واکمل ترین درجہ ہے لیکن طلبِ صادق شرط ہے۔

ابن سینا نے عارف کے روحانی سفر کی پہلی منزل ''ارادہ'' قرار دیا ہے یعنی قوت ایمانی کے ذریعہ نفس پر قابو پانا تا کہ دل خدا کی طرف مائل ہو اور وصال حاصل ہو۔

مولانا عبدالرزاق کاشانیؒ نے ''ارادہ'' کی تعریف اس طرح بیان کی ہے۔''**جمرة من نار المحبة فی القلب المقتفية لاجابة دواعی الحقيقة** (یعنی ارادہ دل میں عشق کی آگ کی ایک چنگاری ہے جو دعوتِ حقیقت کی طرف راغب کرتی ہے۔)(اصطلاحات الصوفیۃ)

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ارادہ کچھ اور مراحل سے گزرنے کے بعد پیدا ہوتا ہے جنہیں بدایات ابواب' معاملات اور اخلاق کہتے ہیں۔یعنی تہذیب واصلاحِ نفس سے گزرنے کے بعد ہی عشق الٰہی کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے اور یہی رغبت ''ارادہ'' بن جاتی ہے۔ارادہ کو نیت بھی کہہ سکتے ہیں اور طلب بھی۔امام مہدیؑ نے طلبِ دیدار خدا کو فرض قرار دیا یعنی ''طلب'' فرض ہے طلب اس وقت پیدا ہوگی جب بندہ اس کی حقیقت سے آگاہی رکھتا ہو۔حق کے لافانی اور غیر حق کے فانی ہونے کی حقیقت کو سمجھتا ہو۔قلبِ سلیم رکھتا ہو اور خود اپنی بے بساط حقیقت سے واقف ہو کیونکہ خود اپنی معرفت اللہ تعالیٰ کی معرفت کی کنجی ہے اور معرفتِ خدا دیدارِ خدا کا تخم ہے۔یہی تخم ''طلب'' ہے جس طرح تخم اگر صحیح وسالم ہو تو پہلے پودا پھر شجر بن جاتا ہے۔اسی طرح طلب صادق ہو تو مطلوب کی طرف سفر شروع ہو جاتا ہے۔بالفاظ دیگر دل میں عشق کی آگ کی چنگاری کا نام ''طلب'' ہے یہ طلب طہارتِ قلب وتزکیۂ نفس کے مراحل سے گزرنے کے بعد پیدا ہوتی ہے ان مراحل میں طالبِ حق کو پیرِ کامل کی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔''**وکونوا مع الصادقين**''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عالم اسلام میں وقوع پذیر ہونے والے حالات' یونانی فلسفہ کے اثرات اور ہند و یورپ کی فتوحات یعنی اختلاط اقوام نے اسلامی نظریات ومسلمانوں پر گہرا اثر ڈالا۔اولیاء اللہ وصوفیاء کا طبقہ ہر ملک ہر دور میں رہا ہے۔اہل تصوف کے کئی سلسلے پیدا ہوئے۔ہر ایک کا طریق کار جداگانہ تھا یعنی منزلِ مقصود تو ایک لیکن طریق سفر مختلف۔محنت ومشقت کے ذریعہ خدا کو پانے کی کوشش کی جاتی تھی حتیٰ کہ بعض صوفیہ سے آداب شریعت کی خلاف ورزیاں بھی سرزد ہوئیں لیکن امام مہدیؑ نے محنت کو محبت سے بدل دیا اور طالبِ خدا کے لئے آسان واقرب ترین طریق سفر بھی بتا دیا یعنی عمل صالح وذکر اللہ۔

اسعد العلماء حضرت ابوسعید سید محمود تشریف اللّٰہیؒ کے الفاظ ہیں۔''امام علیہ السلام نے طریقت ومعرفت کی تعلیم اس نہج پر دی کہ کسی حال اور کسی مقام میں شرک نہ ہونے پائے اور آداب شریعت کی پابندی لازم قرار دے کر دھوکے اور فریب کے راستے بند فرما دیئے''(تقلیات میاں عبدالرشید صفحہ ۱۹)

اولیائے پیشین کی نسبت حضرت امامؑ نے فرمایا کہ:''ہمارے بھائی نزدیک کا راستہ چھوڑ کر چکر کے راستے سے چلے اور

مقصود حاصل کیا کیونکہ وہ طلب میں سچے تھے اور مقصود خدا تھا''

صحابہؓ نے عرض کیا۔ میرا نجی! نزدیک کا راستہ کونسا ہے اور گردش کا راستہ کونسا؟ حضرتؑ نے فرمایا'' راہِ خدا میں بے اختیار کیوں نہ ہوئے کہ شریعتِ محمدی کے موافق یہی راستہ نزدیک تر ہے۔ انہوں نے اپنے اختیار سے تمام عمر کے روزے کیوں رکھے؟ مباح وحلال چیزوں کو کیوں چھوڑ دیا؟ سالہا سال کنوؤں میں سرنگوں کیوں لٹکے اور بارہ سال کی قید لگا کر روزے کیوں رکھے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ احکام نہیں فرمائے ہیں اور حسبِ فرمانِ خداوندی **من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ** (جو شخص اللہ پر توکل کرے تو اللہ اس کے لئے کافی ہے) تمام عمر توکل کا روزہ کیوں نہ رکھا؟ ان کو چاہئے تھا کہ بے اختیار ہو جاتے'' (شواہد الولایت)

دیدارِ حق کا بیان کرتے ہوئے امام نا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ'' خدا کو پہنچنے کے لئے عشق ضروری ہے اور عشق دل کی توجہ ہمیشہ خدائے تعالیٰ کی طرف قائم رکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح کہ دل میں کوئی چیز مائل نہ ہو اور اس معنی کے لئے ہمیشہ خلوت اختیار کرے اور کسی کے ساتھ مشغول نہ ہو نہ دوست کے ساتھ اور نہ اغیار کے ساتھ۔ ہر حالت میں یعنی کھڑے رہنے' بیٹھے' لیٹے' کھانے اور پینے (کی حالت میں) خدا کی طرف متوجہ رہے یعنی خدا کی یاد (ذکر اللہ) میں رہے۔ نیز فرمایا کہ'' خدا کو سر کی آنکھ سے دیکھنا ہے دیکھنا چاہئے۔ نیز فرمایا کہ'' جو شخص خدا کو مقید دیکھے مشرک ہے''

اللہ جل شانہ فرماتا ہے'' **فاذکرو اللہ قیاما وقعوداً وعلی جنوبکم**'' (یعنی اللہ تعالیٰ کو اٹھتے بیٹھتے اور پہلوؤں پر لیٹے ہوئے یاد کرو)

امام نا مہدیؑ نے فرمایا'' **ھر جا کہ باشید بایاد خدا باشید**'' (جہاں کہیں رہو یادِ خدا میں مشغول رہو)

حضرت میراں سید محمد مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ کلمہ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ کی چار قسمیں ہیں۔ اول لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ گفتنی' دوم دیدنی' سوم دانستنی اور چہارم شدنی۔ آخر کے تین مراتب میں تمام انبیاء واولیاء ہیں اور پہلی قسم منافقوں کی ہے۔

اس طریق سے معلوم ہوا کہ قایل لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ بھی چار قسم کے ہیں۔

(۱) لاَ اِلٰـہَ اِلاَّ اللّٰـہ گفتنی یعنی کہنے والے کی ایسی ہے جیسے پتھر پانی میں ہے۔ برسوں تک بھی رہے تو کچھ اثر نہیں پڑے گا کیونکہ اس میں پانی کو اخذ کرنے کی قابلیت نہیں ہے۔

(۲) لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ دانستنی یعنی جاننا۔ جیسا کہ آگ پتھر میں ہے مگر ظاہر نہیں ہوتی۔ لیکن اپنے علم سے جانتا ہے کہ پتھر میں آگ ہے

(۳) دیدنی یعنی لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ کو دیکھنا ہے جیسا کہ رنگ شیشوں میں ہے اگر چہ ذات رنگ کو نہیں دیکھتا لیکن شیشہ کے ساتھ رنگ کو دیکھتا ہے۔

(۴) شدنی یعنی لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ خود ہو جائے۔ جیسا کہ پانی دودھ میں مل کر دودھ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

ان کیفیات کی تشریح عام قارئین خصوصاً صرف علم ظاہری سے آراستہ لوگوں کے لئے الجھن کا باعث بن سکتی ہے۔ اس لئے

یہاں بیان نہیں کی جارہی ہے۔طالبان صادق کسی مرشد کامل سے رجوع ہوسکتے ہیں۔

مختصر یہ کہ دواماً ذکراللہ کے ذریعہ ہی طالب یا سالک حقیقی معرفت الٰہی کی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔کلمہ طیبہ کا ذکر الا اللہ تو ہے' لا الہ ہوں نہیں میں خدا کا اثبات اور غیرحق کی نفی ہے۔غیرحق سے مراد ہمارا غرور اورانیت (میں پنا) ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو بندہ ذکر دوام کرتا ہے اللہ اس پر (معرفت کے) دروازے کھول دیتا ہے اوراس کے دل کو اپنے انوار واسرار کی تجلیوں سے منور کر دیتا ہے اوراللہ اور بندہ کے درمیان پردے اٹھ جاتے ہیں حتیٰ کہ خدا کو دنیا میں عیاں دیکھتا ہے۔''

ایک اور حدیث میں اللہ سے حکایت کرتے ہوئے رسول اللہ صلعم نے فرمایا:''جب میرے بندے پر میرا ذکر وشغل غالب ہوجاتا ہے تو میں اس کو اپنے ذکر ہی میں لذت عطا کرتا ہوں۔جب اس کو میرے ذکر میں لذت ملتی ہے تو میرا عاشق ہوجاتا ہے اور میں اس کا عاشق ہوجاتا ہوں اور میرے اوراسکے درمیانی پردے اُٹھادیتا ہوں۔''

ایک اور حدیث میں اللہ سے حکایت کرتے ہوے نبی کریمؐ نے فرمایا۔''میں اپنے بندہ کے دل میں جھانکتا ہوں اور میرا ذکر اس دل پر غالب پاتا ہوں تو میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اوراس کی بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اوراس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا اوراس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو اس کو عطا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہے تو قبول کرتا ہوں'' (انصاف نامہ)

غرض ذکراللہ کی اہمیت وفضیلت میں متعدد آیات قرآنی' احادیث نبوی وفرموداتِ مہدیؑ موجود ہیں۔ذکر خدا تمام لسانی' نفسانی وشہوانی امراض کا بہترین علاج ہے بلکہ صیقل قلب ہے۔ایک عاشق کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ہر وقت معشوق کا تصورِ قلب وذہن پر چھایا ہوا رہتا ہے اور ہر حال وہر مقام اُسی کا ذکر ورِدِ زبان ہوتا ہے اور مہدویت بھی مذہب عشق ہی ہے جس کی بنیاد قرآن مجید پر ہے اور قرآن کے بارے میں امامنا مہدیؑ نے فرمایا کہ ''قرآن عشق نامہ است'' اسی عشق نامہ سے ماخوذ چند امور کو مہدی علیہ السلام نے فرض فرمایا ہے جو ''فرائض ولایت'' کہلاتے ہیں۔مثلاً ترک دنیا' طلب دیدارِ خدا' ذکر دوام' توکل علی اللہ' صحبت صادقاں' عزلت از خلق اور ہجرت۔

ترک دنیا کا نام سنتے ہی لوگ رہبانیت کا الزام لگادیتے ہیں حالانکہ لا رھبانیۃ فی الاسلام حضرت مہدیؑ نے تو احکامِ شریعت کی مکمل پابندی کا حکم دیا ہے۔ترک دنیا دراصل ''زہد فی الدنیا'' ''ترکِ حُبِّ دنیا' ہے۔امامنا علیہ السلام نے ''حیاتِ دنیا'' سے مراد ہستی وخودی ''متاع حیات دنیا'' سے مراد مال وزن واولاد کی محبت بیان فرمائی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں خدا کے ذکر سے غافل نہ کریں اور جو ایسا کریں گے وہ سب خاسرین ہیں۔سورہ منافقون)

غرض جب تک دنیا ومتاع دنیا کی محبت دل میں باقی ہے اللہ کی محبت اس میں پیدا نہیں ہوسکتی اس لئے امامناؑ نے ترک دنیا کو

عارفانِ حق کے لئے فرض قرار دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا'' (سورہ کہف آیت ۱۱۰) یعنی جو شخص اپنے رب کی لقاء (دیدار) کا امیدوار ہو تو وہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

اماماؑ نے عمل صالح سے مراد ترک خودی بیان فرمایا ہے۔ تمام فرائض ولایت کا خلاصہ ترک ہستی وخودی ہے۔ اماماؑ نے نہایت آسان الفاظ میں معرفت الٰہی یعنی دیدار خدا کا راستہ بتلایا ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ سابق کے اولیاء اللہ اپنے طالبوں کے ہاتھ میں سوئیاں دے کر پہاڑ کو کھدوائے ہیں۔ بندہ سبّل پھاوڑے لایا ہے۔

اولیائے سابق کے ذکر و فکر کی جہاں انتہاء ہوتی ہے وہ یہاں ابتداء ہے۔ اور مسلک مہدویہ میں شریعت کا بالغ طریقت کا طفل ہے۔ غرض ہر لحاظ سے یہ مذہب عالیت ہے اور معرفتِ خدا کے معاملہ میں بھی اماماؑ نے عالیت کی تعلیم دی ہے۔ آخر میں اس مضمون کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے اختتام کو پہنچاتا ہوں۔

(۱) بعثت مہدیؑ سے قبل اولیائے کرام وصوفیائے عظام ترکِ خودی کے بجائے محنت ومشقت کے ذریعہ معرفتِ خدا کی جستجو کرتے تھے حتیٰ کہ بعض مواقع پر شریعت بھی نظر انداز کردی جاتی تھی۔ لیکن خاتم ولایت محمدیہؐ کے طفیل میں یہ انقلاب رونما ہوا کہ آپ نے محنت کو محبت سے بدل دیا اور شریعت کی پابندی کو لازمی قرار دیا۔ چنانچہ دسویں صدی ہجری سے نظریاتی عرفان کی جگہ عملی عرفان کو زیادہ فروغ حاصل ہوا اور سالکین میں شریعت کو نظر انداز کرنے کا رجحان تقریباً ختم ہوگیا۔

(۲) بعثت مہدیؑ سے قبل لوگ صرف آخرت میں دیدارِ حق کے قائل تھے لیکن حضرت سید محمد مہدی موعودؑ نے دارِ دنیا میں بچشم سر دیدارِ حق کو جائز وممکن قرار دیا اور طالبانِ خدا کو آسان واقرب ترین راستہ بھی بتلا دیا۔ یعنی عملِ صالح اور ذکر اللہ۔

(۳) اماماؑ نے جمیع حقائق واسرار و رموزِ قرآنی کا علانیہ بیان فرمایا جو لوازمات ولایت محمدیہ سے ہے اور جس کی تعلیم آپ کو منجانب اللہ بلا واسطہ ہوا کرتی تھی۔

(۴) دیدار حق تعالیٰ کی تعلیم کے ذریعہ اماماؑ نے معرفت خدا کے محدود تصور کو لامحدود کردیا اور ایسی رہنمائی فرمائی کہ سالک ترک ہستی وخودی اور قوت ایمانی کے معاملہ میں جتنا راسخ ہوگا اتنا ہی قرب الٰہی و دیدارِ الٰہی کا اہل ہوگا۔ ارادہ اور طلب صادق چاہئے۔

(۵) من عرفه نفسه فقد عرف ربه۔ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے خدا کو پہچانا۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''نور حیات'' سپٹمبر اکٹوبر ونومبر ۱۹۹۶ء)

''تصدیق بندہ عمل است''

(یہ مقالہ مرکزی انجمن مہدویہ حیدرآباد کے زیر اہتمام منعقدہ جشن میلاد مہدی موعودؑ بابتہ
۱۴؍جمادی الاول ۱۳۹۷ھ م ۱۹۷۷ء کے جلسہ عام میں پیش کیا گیا تھا۔)

آج کی اس مبارک و مسعود محفل میلاد امامناؑ کے موقع پر امامناؑ کی ایک بظاہر مختصر نقل شریف کا عنوان لے کر حاضر ہوا ہوں۔ یعنی ''تصدیق بندہ عمل است'' میں ایک طالب علم ہوں اس لئے کسی خطا ونسیان کے لئے صرف معافی کی نہیں بلکہ اصلاح کی درخواست کرتے ہوئے آپ سے باتوجہ سماعت کا ملتجی ہوں۔

آج ۱۴؍جمادی الاول المنور ہے۔ یہ وہ مقدس دن ہے جبکہ اس سرزمین ہند کے شہر جونپور میں ۸۴۷ھ میں آفتابِ ولایت بڑی آب وتاب کے ساتھ طلوع ہوا تھا۔ جس کی پہلی ہی کرن نے اصنامِ ہند کی آنکھوں کو چندھیا دیا تھا۔ پائے بتاں کو لرزا دیا تھا اور فضاء نے مارے جوش کے نعرہ لگایا۔ **جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا** اور جس کی کرنوں نے روشن ضمیر اہل بصیرت کے قلوب کو منور کر دیا تھا۔ یہ وہ آفتاب ہے جسے غروب نہیں، زوال نہیں، اس کی ضیاء پاشیاں تا ابد یونہی جاری رہیں گی۔

یہ آفتاب ولایت حضرت سید محمد جونپوری ہیں جن کے آنے کی خبر خاتم الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ نے دی تھی۔

امامنا حضرت سید محمد مہدی موعودؑ نے کوئی نیا مذہب پیش نہیں فرمایا، کوئی نئی شریعت نہیں بتلائی بلکہ نصرت دین محمدی کے لئے مبعوث کئے گئے تھے۔ اسلام کو تازہ کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ ایک ایسے وقت آپ نے دنیا میں قدم رکھا جبکہ اُمویوں کی ہوسِ اقتدار اور پھر عباسیوں کی آتش انتقام نے اسلام کی عمارت کو تہس نہس کر کے رکھ دیا تھا۔ آپؑ ایک ایسے وقت تشریف لائے جبکہ اوہام ورسوم نے اسلامی معاشرہ پر غلبہ پالیا تھا۔ عادتیں بگڑ چکی تھیں۔ روز روز نئی نئی بدعتیں جاری ہو رہی تھیں۔ ایمان اگر باقی رہ گیا تھا تو صرف مجذوبوں میں۔ امامناؑ نے اسلام کی تجدید فرمائی۔ اسلامی معاشرہ کی تطہیر فرمائی اور ایمان کی تکمیل فرمائی آپ نے کبھی دعویٔ نبوت نہیں کیا بلکہ فرمایا **انی عبد اللّٰہ وتابع محمد رسول اللّٰہ** ۔یعنی بیشک میں اللہ کا بندہ اور محمد رسول اللہ کا تابع ہوں۔ درود وسلام خاتمین علیہما السلام پر جو رحمۃ اللعالمین بن کر آئے اور ان کی آل واصحاب پر۔

حضرت امامنا سید محمد مہدی موعودؑ نے ایک موقع پر فرمایا کہ'' **تصدیقِ بندہ عمل است** ''بظاہر یہ ایک مختصر چار لفظی نقل شریف ہے لیکن درحقیقت غواص معرفت کے لئے بحر بیکراں ہے۔

آپؑ نے اپنی تعلیمات کو صرف اقرار باللسان تک محدود نہیں رکھا یا اعتقاد بالقلب پر اکتفا نہیں کیا بلکہ عمل صالح کی شرط بھی لگائی۔ نقل مبارک پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ تصدیق کے ساتھ تعمیل بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں بھی مومنین سے خطاب فرمایا وہاں عمل صالح کی تاکید بھی کی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ (سورہ الانبیاء آیت ۹۴) نقل کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعلیمات پر عمل کرنا ہی تصدیق امامناؑ ہے جیسا کہ امامناؑ کا ایک قول ہے۔

''باعمل مقبول بے عمل مردود''

اگر ہم اس قول کی تفہیم کی خاطر ''تصدیق باعمل مقبول و تصدیق بے عمل مردود'' پڑھیں یا ''مصدق باعمل مقبول و مصدق بے عمل مردود'' پڑھیں تو مطلب بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے۔

ذاتِ مہدیؑ کی بعثت اسی لئے ہوئی تھی کہ قرآنی تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ چونکہ یہ فرض آپ ہی کے لئے مخصوص تھا۔ آپؑ مہدی لغوی نہیں بلکہ مہدی موعود ہیں یعنی (Promised Mehdi) جس کا وعدہ خدا نے اپنی کتب مقدسہ اور صحائف سماویہ میں کیا تھا۔ اور جس کی بشارت ختم المرسلینؐ نے دی تھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مہدی میری آل سے ہوگا۔ معصوم عن الخطا ہوگا۔ دافع ہلاکتِ اُمّتِ محمدیہ ہوگا۔ خلیفۃ اللہ ہوگا کہ خلق کو اللہ کی طرف بلانے پر منجانب اللہ مامور ہوگا اور خاتم ولایت محمدیہ ہوگا۔ چنانچہ امت کو تاکید فرماتے ہوئے ختم المرسلین نے فرمایا'' **فبایعوہ ولو حبوا علی الثلج فانہ خلیفۃ اللہ المھدی** ۔یعنی تم اس کے ہاتھ پر بیعت کرو اگرچہ کہ برف پر سے رینگتے ہوئے گزرنا پڑے کیونکہ وہ مہدی اللہ کا خلیفہ ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ تبلیغ و اشاعتِ مذہب کا بہترین اور موثر ذریعہ عمل ہی تھا اور ہوسکتا ہے۔ تاریخ اسلام کے ابتدائی ایام پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و صفات حسنہ ہی اشاعتِ اسلام کا ذریعہ تھے۔ آپ نے کسی کو بزور طاقت اسلام قبول کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اسی طرح تاریخ مہدویہ کی ورق گردانی کریں تو کہیں آپ کو یہ بات نظر نہیں آئے گی کہ امامناؑ نے کبھی بھی کسی کو بزور طاقت تصدیق کا حکم دیا ہو۔ خاتمین علیہما السلام صرف پیامِ حق کو بندگانِ خدا تک پہنچانے پر مامور تھے اور ہدایت دینا یا نہ دینا خدا کا کام ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی لختِ جگر بی بی فاطمۃ الزہراؑ کو خاتونِ جنت ہونے کے باوجود یہ کہا کہ اے فاطمہؑ عمل کر، یہ نہ سمجھ کہ محمدؐ کی بیٹی ہے۔ اس سے امت کو عمل صالح کی ترغیب دینا مقصود تھا۔ اسی طرح امامناؑ نے تو صاف الفاظ میں کہا تھا کہ اگر میری کھال بھی اوڑھ لوگے تو عذاب سے بچ نہ سکو گے اگر چیکہ مستحق ہو۔ نبی کریم ﷺ کے محبوب ترین اور قریب ترین نواسے حضرت امام حسینؓ غلاف کعبہ سے لپٹ کر گڑگڑاتے ہوئے خدا سے مغفرت کی دعا مانگتے ہیں تو ہم کس کھیت کی مولی ہیں کہ ساری عمر تعلیمات امامناؑ کو صرف تحریر و تقریر کے لئے مخصوص رکھ کر اور عمل سے دور رہ کر شفاعت کے امیدوار ہیں۔ امام حسینؓ نے صرف اسلام کو زندہ رکھنے کی

خاطر اپنا سب کچھ لٹا دیا۔حتیٰ کہ سر بھی کٹا دیا۔آپ کا یہی عمل آج بھی دنیا کے لئے نظیر بنا ہوا ہے اور چودہ سو سال بعد بھی دنیا حسینؓ کو یاد کرتی ہے۔اگر آپ اس عمل سے باز رہتے اور حالات سے سمجھوتہ کر لیتے تو دنیا کی نعمتیں آپ کے قدموں پر نثار ہوتیں لیکن یہ نعمت لازوال انہیں نصیب نہ ہوتی۔اور آج ہم امام حسینؓ کے اس جرأت مندانہ عمل صالح کو نظر انداز کرتے جا رہے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کا عمل ہی تھا حضور سے قلبی و عملی محبت ہی تھی کہ صدیق آپ کہلائے۔حضرت عمرؓ کا عدل ہی تھا کہ فاروق کہلائے۔حضرت عثمانؓ کا عمل ہی تھا کہ غنی کہلائے۔اور حضرت علیؓ کا عمل ہی تھا کہ اسد اللہ کہلائے اور اسرارِ نبوت کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دینے کا سہرا آپ کے سر ہوا۔اگر یہ خلفائے راشدینؓ حضور کے بعد عمل صالح سے باز رہتے اور حضور کی تقلید ترک کر دیتے تو آج دنیا کے کونے کونے میں جو اسلام نظر آ رہا ہے وہ شائد کبھی نظر نہ آتا۔صحابہؓ کا تقویٰ و عمل ہی تھا کہ وہ جہاں بھی گئے لوگ گرویدہ ہو گئے اور تصدیقِ اسلام سے مشرف ہوئے۔

اس تمہید کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام اور مہدویت عمل کے متقاضی ہیں۔صرف زبانی اقرار و اذکار سے اکتساب فیض ناممکن ہے۔جب تک آپ کسی دوا کو استعمال نہیں کریں گے اس کے اثرات سے واقف کیسے ہوں گے۔صرف کاغذ پر دوا کا طریقۂ استعمال اور مواقع استعمال پڑھ لینے سے شفا کیسے ہوگی۔اس کے لئے تو عمل و ہمت کی ضرورت ہے۔دوا کا غلط استعمال موجبِ ہلاکت بھی ہوسکتا ہے۔شفا اگر چاہتے ہیں تو طبیب پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کے مجوزہ نسخہ کو استعمال کرنا ہی پڑے گا۔

قرآن ایک جامع نظام حیات ہے۔اس میں حیات انسانی کے ہر موقع کے لئے اصول و قواعد موجود ہیں۔اور حیات محمدی اس کی مکمل تفسیر ہے۔امام مہدی موعودؑ نے جن تعلیمات کو قولاً و فعلاً دنیا کے سامنے پیش فرمایا ان کا منبع و ماخذ بھی صرف قرآن و سنت ہی ہیں اور ان تعلیمات کو فرائض ولایت کہتے ہیں۔یہ فرائض، انسان کے نفسانی و شہوانی امراض کا مکمل علاج ہیں اور مختصر الفاظ میں عروجِ آدم خاکی کی منزلیں ہیں۔جتنی ہمت ہے آگے بڑھتے جایئے بس عمل کی ضرورت ہے۔

سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ محمد عربیؐ نے ان تعلیمات ولایت کو عوام کے سامنے کیوں پیش نہیں فرمایا۔درحقیقت حضور نبی ﷺ ان تعلیمات کے حامل و عامل ضرور تھے لیکن عام کرنے پر مامور نہیں تھے۔یہ ذمہ داری تو خلیفۃ الرحمٰن امام آخر الزماں کے سپرد تھی۔چونکہ اسلام ابھی ابتدائی مراحل میں تھا۔جاہل عرب ان حقائق و معارف کو سمجھنے اور سنبھالنے کے قابل نہ تھے۔اس لئے نبی کریم ﷺ نے صرف مخصوص اصحابِ کرامؓ کو ان تعلیمات سے آگاہ فرمایا اور عوام کو صرف شریعت کی راہ بتلائی۔فرائض ولایت، فرائض نبوت سے آگے کی تعلیمات ہیں۔

نبوت اگر ظاہر ہے تو ولایت باطن۔نبوت اگر جسم ہے تو ولایت اس کی روح ہے۔نبوت اگر دریا ہے تو ولایت اس میں چھپے ہوئے موتی ہیں۔نبوت اگر پوست ہے تو ولایت مغز ہے۔نبوت اگر رہ گزر ہے تو ولایت نقش پائے رسولؐ ہیں۔مختصر یہ کہ نبوت اور

ولایت میں جسم و جان کا رشتہ ہے جو لازم و ملزوم ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرائض نبوت کی تکمیل فرمائی اور امام آخر الزماں نے فرائض ولایت کی تکمیل فرمائی۔ امامؑ نے علم الیقین کی منزل پر رک جانے کے بجائے عین الیقین اور حق الیقین کی منزل تک پہنچنے کی دعوت دی اور اس کے آسان ترین راستے بھی بتلائے۔ ان منازل کے حصول کے لئے ہی اولیاء نے مجاہدے کئے' مجرّ در ہے۔ کنوئیں میں اُلٹے لٹکے رہے۔ غرض کہ نفس کو اپنے قابو میں کرنے کے لئے بڑی بڑی مصیبتیں اٹھائیں۔ لیکن مہدیؑ نے ہمیں آسان راستے بتلائے گویا رہگذر پر پہلے چراغ جل رہے تھے تو اب مرکیوری بلب روشن کر دیئے گئے ہیں۔ مسافر کے لئے احتیاط اور عمل شرط ہے۔ امامؑ نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بھائیاں سوئی سے راستہ کر یدر ہے تھے بندہ سبّل پھاوڑے لایا ہے۔

عام مسلمان جنت کی خاطر عبادت کرتے ہیں لیکن مصدقِ مہدیؑ خالقِ دو جہاں کو پانے کے لئے عبادت کرتا ہے۔ عام مسلمان صرف محبّ خدا ہوسکتا ہے لیکن مصدقِ مہدی عاشق خدا ہوتا ہے۔ یہ آدم خاکی کی معراج نہیں تو اور کیا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ تعلیمات مہدیؑ پر صدقِ دل سے عمل کیا جائے۔ وہ تعلیمات فرائضِ ولایت ہیں۔ یعنی ترک دنیا' طلبِ دیدار خدا' صحبت صادقاں' عزلت از خلق' ذکر دوام' توکل اور ہجرت۔

ان تعلیمات پر تفصیلی بحث اس مختصر مقالہ میں ممکن نہیں۔ اس لئے اختصار سے کام لوں گا۔

ترک دنیا کے بارے میں امامنا مہدیؑ نے فرمایا ''**ورائے ترک دنیا ایمان نیست**'' یعنی ترک دنیا کے بغیر ایمان نہیں۔

ترک دنیا کا مطلب یہ نہیں کہ دنیا کو چھوڑ کر چاند پر جا بسیں یا ترک دنیا کا مطلب یہ نہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے کاہل بنے بیٹھے رہیں۔ بلکہ ترک دنیا ایک پیامِ عمل پیہم ہے۔ ترک دنیا کا مطلب ''ترک حبِّ دنیا'' ہے۔ دنیا میں ایک مہمان کی طرح رہنا ہے اور مہمان کبھی میزبان کے مکان میں بلا تکلف نہیں رہتا۔ اسی احساس کا نام ترک دنیا ہے۔ جب انسان کسی چیز کو ترک کرتا ہے تو اس کی کچھ نہ کچھ وجہ ہوتی ہے یا تو کسی چیز سے متنفر ہو کر ترک کرتا ہے تا کہ بہتر اور پسندیدہ چیز حاصل کی جا سکے یا کسی اعلیٰ چیز کی خاطر ادنیٰ کو ترک کرتا ہے۔ انسان خود مختار ہے کہ دو متضاد راستوں میں سے جس کا چاہے انتخاب کرے۔

ترک کے لغوی معنی ہیں چھوڑنا یا غافل کرنا۔ جب انسان ناپسندیدہ شئے کو چھوڑ دیتا ہے تو پسندیدہ شئے کے حصول کی خاطر جدوجہد کرتا ہے۔ اگر ترک کا معنی غافل کرنا لیں تو یہ ہماری مذہبی اصطلاح ترک دنیا سے ہم آہنگ ہے۔ دنیا ہر انسان کی محبوب ترین چیز ہوتی ہے۔ جب امامؑ کا پیامِ ترک دنیا اسے ملتا ہے تو وہ دنیا کو چھوڑ کر کسی اور عالم میں نہیں جائے گا بلکہ اپنے قلب و ذہن کو دنیا کی محبت سے غافل کرنے کی تدابیر اختیار کرے گا یا صحبتِ صادقاں اور ذکر الٰہی کے ذریعہ ایسی تاثیر و محبت پیدا کرے گا کہ دنیا کے ہر جال کو کتر کر نکل جائے گا۔ حتیٰ کہ دنیا تھک ہار کر اس کو بھول جائے اور غافل ہو جائے گی۔

آیئے دنیا کے معنی پر بھی غور کرلیں۔ دنیا کے ایک معنی ہوتے ہیں موجودہ زندگی اور دوسرے معنی ہوتے ہیں ادنیٰ' گھٹیا اور ردّی۔ امامنا مہدیؑ نے پیام ترک دنیا کے ذریعہ موجودہ ادنیٰ معیار زندگی کو ترک کر کے اعلیٰ وارفع معیار زندگی کا راستہ بتلایا ہے۔

دنیا فی نفسہ کوئی بُری شئے نہیں ہے بلحاظ استعمال وہ اچھی یا بُری ثابت ہوسکتی ہے۔ دنیا انسان ہی کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ انسان خودمختار ہے کہ اس کی زینت وزیبائش کا غلام بن جائے۔ اس کے قابو میں چلا جائے یا ایسا مرد بنے کہ اس کو اپنے قابو میں رکھے۔ اس کی محبت میں گرفتار ہونے کے بجائے اس کو اپنا اسیر بنائے رکھے۔ دارِ دنیا کا حاکم بنے یا دنیا دار بن جائے۔ اسی کا نام ترکِ حُبِّ دنیا ہے۔ یعنی خود کو حُبِّ دنیا سے غافل کرلینا یا دنیا کو اپنا دامِ فریب بچھانے سے باز رکھنا۔

جہاں تک ''حیاتِ دنیا'' کا تعلق ہے تو قرآن حکیم کی روشنی میں لہو ولعب' زینت وزیبائش' باہمی تفاخر اور طلبِ مال واولاد پر حیات دنیا کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان اشیاء کے دینے اور لینے پر عطا کرنے اور تباہ کرنے پر خدا پوری طرح قادر ہے۔ اور قرآنی فیصلہ ہے ''**وما الحیواۃ الدنیا الا متاع الغرور**'' یعنی حیات دنیا سراسر دھوکے کی ٹٹی ہے۔

اسی طرح ''متاعِ حیاتِ دنیا'' کا مسئلہ ہے۔ متاع کے لغوی معنی ہیں ''ہر وہ فانی چیز جس سے کچھ فائدہ اٹھایا جائے پھر وہ فنا کے نذر ہوجائے''

متاعِ حیاتِ دنیا کی تعریف قرآن سے سنئے۔ **زین للناس حب الشھوات من النساء والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث ذلک متاع الحیواۃ الدنیا** (آل عمران) یعنی لوگوں کے لئے عورتوں' بچوں' سونے چاندی کے ڈھیروں' عمدہ گھوڑوں' مویشیوں اور کھیتی کی محبت مزین کردی گئی ہے۔ (دراصل) یہ حیاتِ دنیوی کے (عارضی) فائدے ہیں۔

اصطلاحِ مہدویہ میں دنیا کے معنی غیر اللہ یا ماسوی اللہ ہیں۔ امامنا مہدی موعودؑ خلیفۃ اللہ ہیں تابع رسول اللہ ہیں۔ رسول اللہ کا فرمان ہے۔ **حب الدنیا راء س کل خطیۃ وترک الدنیا راس کل عبادۃ** ۔یعنی دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔ اور دنیا کی محبت کا ترک کرنا ہر عبادت کی جڑ ہے۔ معلوم ہوا کہ ترک دنیا کا حکم قرآن اور سنت دونوں سے ثابت ہے۔

امامنا مہدی موعودؑ نے جس ترک دنیا کا حکم دیا ہے اس میں تزویج کی ممانعت نہیں ہے۔ تجرید اور ترہیب کا حکم نہیں ہے۔ بلکہ غیر اللہ کی محبت سے بچنے کا حکم ہے۔ اپنے قلب وذہن کو دنیا کی محبت سے دھودینے کا حکم ہے۔ جب تک دنیا کی محبت دل سے نہ دھل جائے خدا کی محبت جگہ نہ پاسکے گی۔ اگر خدا سے محبت ہی نہ ہو تو اس کے حصول یا دیدار کی تمنا کیسے پیدا ہوسکتی ہے۔

حضرت علیؑ دنیا کو خطاب کر کے کہتے تھے ''تو میرے دل کو لبھانا چاہتی ہے۔ تیری ہوس آلود نگاہیں مجھے دیکھ رہی ہیں مگر میں تیری پہنچ سے بہت دور ہوں۔ اپنا جال تو اوروں کے لئے بچھا۔ ایک بار نہیں تجھے تین بار طلاق دے چکا ہوں۔ تیری عمر چند روزہ' تیری

محفلیں وآرائش فرسودہ اور تیری مصیبتیں بے وزن ہیں، مگر افسوس کہ سفر طویل، راستہ کٹھن اور سنگلاخ ہے اور ہم زادِ راہ سے بالکل خالی ہیں۔ (حیاۃ الصحابہ)

دیکھا آپ نے حضرت علیؓ نے کس طرح دنیا کو ٹھکرا دیا اور آئندہ نسلوں کے لئے ایک نمونہ چھوڑ دیا۔ جیسا کہ رسول خداؐ نے فرمایا'' **الدنیا ملعون و ملعونۃمافیھا الا ما کان للہ** ۔یعنی دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب ملعون ہے۔ مگر یہ کہ وہ سب خدا کے لئے ہے۔ تابعِ قرآن وسنت امامنا مہدی موعودؑ نے بھی یہی فرمایا کہ'' طلب دنیا کفر اور طالبِ دنیا کافر ہے'' آپ نے عمل صالح کی تعلیم دی اور فرمایا'' **تصدیق بندہ عمل است** ''

عہد نبویؐ اور گروہ مہدیؑ میں دو قسم کے لوگ ہوئے اور ہوتے ہیں۔ ایک تارک الدنیا اور دوسرے کاسب۔ تارک الدنیا کا مقام ومرتبہ تو اعلیٰ ہے۔ لیکن کاسب بھی دائرہ اسلام سے خارج نہیں۔ کاسب اگر مومن ہوتا ہے تو تارک الدنیا مومن کامل ہوتا ہے۔ کاسب کے لئے حدودِ شریعت میں رہ کر کسب کرنے کی اجازت ہے تا کہ وہ دنیا کے دامِ فریب سے بچ سکے۔ حضرت مہدیؑ نے جو حدود کسب بیان فرمائے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) پہلی حد یہ کہ خدا پر بھروسہ کرے کسب پر نظر نہ کرے۔

(۲) دوسری حد یہ کہ پانچ وقت نماز با جماعت ادا کرے۔

(۳) تیسری حد یہ کہ ہمیشہ ذکر خدا کرے۔

(۴) چوتھی حد یہ کہ حرص نہ کرے تھوڑی غذا اور ستر عورت پر اکتفا کرے یعنی اتنی غذا جس سے زندگی برقرار رہ سکے اور اتنا کپڑا جس سے تن ڈھانک سکے۔

(۵) پانچویں حد یہ کہ پورا عشر خدائے تعالیٰ کی راہ میں دے۔

(۶) چھٹی حد یہ کہ طالبانِ خدا کی صحبت میں رہے۔

(۷) ساتویں حد یہ کہ ہمیشہ اپنی ذات پر ملامت کرے کیونکہ ہمیشہ خود کو بُرا کہنے والا نفس ہی غرور کی آگ سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

(۸) آٹھویں حد یہ کہ نماز فجر تا طلوع آفتاب اور عصر تا عشاء ذکر اللہ میں مصروف رہے۔

(۹) نویں حد یہ کہ اذان کے بعد کام نہ کرے۔ اگر کام کرے تو کسب حرام ہے۔

(۱۰) دسویں حد یہ کہ زبان سے جھوٹ نہ کہے جو کچھ قرآن میں آیا ہے اس پر عمل کرے۔ ممنوعات سے پرہیز کرے۔

دیکھا آپ نے امامناؑ نے کاسب کے لئے بھی ایسے حدود متعین فرمائے کہ اس پر عمل کرتے ہوئے کاسب بھی عشق کی لذت سے بہرہ ور ہو سکتا ہے۔

اگراعلان ترک دنیا کے بعد بھی مومن نفس کا تابع رہے، زینت وزیبائش کی خواہش رکھے، آرام وآسائش کی تمنا رکھے، عزت وشہرت کا بھوکا رہے، تعریف وتوصیف کا پیاسا رہے، انانیت کو باقی رکھے، یعنی یہ سمجھتا رہا کہ میں بھی کچھ وزن رکھتا ہوں، اہمیت رکھتا ہوں، دنیا اور حیات دنیا کی طلب رکھے، اپنے قلب وذہن کو خدا و محمدؐ کی محبت سے خالی رکھے اور اپنی ذات سے محبت رکھے۔ دنیاداروں کے در پر جبہ سائی کرے تو یاد رکھئے، یہ مومن کامل کی صفات نہیں، عاشق الٰہی کی صفات نہیں، فرامین امامناؑ کی روشنی میں اس کا اعلانِ ترک دنیا حقیقی نہیں بلکہ رسمی ہوگا۔

تارک الدنیا خود کو فقیر کہتا ہے، فقیر مُرکّب ہے۔ف۔ق۔ی۔ر کا یعنی ''ف'' سے فاقہ۔''ق'' سے قناعت۔''ی'' سے یادِ الٰہی۔اور ''ر'' سے ریاضت۔

خواجہ نصیرالدین چراغ دہلویؒ نے فرمایا کہ فقیر وہ ہوتا ہے جو دنیا کے زنگ کو دل کے آئینہ پر سے محبت کی صیقل سے پاک صاف کردے اور حق سبحانہ تعالیٰ کے ذکر میں دل لگائے اور غیر کی ہستی کو درمیان سے اٹھادے اور حق تعالیٰ کے ساتھ یگانہ ہوجائے۔ اور اگر ایسا نہ ہوگا تو حاشا وکلاّ حق تعالیٰ تک نہ پہنچ سکے گا۔

معلوم ہوا کہ ترک دنیا بے عملی کا نام نہیں بلکہ عمل صالح کا نام ہے اور فرمانِ مہدی بھی یہی ہے۔''تصدیق بندہ عمل است بے عمل مردود''

جب انسان دنیا کو چھوڑ کر راہ حق پر آجاتا ہے تو اسے رہبر کی تلاش ہوتی ہے۔ یہ رہبر صادقین ہوتے ہیں۔ چنانچہ مصدقِ مہدیؑ صادقین کی صحبت اختیار کرتا ہے۔ یہ بھی ایک اہم ترین فرض ولایت ہے۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (سورہ التوبہ آیت ۱۱۹) اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور صادقین کی صحبت میں رہو۔ امامنا مہدی موعودؑ نے اس آیت کی روشنی میں مومنین پر صحبت صادقاں کو فرض قرار دیا۔

یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ روزِ اول سے آج تک دنیا صادقین کی صحبت سے فیض یاب ہوتی رہی ہے۔آدمؑ سے لے کر محمدؐ تک انبیاء پیامبرِ ہدایت اور باعث نجات بنتے رہے۔محمدؐ سے لے کر مہدیؑ تک اولیاء طالبانِ خدا کی رہنمائی کرتے رہے۔ مہدیؑ سے لے کر آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔اور تاابد جاری رہے گا۔کیونکہ قرآن نے **کونوا مع الصادقین** کا جو حکم دیا ہے وہ کسی زمان ومکان کے ساتھ مخصوص نہیں۔

تاریخ کی ورق گردانی کیجئے تو معلوم ہوگا کہ نوحؑ پیغمبر خدا تھے لیکن ان کے منکروں کی تعداد مصدقوں سے زیادہ تھی۔ درحقیقت حق پرستوں کی تعداد ہمیشہ قلیل ہی ہوتی ہے۔جن لوگوں نے نوح کی صحبت اختیار کی، کشتیٔ نوح کے مسافر بنے، وہی عذاب الٰہی سے نجات بھی پاسکے۔اپنا مال ومتاع لٹا کر رضائے الٰہی کی خاطر محمد مصطفیٰ ﷺ کی صحبت جنہوں نے اختیار کی انہیں دو جہاں کی

رحمت نصیب ہوئی۔ جنت ان کا مسکن بنی۔ظلِّ الٰہی کے سایۂ عاطفت میں جگہ پائی۔اور رضائے الٰہی کی نعمت انہیں نصیب ہوئی۔ نبی کریمؐ کے وصال کے بعد دورِ خلافت میں انہی صحابہؓ نے دنیا کے کونے کونے میں اسلام کو پھیلایا۔ایک ایسے دور میں جبکہ دشمنانِ اسلام کے جیش پُرغیض تاک میں ہوں، پیام امن پھیلانے کی یہ جراءت وہمت صحابہؓ کو کیسے نصیب ہوئی۔ یہ صرف اتباع وصحبت نبی کی تاثیر تھی۔انگریزی کا مقولہ ہے۔First obey then cammand یعنی پہلے اطاعت کیجئے بعد میں حکم چلایئے۔

مختصر یہ کہ مہدیؑ کی اتباع واطاعت کی بھی یہی تاثیر ہے کہ مصدق باعمل دنیا واہل دنیا سے کبھی خوف نہیں کھاتا۔شان بے نیازی اس میں پیدا ہوجاتی ہے بیعت کے بعد وہ عملی طور پر خود کو شیخ یعنی اپنے پیر کے حوالے کردیتا ہے۔ریاضت میں مشغول ہوجاتا ہے۔اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ کاہل نہیں بلکہ کامل بنتا ہے۔کیونکہ مہدویت عمل صالح کا نام ہے وہ دنیاداروں کے در پر جبہ سائی نہیں کرتا بلکہ دنیا اس کے قدموں کا بوسہ لینے کے لئے تڑپتی ہے۔

آیئے صادق کے معنی ومطلب پر بھی کچھ غور کریں۔صادق کی تعریف یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور خلیفۃ اللہ مہدی مراد اللہ کی اتباع کرے اور یہ اتباع اس کے قول وفعل سے ظاہر ہو۔مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ صادقین وہ لوگ ہیں جو اپنے نیتوں، اقوال اور عزائم میں صادق ہیں۔بالفاظ دیگر صادقین وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں سچے اور اپنے ارادہ میں مضبوط ہیں۔

مختصر یہ کہ صادق سے مراد مومن کامل ہیں۔جو بات کا سچا، وعدہ کا پکّا اور صابر وقانع ہو، ذاکر وصالح ہو اور فنافی اللہ باقی باللہ ہو، دیدارِ خدا سے مشرف ہوا ہو یا کم از کم دیدار کی طلب صادق رکھتا ہو۔اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان **کونوا مع الصادقین** کے ذریعہ ایسے ہی مومن کامل کی صحبت میں رہنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریمؐ سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہ ہمارے کونسے ہمنشین بہتر ہیں۔آپؐ نے ارشاد فرمایا ''جن کا دیکھنا تم کو خدا کی یاد دلائے اور جن کی گفتگو تمہارے علم کو زیادہ کرے اور جن کے اعمال تم کو آخرت کی یاد دلائیں۔

حضرت امام مہدی موعودؑ نے فرمایا۔''مرد باش یا پئے مرد باش'' فرمان ہذا کا مفہوم یہ ہے کہ صادق بنو یا صادقین کے ساتھ رہو۔امام کی ذات اور تعلیمات کی تاثیر یہی تھی اور ہے کہ نامرد، مرد۔ضعیف، قوی، اور بخیل، سخی بن جاتا ہے۔

اصطلاح مہدویہ میں صادق، مرشد کامل کو کہتے ہیں۔رشد کے معنی ہیں ہدایت۔مرشد کہتے ہیں ہدایت یافتہ کو اور راہ راست پر چلنے والے کو، غرض مرشد ایک جامع لفظ ہے۔مرشد کے بغیر انسان کی معراج نہیں ہوسکتی۔جس طرح سیڑھی منزل اعلیٰ تک پہنچنے کا سیدھا اور محفوظ راستہ ہے اسی طرح مرشد کامل بھی مقصدِ اعلیٰ یعنی خدا تک پہنچنے کا آسان اور محفوظ راستہ ہے۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ کے ساتھ رہو اگر اتنی طاقت نہ ہو تو پھر اس کے ساتھ رہو جو اللہ کے ساتھ ہے۔

مومن کی روحانی ترقی کے تین درجات ہیں فنافی الشیخ، فنافی الرسول، فنافی اللہ، فنافی الشیخ پہلا درجہ ہے جس کے بغیر دوسرے

اور تیسرے درجے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ حضور پرنور ﷺ کا فرمان ہے کہ ''جس کا کوئی شیخ نہیں اس کو دین نہیں''

معلوم ہوا کہ ایک مومن کے لئے کمال ایمان اور حصولِ دیدار کی خاطر صادق یعنی مرشد کامل کی صحبت میں رہنا فرض ہے۔ تو آیئے دیکھیں کہ مرشد کی پہچان کیا ہے۔ حضرت بندگی میاں سید خوندمیر صدیق ولایت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''صادق وہ ہے جس کا قول وفعل وحال ایک ہو یعنی جو کہتا ہو وہ کرتا ہو اور جو کرتا ہو ویسی ہی اس کی باطنی حالت ہو''

حضرت بندگی میاں سید شریفؒ (مدفون حظیرۂ لال گڑھی) نے ہماری رہنمائی کے لئے صادق کی ایک جامع تعریف پیش فرمائی ہے۔ اپنے ملفوظ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''پیر دو قسم کے ہیں ایک پیر کامل دوسرا پیر ناقص۔ پیر کامل وہ ہے جو **من عرف نفسہ فقد عرف ربہ** کی حقیقت سے واقف ہے۔ اور فیض نبوت وولایت سے فیضیاب ہے اور اپنے پیر کی وساطت سے خدا کو علم الیقین یا عین الیقین سے دیکھا ہوا ہے۔ ایسے ہی شیخ کی صحبت ہدایت تک پہنچاتی ہے اس کا ہاتھ پیغمبر کے ہاتھ میں ہے۔

پیر ناقص وہ ہے جو خدائے تعالیٰ کی معرفت سے بے خبر اور بہرۂ نبوت وولایت سے محروم ہے۔ اور خود سے کوئی آگاہی نہیں رکھتا بلکہ اپنے باپ دادا کے نام پر ناز کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں فلاں کا پوتا اور فلاں بزرگ کا بیٹا ہوں۔ مخلوق کو اپنے اس طنطنہ کی وجہ سے راہ حق سے پھیرتا ہے اور اپنے نفس شوم کو اس فن وفریب سے پالتا ہے اس کا ہاتھ شیطان کے ہاتھ میں ہے۔ ایسے شخص کی صحبت گمراہی کی جانب لے جاتی ہے۔

اس طرح طالب کی بھی آپ نے دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک طالب صادق اور دوسرا طالب کاذب۔ طالب صادق وہ ہے اس کی طلب کامل اور اس کی تشنگی صالح ہو۔ اور یہ تشنگی اس حد تک پہنچے کہ اگر پانی نہ ملے تو ہلاکت کا خوف ہو۔ اور اس کی طلب کامل، چشم قابل اور اس کا دل مائل ہو۔ طلب کامل یہ کہ جہاں سنے کہ پیر کامل ہے کوشش کر کے اس کے پاس پہنچے اس کی قدمبوسی حاصل کرے اور اس کے کلام سے بہرہ مند ہو۔ چشم قابل یہ کہ پیر کامل کو دیکھے اس کی صفت سے مطلع ہو کر دیدۂ تحقیق سے اس کا معائنہ کرے اس کے پاس صدق وادب کے ساتھ بیٹھے۔ اس کی حکم عدولی نہ کرے۔ اور دل مائل یہ کہ پیر کے جمال پر فریفتہ رہے اور پروانہ کی مانند اس پر جان چھڑکے کہ یہی فریفتگی مرید کے لئے اس کی امیدوں کا دروازہ کھول دے گی۔

طالب کاذب وہ ہے کہ اس کی تشنگی ایسی ہو کہ اگر پانی مل جائے تو پی لے ورنہ کوئی خوفِ ہلاکت نہیں اور پیر کے کلام اور افعال میں بعض پر تو یقین رکھے اور بعض کا انکار کرے اور اس کے جمال پر فریفتہ نہ ہو۔

آج کے اس مادی دور میں بھی صادقین کی کمی نہیں کیونکہ مہدیؑ نے فرمایا کہ مہدی اور مہدویاں تا قیامت رہیں گے۔ لیکن آپؑ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تم جب تک مشغول الی اللہ رہو گے ذکر خدا میں مشغول رہو گے بندہ تمہارے ساتھ رہے گا۔ اگر ہم سجدوں کو صرف دنیاداری کا مرکز بنائیں ذکر وفکر سے باز رہیں تو فیض مہدی کی توقع بھی نہیں رکھنا چاہئے۔

صحبت صادقین کی تاثیر کا ایک واقعہ پیش کرتا ہوں۔

حضرت بندگی میاں شاہ نعمتؓ کو دکن کے راستے میں کچھ بے روزگار سپاہی ملے جو برہانپور جارہے تھے آپ نے ان سے دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ نوکری کی تلاش میں جارہے ہیں۔آپؓ نے فرمایا کہ تم ہمارے پاس نوکر ہوجاؤ۔انہوں نے کہا کہ آپ تو فقیر ہیں ہم کو تنخواہ کہیں سے دیں گے۔آپؓ نے فرمایا کہ تم کو اس سے کیا غرض تم لوگ ہر شب تنخواہ لے لیا کرو وہ لوگ راضی ہوگئے اور پوچھا کہ کیا خدمت ہے۔آپ نے فرمایا کام صرف یہی ہے کہ ہمارے ساتھ رہو۔چنانچہ وہ ساتھ ہوگئے۔جب نماز کا وقت آیا تو اہل دائرہ کے ساتھ نماز پڑھے پھر بیان قرآن سماعت فرمایا۔شام میں تنخواہ لے لی۔دوسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔لیکن تیسرے دن تمام سپاہی تصدیق مہدیؑ سے مشرف ہوگئے۔ترک دنیا کر کے تلقین پائی اور طالبانِ خدا میں شامل ہوگئے۔بالآخر حضرت کے ساتھ جام شہادت نوش فرمایا اور گنج شہیداں میں دفن ہیں۔

یہ صحبت صادقین کی تاثیر کا ایک واقعہ ہے ایسے بے شمار واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے۔اس مختصر مقالہ میں تفصیلی تذکرہ ناممکن ہے۔

ایک مومن جب ترک دنیا کر کے صادقین کی صحبت میں آجاتا ہے تو اس کے ذمہ ایک بڑا فرض رہتا ہے وہ ذکر خدا ہے۔ذکر خدا تمام لسانی، نفسانی اور شہوانی امراض کا بہترین علاج ہے۔

ایک عاشق کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ہر وقت معشوق کا تصور قلب و ذہن پر چھایا ہوا رہتا ہے۔اور ہمیشہ اور ہر حالت میں اس کا ذکر وردِ بیان ہوتا ہے۔مہدویت بھی مذہب عشق ہی ہے۔مہدویت کی بنیاد قرآن پر ہے۔اور قرآن کو مہدیؑ نے عشق نامہ فرمایا ہے۔قرآن کا ایک ایک لفظ پیام عشق ہے۔کہیں تو معشوق کی تعریف و توصیف کی جارہی ہے، کہیں اس کی صفات و خصوصیات بتلائی جارہی ہے تو کہیں گزشتہ عاشقوں کے احوال درج ہیں۔کہیں شرائط عشق پیش کئے گئے ہیں تو کہیں احکام درج ہیں۔عاشق اگر سچا ہے تو اس کو ان احکام کی پابندی کرنی ہوگی اور ان شرائط کی تکمیل کرنی ہوگی۔ان سب مراحل سے گزرنے کے بعد ہی معشوق کا دیدار نصیب ہوگا۔یہ وہ معشوق ہے جس کے دیدار کی تمنا حضرت موسیٰؑ نے کی تھی۔حضرت خاتم الانبیاء نے دیدار کیا تھا لیکن کسی نے یہ راستہ عوام کو نہیں بتلایا تھا۔یہ ذمہ داری تو امام آخرالزماں کے سپرد تھی کہ دیدار کی دعوت عام دیں اور ساتھ ہی شرائط دیدار بھی بتلا دیں۔

یہ معشوق کوئی مجسم نہیں بلکہ رب العزت ہی ہے جس کے حسن و جمال کی جھلک کائنات کے ذرہ ذرہ میں نمایاں ہے۔لیکن دیکھنے کے لئے اپنی آنکھوں سے پردۂ حجاب ہٹانا پڑے گا۔بصارت اور بصیرت دونوں کا استعمال کرنا پڑے گا۔قلب کو نور ایمانی سے منور کرنا پڑے گا۔ذہن کو ارشاد ربانی سے روشناس کرانا پڑے گا جب کہیں دیدار کی طاقت پیدا ہوگی۔تجلی رحمانی کا مشاہدہ کرسکیں گے۔

معشوق حقیقی خالق دوجہاں مالک کائنات نے اپنے عاشقوں سے فرمایا **فاذکرو اللہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبکم** یعنی اٹھے بیٹھے اور لیٹے ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرو۔ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔**یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا**

وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلاً ۔(سورہ احزاب آیت ۴۲)یعنی ایمان والوتم اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا کرواور صبح وشام اس کی تسبیح کرتے رہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فریا کہ ہر چیز کے لئے صفائی ہےاور دلوں کی صفائی یادِ خدا ہے۔امامنا مہدی آخرالزماں نے فرمایا کہ''**هر جا كه باشيد باياد خدا باشيد** ''یعنی جہاں کہیں رہو یادِ خدا میں مشغول رہو' دل ذکر اللہ کا آلہ ہے۔ جب تک کہ ذکر خدا دل میں جگہ نہ بنالے ذاکر غفلت سے نجات نہیں پا سکتا۔اور غفلت مومن کی صفت نہیں ہوسکتی۔مختصر یہ کہ ذکر الٰہی سے مومن کا قلب پاک وصاف ہوجاتا ہے۔ ہر قسم کے دنیاوی خطرات رفع ہوجاتے ہیں۔ جب قلب سے دنیا کی محبت دور ہوجاتی ہےتو پھر حُبِّ دنیا کا خطرہ باقی نہیں رہتا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (سورہ الزمر آیت ۲۲)(بھلا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا وہ اپنے پروردگار کی طرف سے نور پر ہے۔ اللہ کے ذکر کو چھوڑ کر جن کے دل سخت ہوگئے ہیں ان کے لئے ہلاکت ہے) قلب رئیس الاعضاء ہے اگر وہی آلودہ ہوتو سارے جسم کا کیا حال ہوگا۔ چنانچہ ذکر خدا کی شدت سے اس میں گرمی اور نرمی پیدا ہوتی ہے آلودگی دور ہوتی ہےاور پاک وصاف ہوجاتا ہے۔

حضرت مہدیؑ نے ذکر کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں۔یعنی گفتنی' دانستنی' چشیدنی اور شدنی۔ان میں پہلی صفت یعنی صرف گفتنی کو منافقوں کی صفت فرمایا ہے۔اور باقی تین اقسام کو اولیاء کی صفت بتلایا ہے۔امامنا کے مطابق لا الٰـه الا اللّٰـه کی صفت ایسی ہے کہ غیر اللہ کی ساری محبتوں کو جلادیتی ہے۔

آج اگر ہم دنیا کے جھگڑوں میں پھنسے ہوئے ہیں' دولت کے چکر میں ہیں' ذہن سازشوں کی آماجگاہ ہے۔ دنیاوی عزت وشہرت میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کے لئے جدوجہد کررہے ہیں۔دنیاداروں کے ظاہری طمطراق کو دیکھ کر آہ بھر رہے ہیں کہ کاش میری بھی ایسی ہی شان ہوتی تو جان لیجئے کہ یہ سب کچھ خدا کے ذکر سے غفلت کا نتیجہ ہے۔غفلت مومن کی صفت نہیں۔ذکر خدا کو چھوڑ کر باقی سب دنیا کی فکر ہے۔اسی لئے آج ہم اپنے منصب سے دور' مسلک سے دور اور مقصد سے دور صحرائے دنیا میں بھٹک رہے ہیں۔جب کہ مہدیؑ نے تو ذکر خدا کا حکم صاف الفاظ میں سنادیا اور یہ بھی فرمایا۔''تصدیق بندہ عمل است بے عمل مردود'' تصدیق کے ساتھ تعمیل بھی ضروری ہے۔

ایک مومن جب ترک دنیا کرے صادقین کی صحبت اختیار کرلیتا ہے تو سب سے پہلے اسے ذکر دوام کی تلقین کی جاتی ہے۔ ترک دنیا سے مراد صرف رسمی ترک دنیا نہیں بلکہ ترک خودی' ترک لہوولعب' ترک زینت' ترک غرور' ترک تکاثر' ترک تدبیر' ترک عزت ولذت بھی' ترک دنیا کے لوازمات ہیں۔گویا ترک دنیا کے بعد مومن خود کو اللہ کے حوالہ کردیتا ہے۔اور ذکر وفکر میں مشغول ہوجاتا ہے۔

اورعزلت نشینی اختیار کر لیتا ہے۔عزلت کے لغوی معنی ہیں جدائی یا گوشہ نشینی' عزلت ازخلق کے یہ معنی ہیں کہ ترک دنیا کر کے صادقین کی صحبت میں آجائے تا کہ مخلوق مشغول الی اللہ ہونے میں رکاوٹ نہ بن سکے۔عزلت کا مطلب تنہا مجرّد زندگی گزارنا نہیں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ وتبتل الیہ تبتیلا یعنی دنیا سے بے تعلق ہوکر خدا کی طرف پوری طرح متوجہ ہوجا۔

مخلوق سے قطع تعلق کے بعد ہی سالک معرفت دل جمعی سے ذکر وفکر کرسکتا ہے۔سکونِ قلب پاسکتا ہے۔ذکر دوام مصقلۃ القلب ہے جس سے حُبِّ دنیا کا زنگ دل سے چھوٹ جاتا ہے۔مذکور کا تصور جگہ پاتا ہے۔پھر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ ذاکر کی ذات فنا ہوجاتی ہے اور صرف مذکور باقی رہ جاتا ہے۔یہ فنافی اللہ کی منزل ہے۔محمد عربیؐ کی حیات طیبہ پر نظر ڈالئے تو عطائے نبوت سے پہلے عزلت ازخلق کا واقعہ ملے گا۔

خدا کے کام دیکھو کیا بعد ہے کیا پہلے
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غار حرا پہلے

حضورؐ کو غار حرا کی تنہائی میں جو لذت وآرام ملتا تھا وہ معاشرہ کی تمام نعمتوں سے زیادہ محبوب تھا۔

عزلت کے بغیر ذکر کا دل میں جگہ پانا دنیا کی محبت کا دھلنا ناممکن ہے۔اور حب دنیا کی محبت مٹی نہیں تو ترک دنیا بے سود ہوئی۔مخلوق سے اور ان اسباب سے جو اشغال مع اللہ میں مانع ہوں دوری اختیار کرنا عزلت ظاہری ہے اور اپنے باطن کو ہر وقت خدائے تعالیٰ کی طرف مائل رکھنا عزلت باطنی ہے۔

ترک دنیا کے بعد عزلت نشینی اختیار کرنے والے کو رزق پہنچانے کی ذمہ داری خدائے تعالیٰ پر عائد ہوجاتی ہے۔اللہ تعالیٰ رزاق ہے اپنے فرمانبردار اور نافرمانبردار ہر دو قسم کے بندوں کو رزق پہنچاتا ہے۔رزق مقسوم ہے جب رزق مقسوم ہے تو اس کے لئے فرائض سے منہ پھیر کر صرف تدبیرِ کسب میں مشغول ہوجانا غفلت ہے۔

تارک الدنیا کے علاوہ کاسب کے لئے بھی توکل کی شرط لگائی گئی ہے کہ زیادہ حرص نہ کرے جو کچھ اللہ دے اس پر قناعت کرے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فتوکل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین یعنی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ متوکلوں سے محبت کرتا ہے۔معلوم ہوا کہ ہر ایک کے لئے توکل ضروری ہے۔

امام مہدی موعودؑ نے فرمایا کہ خدا سے سوائے خدا کے کوئی چیز طلب نہ کرو اور اگر طلب کرنا ہے تو خدا ہی سے طلب کرو اگر نمک چاہتا ہے تو خدا سے چاہ اگر پانی چاہتا ہے تو خدا سے چاہ اور اگر لکڑی چاہتا ہے تو بھی خدا سے چاہ اور جو کچھ چاہتا ہے خدا سے چاہ۔لوگوں سے سوال مت کر۔اگر سوال کرنا ہے تو خدائے تعالیٰ سے کر اتنی رخصت ہے لیکن عالیت یہ ہے کہ اگر تجھ کو آٹھ جنت بھی دیدیں تو راضی مت ہو ان سے آگے بڑھ جا۔(انصاف نامہ صفحہ ۱۵۴)

ایک روز کسی نے امامؑ سے سوال کیا کہ خدا اور بندہ کے درمیان کیا چیز پردہ ہے۔اس وقت امامؑ روٹی تناول فرما رہے تھے۔ روٹی اٹھا کر فرمایا کہ یہ روٹی خدا اور بندوں کے درمیان پردہ ہے۔ نیز ایک اور موقع پر آپؑ نے فرمایا کہ خدا سے سوائے خدا کی ذات کے کچھ نہ مانگو۔توکل کا مطلب صرف رزق کے معاملہ میں اللہ پر بھروسہ کرنا نہیں بلکہ ہر معاملہ میں خدا پر بھروسہ کرنا ہے۔حضرت سیدنا ابراہیمؑ جیسے اولوالعزم پیغمبر نے توکل کی بہترین مثال پیش فرمائی ہے۔ جب آپ کو آگ میں ڈھکیلا جا رہا تھا تو جبرئیلؑ نے بار بار اپنی مدد کا پیش کش کیا۔لیکن حضرت ابراہیمؑ نے قبول نہیں کیا بلکہ اللہ پر بھروسہ کیا اور اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندے کو بچانے کی خاطر نار کو گلزار بنا دیا۔امامنا مہدیؑ نے بھی ایسے ہی توکل تام کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

مہدویت مذہب عشق ہے اور ان عاشقان پاک کا طرز عمل ملاحظہ فرمائیے کہ حج کو جا رہے ہیں تو برتن خالی کر کے اوندھے رکھ دیئے گئے۔دائروں کا نظامِ زندگی توکل کی بہترین مثال تھا۔

حضور نبی کریمؐ کا توکل دیکھئے کہ غزوۂ بدر میں صرف ۳۱۳ مسلمانوں کے ساتھ ہزاروں دشمنانِ اسلام کو شکست دی۔حاکمِ وقت کے اصرار پر امامؑ نے بردارانِ دائرہ کو ہتھیار حوالہ کر دینے کا حکم دیا کیونکہ اللہ والوں کا محافظ ونگہبان اللہ ہی ہوتا ہے۔نیزہ وتلوار نہیں۔امامنا کا توکل دیکھئے کہ میر ذوالنون نے آپ پر تلوار سونت لی تو آپ بالکل خاموش رہے اور آزمانے کی کھلی اجازت دیدی۔

نبی کریمؐ ایک درخت کے نیچے سو رہے تھے آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ایک شخص تلوار لئے کھڑا ہے اور پوچھتا ہے بتاؤ اب تمہیں کون بچائے گا۔آپؐ نے فرمایا ''اللہ''

گلزار ابراہیمؑ، ذبح اسمٰعیلؑ صبر ایوبؑ وغیرہ توکل کی عملی تفسیر ہیں۔مہدیؑ نے بھی ایسے ہی توکل کی تعلیم دی ہے صرف تعلیم ہی نہیں تربیت بھی دی ہے۔اور فرمایا ''تصدیق بندہ عمل است''

اگر آج ہم اضافہ وحصول دولت کے وظائف پوچھتے ہیں تو خوب سمجھ لیجئے کہ ہم متوکل نہیں ہیں۔خدا پر ہمیں بھروسہ نہیں ہے۔فرائض ولایت میں تو لا الہ الا اللہ کے ذکر کی اجازت ہے۔

حلال وحرام میں تمیز کئے بغیر کھانا پینا، روپیہ پیسہ کی خاطر دنیا داروں کے در پر جبہ سائی کرنا، مرغن ولذیذ غذاؤں کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دینا ایک متوکل مہدوی کی شان نہیں۔اس کی نظر میں تو دنیا کی ساری نعمتیں کچھ اہمیت نہیں رکھتیں۔دائرہ میں اگر فتوح زیادہ آجاتی تو فرماتے کہ یہاں دنیا کی بو آرہی ہے۔ہمیں اپنے اعمال کا جائزہ لینے کی سخت ضرورت ہے۔اغیار دنیا کے قدموں پر لوٹتے ہیں تو مہدوی دنیا کو قدموں تلے روندتے ہوئے آگے بڑھتا ہے۔

اگر فرائض کی تکمیل میں رکاوٹ ہو تو ہجرت بھی کرتا ہے۔دین کی پابندی کی خاطر تبلیغ واشاعت مذہب کی خاطر خلق کی رہنمائی کی خاطر، وطن سے ہجرت کرنا بھی فرض ہے۔یہ ہجرت ظاہری ہے اور بشریت کو فنا کر دینا اور حواس ظاہری کو اپنے خیال سے

ہٹا دینا اور مشغول الی اللہ رکھنا ہجرت باطنی ہے۔

جب مومن امامؑ کے پیام پر لبیک کہہ کر ترک دنیا کرتا ہے' صادقین کی صحبت اختیار کر لیتا ہے' توکل اپنا لیتا ہے' ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاتا ہے' گوشہ نشینی اختیار کر لیتا ہے تو اس کے تصور میں معشوق حقیقی باقی رہ جاتا ہے اور صرف ایک تمنا ہوتی ہے کہ کسی طرح بھی اس کا دیدار ہو جائے۔

یہ جنت یہ دوزخ تمام کائنات ہمارے ہی طرح کی مخلوق ہے۔ جب دنیا و اشیائے دنیا میں اتنا حسن ہے اتنی کشش ہے تو خالقِ دنیا کا حسن و جمال کیسا ہوگا۔ بس اسی کے دیدار کی تمنا میں عاشق بیٹھا اس کا ذکر کرتے رہتا ہے۔ ہر چیز میں اُسے خدا کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً ایک خوبصورت پھول کو دیکھتا ہے تو اس کا ذہن فوراً اس کے خالق کی طرف دوڑتا ہے کہ وہ کیسا خوبصورت ہوگا۔

لکل شئی لہ آیۃ

تدل علی انہ واحد

یعنی ہر چیز اس کی ایک نشانی ہے جو اس کی وحدانیت کی دلیل ہے۔

یہی دیدار الٰہی مومن کی معراج ہے۔ امام آخر الزماں انسان کو اس دیدار کی لذت سے روشناس کرانے کے لئے مبعوث کئے گئے تھے۔ اب اپنا اپنا ظرف ہے کہ صرف تصدیق پر اکتفا کریں یا تعمیل کے لئے بھی کمر بستہ ہو جائیں۔ لیکن مہدیؑ نے تو بغیر تعمیل کے تصدیق کو مردود قرار دیا ہے۔

حضرت بندگی ملک برخوردارؓ نے امامؑ کی جوتیاں حاصل کر کے ٹوپی بنانا چاہا تو امامؑ نے فرمایا کہ تم اتنے دن ہماری صحبت میں رہے اور یہی سیکھا کہ مہدیؑ گائے اور بکری کے چمڑے سے بخشواتا ہے۔ افسوس!

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ **قل اطیعوا اللہ و الرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکفرین**'' کہدو کہ اللہ و رسول کی اطاعت کرو اگر نہ مانیں تو بیشک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔ معلوم ہوا کہ اطاعت کے بغیر نجات نہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' تم میرے پاس اپنے اعمال لاؤ اپنے انساب مت لاؤ'' امام مہدی موعودؑ نے فرمایا کہ'' **قبول مہدی عمل است و گر نہ قبول بے عمل مردود است**''

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنا اپنا جائزہ لینے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ' رسول اللہؐ اور خلیفۃ اللہ کی اطاعت کی توفیق عطا فرمائے اور تصدیق کے ساتھ تعمیل کی ہمت و توفیق دے۔ **و آخر الدعونا عن الحمد للہ رب العالمین**

(مطبوعہ ماہنامہ'' نور حیات'' جون' ستمبر و اکتوبر ۱۹۷۷ء)

مہدویت ۔ مذہب عشق

حضرت رسول اکرمؐ نے مہدی موعودؑ کے بارے میں ارشاد فرمایا یقفو اثری و لا یخطی یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت سید محمد جونپوری کی ذات اقدس ہی مہدی موعودؑ ہے۔ آپ سے قبل کے اولیاء نے آپ کی نشاندہی کر دی تھی۔ ہمعصر اولیاء وعلماء نے آپ کی تصدیق کی اور آپ کی مہدیت کو تسلیم کر لیا۔ اور بعد کے علماء نے تحقیق کر ڈالی کہ ۱۴/ جمادی المنور ۸۴۷ھ کو جونپور میں پیدا ہونے والے سید محمد ابن سید عبداللہ ہی مہدی موعود ہیں۔ جن کا وعدہ خدا نے کیا تھا۔ اور جن کی نشاندہی رسول خداؐ نے فرمائی تھی۔

آپ کی جو خصوصیات تھیں وہ بھی اظہر من الشمس ہیں۔ تعلیم بلا واسطہ کے ذریعہ قرآن حکیم کا بیان فرماتے تھے صرف اور صرف خدا کے حکم پر ہی کسی ملک سے ہجرت فرماتے تھے۔ آپ کا ہر قول وفعل احکام الٰہی کی متابعت میں تھا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ''مذہب ما کتاب اللہ واتباع محمد رسول اللہ اگر آپ کی حیات پاک اور تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ دعویٰ برحق ہے۔

سوال یہ ہے کہ وہ کونسی خصوصیات ہیں جن کی بناء پر ہم مہدویت کو مذہب عشق سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کا جواب ہمیں تاریخ مہدویہ اور تعلیمات امامنا کے مطالعہ سے مل سکتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ آپ کی تعلیمات قرآن مجید اور شرع شریف کے عین مطابق ہیں۔ قرآن مجید کے بارے میں گروہ مہدویہ کا نعرہ ہے ''القرآن و المهدی امامنا'' اور اسی قرآن کے بارے میں حضرت مہدیؑ نے فرمایا ''قرآن عشق نامہ است'' آپ کی تعلیمات جو اس قرآن کے مطابق ہیں اور جو بقول مہدیؑ عشق نامہ ہے اور آپ ہی فرماتے ہیں کہ ''عشق خدا کی ذات ہے'' آپ کی تعلیمات اس عشق نامہ کے مطابق ہیں اور ہر حکم ولایت میں بوئے عشق آتی ہے قرآن کو عشق نامہ فرما کر آپؑ نے واضح کر دیا کہ احکام قرآنی کا اقتضاء عشق ومحبت ہی ہے۔ آپ کی جو تعلیمات ہیں انہیں احکام ولایت یا مہدویت کہا جاتا ہے۔

چنانچہ عشق نامہ (قرآن) کی روشنی میں آپؑ نے ترک دنیا، صحبت صادقاں، ذکر دوام، طلب دیدار خدا، ہجرت، توکل اور عزلت از خلق کو فرض ٹھیرایا۔ علاوہ ازیں حضرت مہدیؑ اور اصحابؓ مہدیؑ تابعین، تبع تابعین وغیرہ کا جو طریق زندگی تھا وہ صحیح اسلامی تھا۔

احکام ولایت پر غور کر کے دیکھئے تو معلوم ہو جائے گا کہ راہ عشق میں یہ احکام سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بزرگان مہدویہ کی زندگی کا مطالعہ کر لیجئے تو معلوم ہو جائے گا کہ احکام ولایت پر عمل کر کے کیسے انہوں نے عشق کی منزل طئے کی اور فنا فی اللہ باقی باللہ ہوئے۔ احکام ولایت میں سے ہر ایک اپنے اندر عشق الٰہی کی خصوصیت رکھتا ہے۔ ترک دنیا کو لے لیجئے۔ قرآن (عشق نامہ) میں لکھا ہے ''اور جو کوئی دنیا اور زینت دنیا کے خواہشمند ہیں ہم ان کے اعمال دنیا ہی میں پورے کر دیتے ہیں اور اس میں وہ گھاٹے میں

نہیں رہتے اوران کے لئے آخرت میں سوائے آگ (دوزخ) کے کوئی چیز نہیں' دنیا میں رہتے اورآرام وآسائش کی زندگی بسر کرتے ہوئے' دولت واملاک کے مالک ہوتے ہوئے خدا کی طرف رجوع ہونا مشکل ہے۔ چنانچہ حضرت مہدیؑ نے آیات قرآنی میں ''ترک دنیا'' کوفرض قرار دیا۔تاریخ گواہ ہے کہ جس وقت میاں سید سلام اللہؓ (برادر نسبتی حضرت مہدیؑ) کا خط امامناؑ کے اس فرمان کے ساتھ کہ جہاں تم ہو وہاں میں ہوں اور جہاں میں ہوں وہاں تم ہو' پہنچا تو حضرت بندگی میراں سید محمودؓ تڑپ اٹھے فوراً جائیداد فروخت کر کے ملازموں کی تنخواہیں ادا کر دیں' اپنی چہیتی بیوی بی بی کدبانوؓ کو اختیار دے دیا کہ چاہیں تو ساتھ چلیں ورنہ اپنے والدین کے گھر چلے جائیں۔ اپنی تلوار لی اور سوے مہدیؑ چل پڑے یکلخت بیوی کو اختیار دینا' گھر بار ملازمت اور اپنے وطن کو خیر باد کہہ دینا کوئی آسان کام نہیں۔لیکن ان بندوں کے نزدیک جو عاشق الٰہی ہیں یہ دنیا کوئی حیثیت نہیں رکھتی کیونکہ متاع دنیا قلیل ہے' فانی ہے اور اگر لافانی ہے تو صرف خدا کی ذات۔

میاں بھائی مہاجرؓ کی شادی ہو رہی ہے دولہا اور دلہن تخت پر جلوہ افروز ہیں' زن ومرد گھیرے ہوئے ہیں کسی نے کہہ دیا کہ حضرت سید محمد مہدی موعودؑ یہاں آئے ہیں پھر کیا تھا دولہا اٹھ کھڑا ہوا اور دلہن کو اس کا اختیار دے کر امامناؑ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور بعد میں دلہن بھی آ گئی۔کیا کسی دل میں یہ قوت ہے کہ دولہن کو چھوڑ کر خدا کی طلب میں دوڑے؟ لیکن بھائی مہاجرؓ نے بتلا دیا کہ عاشقانِ الٰہی کو اپنے خدا کے علاوہ کوئی چیز عزیز نہیں ہوتی۔

جس وقت امام مہدیؑ ٹھٹھہ میں تھے گجرات سے چند خطوط وصول ہوئے جو شاہ نعمتؓ محمد کبیرؓ اور عبدالمجیدؓ کے بیویوں کے تھے ان میں انہوں نے مطالبہ کیا تھا کہ آ کر ہمیں بھی لے جاؤ ہم بھی امام کے زیر سایہ رہنا چاہتے ہیں۔ہم بھی طالب ہیں یعنی معلوم ہوا کہ مہدویت عشق الٰہی سے سرشار ہے۔ ہر مہدوی خدا کا طالب ہے دنیا کی تواریخ ایسی مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

ایک عاشق کی جو زبردست خواہش ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ ہمیشہ معشوق کا دیدار ہوتا رہے خدا تک رسائی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک حُبِّ دنیا کو ترک نہ کر دیا جائے۔آیات قرآنی کی روشنی میں حضرت امامناؑ نے طلب دیدار خدا کو فرض قرار دیا۔ جب تک دنیا کی محبت دل سے نہ دھل جائے اس وقت تک اللہ کی محبت پیدا نہیں ہوتی ایک نیام میں دو تلوار نہیں رہ سکتیں۔ بقول مہدیؑ عشق خدا کی ذات ہے۔ چنانچہ خدا کی ذات تک پہنچنے کے لئے دنیا سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے نفس سے جہاد کرنا پڑتا ہے۔

علمائے خراساں نے رویت اللہ کا ثبوت مانگا تو آپؑ نے آیت فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (سورہ الکھف آیت ۱۱۰) ترجمہ: جس کو اپنے رب کی دیدار کی تمنا ہو اس کو چاہئے کہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔تلاوت فرمائی۔خواہ چشم سر سے دیکھئے یا خواب میں دیدار ہو بہر حال طلب دیدار خدا کو فرض قرار دیا۔

حضرت میراں علیہ السلام نے سوال فرمایا کہ طالب پر کونسی چیز فرض ہے کہ اس کی وجہ سے خدا کو پہنچ سکے' خود آپؑ ہی نے جواب دیا کہ وہ عشق ہے عشق کیوں کر حاصل ہوسکتا ہے؟ فرمایا کہ دل کی توجہ ہمیشہ خدا تعالیٰ کی طرف قائم رکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔

جب جاہل عربوں کی مخالفتیں حد سے گزر گئیں تو خدا کے حکم سے رسول مقبول صلعم نے یثرب (مدینہ) کی جانب ہجرت فرمائی۔ احکام شرعی کو جاری وساری رکھنے کی غرض سے ترک وطن کو ہجرت کہتے ہیں قرآن (عشق نامہ) کا صاف وصریح بیان موجود ہے کہ (ضعف دین کے باوجود وطن سے نہ نکلنے پر فرشتے کہیں گے) ''کیا اللہ کی زمین تمہارے لئے وسیع نہ تھی تم پر واجب تھا کہ تم ان شہروں سے نکل جاتے' سوان لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔ (النساء آیت ۱۴) امام مہدیؑ نے ہجرت کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ طالبان خدا کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر وطن چھوڑ دینے سے دریغ نہیں کرتے۔

آیات قرآنی کی روشنی میں حضرت امامؑ نے ذکر کو فرض دوام قرار دیا۔ ایک سچے عاشق کی زبان پر ہمیشہ اپنے معشوق کا ہی ذکر رہتا ہے۔ ایک طالب حق جو دنیا سے ہاتھ دھو چکا ہے جس کا دل وطن کی محبت سے خالی ہے اور دیدار الٰہی جس کا مقصد ہے اُسے ذکر دوام کے سواء اور کیا کام ہوسکتا ہے۔ ہمیشہ خدا کا نام زبان پر ہے۔ اور تمنا یہی ہے کہ خدا کا دیدار ہوجائے۔ کلمۂ لا الہ الا اللہ کے جو فضائل ہیں وہ سب پر عیاں ہیں۔ امامؑ نے اس کلمہ کے ذکر کو ایسا جاری وساری کر دیا کہ یہ روح کا جز بن گیا۔

حضرت مہدیؑ نے فرمایا مومن وہ شخص ہے جو ہر حالت میں صبح وشام اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے۔ نیز فرمایا کہ جس نے تین پہر اللہ کا ذکر کیا منافق ہے' جس نے چار پہر کا ذکر کیا مشرک ہے' جس نے پانچ پہر کا ذکر کیا مومن ناقص ہے اور جس نے آٹھ پہر کا ذکر کیا مومن کامل ہے۔ (حاشیہ شریف)

ایک مہدوی جو آٹھوں پہر ذکر اللہ میں مشغول ہے اس کے عشق کے کیا کہنے مہدویت کی خصوصیت یہی ہے کہ اپنے مقلد کو دنیا ومافیہا سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

توکل کو لیجئے۔ مہدیؑ کے پیروؤں کو دنیا اور ارباب دنیا سے غرض ہی نہیں ہے جو بھی ضرورت ہے خدا بہم پہنچا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ جب کسی ملک سے ہجرت کرتے ہیں تو دائرہ کے مکانات معہ اشیاء خورد ونوش یونہی چھوڑ دیتے ہیں کہ یہ سب خدا کا ہے۔ مہدیؑ اور اصحاب مہدیؑ کا قافلہ کعبہ جارہا ہے۔ مشکیزہ میں رکھا ہوا پانی بھی پھینک دیا جاتا ہے۔ برتن اوندھے مار دیئے جاتے ہیں۔ اور جہاز روانہ ہوجاتا ہے۔ راستہ میں سخت اضطرار کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے ایک کشتی کے ذریعہ کچھ سامان پہنچ جاتا ہے اور مہدیؑ فرماتے ہیں کہ یہ حلال طیب ہے جو بے شان وگمان خدا کی طرف سے آیا ہے۔

اندازہ لگا لیجئے کہ وہ کیسا توکل ہوگا جو اتنے طویل سفر پر بھی بغیر کسی زادراہ کے جارہے ہیں اور خدا رزق پہنچا رہا ہے۔ یہ عشق ہی کا نتیجہ ہے کہ محبوب پر مکمل بھروسہ کئے ہوئے اس کے گھر کی طرف جارہے ہیں۔ اور ان کا خیال رکھنے پر معشوق مجبور ہے۔

احکام ولایت کی تعمیل کے لئے عزلت ازخلق اور صحبت صادقاں ضروری امر ہیں۔ دنیاوی دغدغوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے عزلت ازخلق ضروری ہے۔ایک سچا عاشق ہمیشہ تنہائی پسند کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ وہ اس کے محبوب کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔ مہدویت کی بھی یہی تعلیم ہے کہ دیدار خدا کی طلب میں خلق سے کنارہ کشی اختیار کرلیں۔ اگر خدا کی عبادت میں ہمارے اہل وعیال گھر بار، وطن کی محبت وغیرہ حائل ہو تو انہیں ترک کر دینا چاہئے۔ یہی خدا کا حکم ہے۔

راہ عشق طئے کرنے کے لئے ایک رہبر کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے فرمان یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْ مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (سورہ التوبہ آیت ۱۱۹) (اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ رہو) کے ذریعہ صحبت صادقان کو لازم قرار دیا۔ یعنی یہ منزلیں طئے کرنے کے لئے ایک مرشد کامل کی ضرورت ہوتی ہے۔

الغرض سویت، مساوات، زکوٰۃ وعشر وغیرہ ہر امر ولایت میں عشق الٰہی کی بو آتی ہے۔ خلیفہ پنجم حضرت بندگی میاں شاہ دلاورؓ نے فرمایا کہ اس جہاں میں مومنوں کے لئے چار آگ ہیں۔ ایک عشق کی آگ ہے، دوسری فاقہ کی آگ ہے، تیسری تلوار، چوتھی آخرت میں دوزخ کی آگ ہے۔ مومن کو چاہئے کہ ان تین آگ میں سے کسی ایک آگ میں جلے ورنہ آخرت کی آگ میں ضرور جلے گا۔ تاریخ کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہو جائے گا کہ کس طرح ہمارے بزرگ جذبہ عشق الٰہی میں مست ومحور رہتے تھے۔

حضرت مہدیؑ ایک جگہ گنبد میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ سترہ صحابہ بھی ایک جگہ گنبد میں تھے۔ ایک کا نام ایک نہیں جانتا تھا اس طرح خدا کی یاد میں مشغول تھے کہ دوسرا کچھ خیال نہ تھا۔ مگر خدا تعالیٰ کی یاد تھی۔ (حاشیہ شریف)

حضرت مہدیؑ بارہ سال تک جذبہ عشق میں مستغرق رہے لیکن احکام شریعت کی پابندی برابر کئے۔ شاہ دلاورؓ کے عشق کا یہ عالم تھا کہ سولہ سال تک جذبہ عشق میں مستغرق رہے سولہ سال بعد جب امامناؑ حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر احمد آباد تشریف لائے تو شاہؓ نے داناپور میں آپ کے جسم اطہر کی خوشبو سونگھی اور فوراً چلے آئے۔

حاجی مالیؓ کے واقعہ کو لیجئے۔ خدا کی تلاش میں گھوم رہے ہیں۔ کسی نے کہدیا کہ خدا کعبہ میں ہے تو عازم کعبہ ہوئے راہ میں خضرؑ نے حضرت مہدیؑ کی نشاندہی کی تو دو پھول کے ہار لئے دوڑے چلے آئے۔ ادھر آپؑ بحکم خدا حاجی مالیؓ کے استقبال کے لئے بڑھے جیسے ہی نظریں چار ہوئیں دیدار خدا ہو گیا۔ اور آپ (حاجی مالی) بے ہوش ہو گئے کچھ عرصہ بعد اسی عالم استغراق میں انتقال ہو گیا۔

معرکہ بدر ولایت میں شاہ خوندمیرؓ کی چشم مبارک میں تیر ایسا لگا کہ آنکھ کا ڈھیلا نکل گیا۔ تیر ایسا گڑھ گیا کہ باہر نکالا نہ جا سکا۔ آخر کار تیر کے پچھلے حصے کو کاٹ کر پٹی باندھ دی گئی۔ اور اسی حالت میں آپؓ نمازیں ادا فرماتے رہے اور فقراء کی کمان فرماتے رہے۔ تاریخ عشق ومحویت کی ایسی مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہے۔

شاہ نظامؓ ذات الٰہی میں اتنے محو تھے کہ درخت سے لٹکائی ہوئی جھولی کا انہیں خیال نہ رہا جس میں ان کی بچی تھی۔ طویل

فاصلہ طئے کرنے کے بعد یاد آیا تو بہ اجازت مہدیؑ واپس آئے تو دیکھا کہ ایک شیر اس جھولی کی حفاظت کر رہا ہے جو آپ کے پہنچتے ہی ہٹ گیا۔

ان عاشقان الٰہی کی یہ خصوصیت تھی کہ جذبہ کی حالت میں بھی شریعت سے انحراف نہیں کرتے تھے۔ الغرض مہدیؑ اور مہدویت کے ان پرستاروں کے عشق ومحویت کے داستانوں سے تاریخ مہدویہ بھری پڑی ہیں۔

خدا اپنے محبوب بندوں کو آزماتا ہے' دولت واملاک' اہل وعیال وغیرہ چھین کر بندہ کے صبر وشکر کا امتحان لیتا ہے۔ جب کہیں اپنا قرب بخشتا ہے لیکن مہدویت کے پرستار پہلے ہی ان دنیاوی آسائشوں کو ٹھکرا کر خدا کی طلب میں نکل پڑتے ہیں۔ چنانچہ اکثر اوقات فقراء پر سخت فاقوں کی نوبت آئی اور کئی فقراء اسی حالت میں جاں بحق ہوئے لیکن غیر اللہ سے سوال کرنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ مہدویت میں سوال کرنا جائز نہیں۔

خواجہ حسن بصریؒ 'ذوالنون مصریؒ 'ابراہیم ادھمؒ 'بی بی رابعہ بصریؒ کی عیادت کے لئے آئے رابعہؒ نے پوچھا کہ محبت کی علامت کیا ہے۔ حسن بصریؒ نے کہا وہ شخص اللہ سے محبت رکھنے کے دعوے میں سچا نہیں۔ جس نے اللہ کی مار (فاقہ) پر صبر نہیں کیا۔ رابعہؒ نے کہا یہ بیکار بات ہے دوئی کا پتہ دیتی ہے۔ ذوالنونؒ نے کہا وہ شخص اللہ سے محبت رکھنے کے دعوے میں سچا نہیں جس نے اللہ کی مار (فاقہ) پر شکر نہیں کیا' رابعہؒ نے کہا یہ حکایت دوئی کی کرتا ہے۔ ابراہیم ادہمؒ نے کہا وہ شخص اللہ سے محبت رکھنے کے دعوے میں سچا نہیں جس نے اللہ کی مار (فاقہ) میں لذت نہ لیا۔ رابعہؒ نے کہا یہ ایک اچھی بات ہے لیکن دوئی اور میں پنے سے باہر نہیں۔ اس کے بعد تمام بزرگوں نے کہا اے بہن تو بھی کچھ فرما۔ رابعہؒ نے کہا وہ شخص اللہ سے محبت رکھنے کے دعوے میں سچا نہیں جس کو اللہ کی مار (فاقہ) میں شعور رہا۔ (حاشیہ شریف)

فقراء مہدویہ نے اللہ کی حجت کا یہ امتحان بھی کامیاب کرلیا۔ مہدویوں کی نیستی وعشق کا یہ حال ہے کہ ہمیشہ اسی کا خیال ہے کچھ دیتے بھی ہیں تو اسی کے نام سے اور کچھ لیتے بھی ہیں تو اسی کے نام سے۔ حضرت مہدیؑ اور مہدویت کے پیروؤں کا جو حال رسول خدا نے دیکھا وہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم معراج کی رات میں گئے تھے ہم نے ایک قوم کو عرش کے نیچے مراقبے کی حالت میں بیٹھے ہوئے دیکھا ہم نے ان کو تین بار سلام کیا۔ مجھ کو جواب نہیں دیا گیا مجھ کو رشک آیا کہ میں نے کہا یہ قوم کس کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان پہنچا کہ اے محمد یہ تیرا فرزند ہے کہ اس کا نام مہدی موعودؑ ہے تیرے زمانے کے آخر میں آئے گا اُس کا گروہ بیٹھا ہے یہ سب تیری امت ہے ہمارے پاس تیرے فرزند اور تیری اُمت کا قرب اور مقام ایسا ہے۔ حضرت پیغمبر علیہ السلام نے سنا بہت خوش ہوئے کہ ہمارے فرزند اور ہماری اُمت کا درجہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایسا ہے۔ پس آپؐ نے ان کے حق میں دعا فرمائی کہ یا اللہ ان کی نگہبانی کر اور

ان کے مخالف کی مخالفت پر ان کی مدد کر اور ان کا درجہ بلند کر۔ (حاشیہ شریف صفحہ ۵۱)

عاشقان الٰہی کے سوا کسی کو یہ مقام نہیں مل سکتا۔ تعلیمات امامناؑ اور بزرگان مہدویہ کی سیرت کے مطالعہ کے بعد مولانا ابوا لکلام آزاد گروہ مہدویہ کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

''ان لوگوں کے طور طریق کچھ عجیب عاشقانہ و والہانہ تھے۔ اور ایسے تھے کہ صحابۂ کرام کے خصائص ایمانی کی یاد تازہ کرتے تھے۔ عشق الٰہی کی ایک جاں سپار جماعت تھی جس نے اپنے خون کے رشتوں اور زمین کی فانی الفتوں کو ایمان و محبت کے رشتوں پر قربان کر دیا تھا۔ اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر راہ حق میں ایک دوسرے کے رفیق اور غمگسار بن گئے تھے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کیا۔ آخرت کی خواہش کی، حضرت محمدؐ نے دیدار کیا۔ لیکن کسی نے یہ نہیں بتلایا کہ دیدار الٰہی کس طرح ہوسکتا ہے۔ لیکن حضرت مہدیؑ نے نہ صرف دیدار کیا بلکہ صاف صاف بتلا دیا کہ دیدار الٰہی کے لئے کن کن منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ کیا اصول و قواعد ہیں ان کا مجموعی نام مہدویت ہے۔

الغرض یہ اٹل حقیقت ہے کہ مہدویت، مذہب عشق ہے اس کے احکام راہ عشق میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ عشق میں ڈوبے ہوئے اسی مذہب کے ذریعہ انسان خدا کا دیدار حاصل کرسکتا ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''نور حیات'' میلاد مہدیؑ نمبر جولائی ۱۹۷۱ء م ۱۳۹۱ھ، ماہنامہ ''مہدوی'' چن پٹن مارچ و اپریل ۱۹۷۲ء)

☆☆☆☆☆☆☆

مہدویت

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ارشاد مبارک کے مطابق مبعوث ہونے والے مہدی موعود حضرت سید محمد جونپوری کے دعویٰ مہدیت پر لبیک کہنے والے مہدوی کہلائے۔ مہدویت جن فرائض کا نام ہے وہ سب پر عیاں ہے اور یہ بھی طئے شدہ امر ہے کہ مہدویت کوئی نیا دین یا مذہب نہیں ہے البتہ نیا پیام ضرور ہے۔ لیکن یہ پیام کسی عقل کی پیداوار نہیں بلکہ قرآن وسنت کی تاویل ہے اور اس کے پیامبر نے پہلے ہی اعلان کر دیا ہے کہ ''مذہب ما کتاب اللہ واتباع رسول اللہ۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ''نیا پیام'' کیا ہے؟ وہ یہ کہ ''طلب دیدار الٰہی'' ہے یعنی معرفت' حق شناسی یا عرفان کے جو ذرائع اور رہبر مہدویت نے متعین کئے ہیں وہ احکام الٰہی کے تابع ہیں۔ طلب دیدار الٰہی از خود کوئی نیا پیام نہیں ہے بلکہ رسول اکرم صلعم نے اپنے بعض اصحاب اور خاص کر اصحاب صفّہ کو اس کی تعلیم دی تھی۔ اگر اصحاب صفّہ کی زندگی اور مہدویت کا موازنہ کیا جائے تو کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔ حضور نے اشارہ کر دیا تھا کہ میرے بعد میری ہی آل سے ایک مہدی موعود علیہ السلام پیدا ہوگا۔ اور آپؐ کی خصوصیت یہ بیان فرمائی تھی کہ وہ معصوم عن الخطا ہوگا اور میرے نقش قدم پر چلے گا۔

حضرت مہدی علیہ السلام نے ہر مسلمان پر چشم سر' چشم دل یا خواب میں دیدار خدا کو فرض ٹھیرایا اور اگر نہ ہو سکے تو کم از کم صادق طلب دیدار ضروری ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی تمنا کی' حضرت محمد مصطفیٰ صلعم نے دیدار کیا۔ امام آخر الزماں خلیفۃ اللہ المہدی نے بتلا دیا کہ دیدار کے لئے کن کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور کیا اصول وقواعد ہیں اور جن کا نام مہدویت ہے۔

رسول اکرم صلعم صرف عربوں کے لئے مبعوث نہیں ہوئے تھے بلکہ آپ رحمۃ للعالمین تھے اور ہر جن وانس پر آپ کی اتباع ضروری تھی لیکن جن کے مقدر میں اسلام قبول کرنا لکھا تھا صرف انہی نے قبول کیا۔ اسی طرح مہدی علیہ السلام کسی خاص طبقہ یا ملک کے لئے نہیں بھیجے گئے تھے بلکہ عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ لیکن جو سلوک رسولِ خدا سے ہوا تھا وہی مہدی موعودؑ سے روا رکھا گیا۔ بعض معاصر علماء نے آپ کی مخالفت کی اور دیدار خدا کو ناممکن قرار دیا۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اولیاء اللہ لذتِ دیدار سے محظوظ ہوتے رہے اور ہو رہے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ نے یہ شعر پڑھا۔

ملک دو عالم نخواهد آنکه خواهد یا ررا

در نظر جنت نیاید عاشق دیدار را

اوراقِ تاریخ کی اُلٹ پلٹ یہ بھی بتلاتی ہے کہ علماء اور اولیاء میں ہمیشہ ٹکراؤ رہا اور یہ دنیا دار علماء اولیاء پر کفر کے فتوے صادر

کرتے رہے۔اگر مہدی علیہ السلام کے ساتھ بھی انہوں نے یہی کچھ کیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔اس سے آپ کے پیامِ حق شناسی کی ہمہ گیریت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔آپ کا پیام تو ہر شخص کے لئے قابل قبول ہے جو دیدارِ حق کی طلب صادق رکھتا ہو' جو متلاشی حق ہو اور جو عاشق صادق ہو۔ ہر وہ شخص جو صدقِ دل سے مہدویت کو قبول کرلے حق شناس بن سکتا ہے۔دیدار سے مشرف ہوسکتا ہے۔اگر پیام محدود ہوتا تو آپؑ مکہ میں کیوں دعویٰ فرماتے۔اگر مزید تشریح چاہئے تو تاریخ مہدویت کا مطالعہ کر لیجئے معلوم ہوجائے گا کہ محض حق کی جستجو میں بندگی میراں سید محمودؒ گھر بار اور دیگر کاروبار یک لخت ترک کر کے عازم فراہ ہوئے' حق کے متلاشی بندگی میاں سید خوندمیرؒ کے دل بسمل کو تسکین ہوئی تو صرف حضرت مہدی کے حضور میں' باپ کی وزارت چھوڑ کر قاتل و غارت گر بن جانے والے شاہ نعمتؒ کی کایا پلٹ ہوئی تو صرف بارگاہِ مہدی میں پہنچنے کے بعد' حصول حق کی خاطر ریاست جائیس کی حکمرانی کو ٹھکرا دینے والے شاہ نظامؒ کی مقصد کی تکمیل ہوئی تو صرف مہدیؑ کی زیارت کے بعد' میاں بھائی مہاجرؒ کو مہدی علیہ السلام کی تشریف آوری کی خبر ایسے وقت ملی جبکہ آپ نوشہ بنے بیٹھے تھے۔لیکن اس طالب حق کو نئی نویلی دلہن کی فکر رہی اور نہ قرابت داروں کی بے اختیار چلے آئے اور تصدیق سے مشرف ہوئے۔شاہ دلاورؒ کو سکون ملا تو صرف دیدارِ حق کے بعد۔گوشۂ ذہن میں ایک سوال اُبھر سکتا ہے کہ تمام انسانوں نے مہدویت کو کیوں قبول نہ کیا؟ آپ اپنے ذہن سے یہ سوال کیجئے کہ ''اسلام'' کو بلا امتیاز رنگ و نسل یا ملک و ملت تمام انسانوں کے سامنے پیش کیا گیا تھا سب ہی نے کیوں قبول نہ کیا؟ تو اس کا جواب مل جائے گا۔اگر کوئی اس مذہب کو مبنی برحق جاننے کے بعد بھی اعلانِ قبولیت کی جراءت نہ کرے تو نہ سہی اس سے اس کی ہمہ گیریت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔اگر مفاد پرست علماء نے مہدی کو جھٹلایا تو کیا۔مہدویت تو تمام عالم کے لئے پیام حق شناسی ہے' کسی کے لئے محدود نہیں۔دریائے مہدویت سے جو جتنا چاہے سیراب ہوسکتا ہے۔اپنی پیاس بجھا سکتا ہے۔لیکن اگر کوئی اسے زہریلا یا مضر سمجھ کر گریز کرے اور تشنگی کو رفع نہ کرے تو کوئی کیا کرسکتا ہے۔یہ تو اپنے اپنے ظرف پر منحصر ہے۔ خود باری تعالیٰ فرماتا ہے۔اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ لِلْاِسْلَامِ .....فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (سورہ الزمر آیت ۲۲) ترجمہ: کیا وہ شخص جس کا سینہ اسلام کے لئے اللہ نے کھول دیا تو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے نورِ معرفت پر ہے کہیں سخت دل اس کے برابر ہوسکتے ہیں۔پس عذاب کی شدت ان کے لئے ہے جن کے دل سخت ہیں اللہ کے ذکر سے وہ گروہ غافل اور سنگدل کھلی گمراہی میں ہے' ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔فمن یرد اللہ ان یھد یہ بشرح صدرہ للاسلام (جز ۸'۲) جس کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت کرے تو کھول دیتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے۔مہدویت کی مقبولیت بھی ہمہ گیر ہے اور اس کے اثرات بھی ہمہ گیر ہیں۔اگر ہمہ گیر مقبولیت کا اندازہ کرنا ہو تو تاریخ کی ورق گردانی کیجئے۔طلوع آفتاب ولایت سے قبل بھی طریقت و حقیقت اولیاء اللہ کا مذہب رہا ہے۔لیکن عام مسلمان نا آشنا تھے۔مہدویت کی یہی خصوصیت ہے کہ مہدیؑ نے تمام رموز قرآنی کھول کر رکھ دیئے۔روزانہ بیانِ قرآن کے ذریعہ آپؑ نے کلام الٰہی کے صحیح معنی و تفسیر عوام کو بتلا دیا۔مہدویت کو حق شناسی کا ہمہ گیر پیام ثابت کرنا ہو تو بطور دلیل معجزہ بیان قرآن

کافی ہے۔ کیونکہ مہدیؑ نے تعلیم بلاواسطہ کے ذریعہ بیانِ قرآن فرما کر حق و باطل میں امتیاز کرنا سکھایا۔ حق و باطل کو پرکھنے کی اعلیٰ ترین کسوٹی قرآن ہی ہے۔ اس کی تاویل کے ذریعہ آپؑ نے نہ صرف انسان کی نجی معاملات میں صحیح رہنمائی فرمائی۔ بلکہ فقہی معاملات (جو کہ انقلاب زمانہ کے سبب رسوم و بدعات سے خلط ملط ہو گئے تھے) کو ان کے صحیح رنگ میں پیش کیا۔ بہ معنی دیگر اپنے پیام حق شناسی کے ذریعہ آپؑ نے ذہن انسانی میں انقلاب برپا کر دیا۔ قلوب کو گرما دیا اور جن احکامِ قرآنی پر عمل کرنا ناممکن سمجھ لیا گیا تھا انہیں اپنے قول و فعل کے ذریعہ ممکن العمل قرار دیا۔ آپ کے اس پیام کو نہ صرف فقراء بلکہ سلاطین وقت نے بھی قبول کیا۔ قاتلوں نے بھی قبول کیا اور درباری امراء نے بھی' گورنر نے بھی قبول کیا اور فوجی افسروں نے بھی۔ الغرض ہر طبقہ کے لوگوں نے لبیک کہا۔ تمام متلاشیانِ حق کو مہدویت ہی میں حق نظر آیا۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ جب حاجی مالی تلاشِ حق میں نکلے تو کسی نے کہدیا کہ خدا کعبہ میں ہے تو آپ نے کعبہ کا ارادہ کیا۔ راہ میں خواجہ خضرؑ نے مہدیؑ کی نشاندہی کی تو وہ پھول کا ہار لئے اور دوڑے چلے آئے۔ اِدھر آپؑ بہ حکم خدا استقبال کے لئے تیار ہیں۔ جیسے ہی نظریں چار ہوئیں حق کا دیدار ہو گیا اور بے ہوش ہو گئے۔ مہدیؑ نے ایک ہار خود پہنا اور دوسرا ان کو پہنایا۔ اسی عالم استغراق میں وہ واصل بحق ہوئے۔

حق شناسی کے ہمہ گیر پیام مہدویت کے اثرات بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ کوئی بھی چیز اپنے اثرات و نتائج کے مطابق ہی مقبولیت حاصل کرتی ہے۔ پیام مہدویت کی قبولیتِ عامہ کی مختصر ترین تاریخ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ مہدویت اپنے فرائض ولایت کے لحاظ سے بھی ہمہ گیر ہے۔ اور انسانوں پر اپنے اثرات کے لحاظ سے بھی۔ جس کسی نے بھی قبول کیا اس کا رنگ ہی بدل گیا۔ صرف چند معاملات میں نہیں بلکہ ہر پہلو سے بدل گیا۔ غیر اللہ کا خوف ان کے دل سے جاتا رہا ہے۔ ان میں جراءت حق گوئی و بے باکی پیدا ہو گئی۔ خلافِ شرع کاموں سے علی الاعلان روکنا شروع ہو گیا۔ سوال از غیر اللہ اور طاعت غیر اللہ کی ذہنیت کو نکال پھینک دیا گیا۔ دائرہ مہدویہ میں کوئی چیز کسی کی شخصی نہیں بلکہ مشترکہ ملکیت سمجھی گئی اور ہر مہدوی کا مقصد حیات ''دیدار الٰہی'' قرار پایا۔ مہدویت کی اسی موثر اصلاح کا نتیجہ تھا کہ حضرت بندگی میاں شیخ مصطفیٰ گجراتیؒ نے شہنشاہ اکبر کے دربار میں نام نہاد چوٹی کے معاصر علماء کو مناظرہ کر کے نیچا دکھایا۔ بندگی میاں عبدالرشیدؒ نے بھی قرآن و مہدی کی امامت کا اعلان کرتے ہوئے اپنا سر کٹایا مگر امامتِ مہدیؑ کے انکار کو گوارہ نہ کیا۔ دنیا پرست علماء کی سازشوں کے نتیجہ میں سلیم شاہ سوری نے شیخ علائی مہدویؒ کے قتل کا حکم صادر کیا اور ساتھ ہی لوگوں نے دیکھ لیا کہ شہادت کے بعد سوری سلطنت کا حال کیا ہوا۔ مہدویوں کو دیوار میں چین دیا گیا۔ قتل عام کا بازار گرم کیا گیا' خدا کی وحدانیت' محمدؐ کی رسالت اور قرآن و مہدی کی امامت پر آمنا و صدقنا کہنے والوں کے سر تن سے جدا کر دیئے گئے۔ کئی ریاستوں سے انہیں خارج کیا گیا۔ علماء نے اپنی دوکان بند ہوتی دیکھی تو فتنہ و فساد کا بازار گرم کرا دیا۔ لیکن عاشقانِ الٰہی نام لیوایانِ مہدیؑ ثابت قدم رہے اور ان کے قدم ڈگمگانا تو کجا مخالفین کو موافق میں تبدیل ہونا پڑا۔ آخر کیوں؟ اسی لئے کہ یہ سب حق شناسی کے ہمہ گیر پیام مہدویت کا مستقل اثر ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ نور ولایت نومبر ۱۹۸۹ھ)

مذہب عشق

اگر کوئی مجھ سے یہ پوچھے کہ وہ کونسی خصوصیات ہیں جس کی بناء پر ہم مہدویت کو مذہبِ عشق سے تعبیر کرتے ہیں تو میرا جواب یہ ہوگا کہ آپ اپنے سوال کا جواب تاریخ مہدویہ اور تعلیمات مہدویہ میں بہ آسانی پا سکتے ہیں۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کی تعلیمات قرآن مجید اور شرع شریف کے عین مطابق ہے پھر قرآن مجید کے بارے میں مہدویہ کا نعرہ بھی **القرآن و المھدی امامنا** ہے اور اسی قرآن حکیم کے تعلق سے حضرت مہدیؑ نے فرمایا عشق خدا کی ذات ہے اور ہر حکم ولایت میں بوئے عشق آتی ہے۔ قرآن کو عشق نامہ سے تعبیر کرتے ہوئے آپ نے واضح کر دیا کہ احکام قرآنی کا اقتضاء عشق و محبت ہی ہے۔ ترک دنیا، صحبت صادقین، ذکر دوام، طلب دیدار خدا، ہجرت، توکل اور عزلت از خلق کو آپ نے قرآن کی روشنی میں فرض ٹھیرایا اور پھر اس کی عملی تعبیر ان دائروں میں ہمارے سامنے آئی جو حضرت مہدی، اصحاب مہدی اور تابعین و تبع تابعین نے ہندوستان کے طول و عرض میں دائرے قائم کئے اور اسی اساس پر شاید تاریخ حیدری نے مہدویوں کو ''آنہا کے دائرہ والا می گویند'' کے الفاظ سے دائرہ والے کہا ہے ان دائروں کا طریق زندگی بھی عین اسلامی تھا۔

جب ہم اوپر درج کئے ہوئے احکام ولایت پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ راہِ عشق میں یہ احکام سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں اور بزرگانِ مہدویہ کی زندگی کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ان لوگوں نے احکام ولایت پر عمل کرتے ہوئے عشق کی منزل طئے کی اور فنا فی اللہ اور باقی باللہ ہوئے۔ احکام ولایت میں سے ہر ایک اپنے اندر عشق الٰہی کی خصوصیت رکھتا ہے۔ ترک دنیا کو لیجئے قرآن جسے عشق نامہ کہتے ہیں لکھا ہے کہ جو کوئی دنیا اور زینت دنیا کی خواہش رکھتا ہے ہم ان کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں پورا کر دیتے ہیں۔ اور اس میں وہ گھاٹے میں نہیں رہتے اور ان کے لئے آخرت میں سوائے آگ (دوزخ) کے کچھ نہیں۔ دنیا میں رہتے اور آرام و آسائش کی زندگی بسر کرتے ہوئے دولت و املاک کے مالک ہوتے ہوئے خدا کی طرف رجوع ہونا مشکل ہے لیکن تاریخ مہدویہ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہیں جہاں ہم دیکھتے ہیں بے شمار افراد نے حضرت مہدی کے وعظ و بیان سے متاثر ہو کر مال و دولت، جاہ و منصب کی زندگی کو لات مار کر راہِ عشق میں قدم رکھا۔ اور تادم آخر اس پر قائم رہے۔ میں یہاں آپ کو تفصیلات میں لے گئے بغیر چند ایک واقعات کو آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

مورخین نے لکھا ہے کہ جب میاں سید سلام اللہؓ جو رشتہ میں میراں سید محمودؒ کے ماموں ہوتے ہیں، کا خط امامنا علیہ السلام کے اس فرمان کے ساتھ ''جہاں تم ہو وہاں میں ہوں اور جہاں میں ہوں وہاں تم ہو'' پہنچا تو میراں سید محمود تڑپ اٹھے۔ ملازمت کو لات ماری جائیداد فروخت کر کے ملازمین کی تنخواہیں ادا کئے اپنی چہیتی بیوی کدبانوؓ سے کہا ''میں نے تمہارا اختیار تمہارے ہاتھ میں دے دیا

ہے چاہو تو ساتھ چلو ورنہ اپنے والدین کے گھر چلے جانا'' تلوار ہاتھ میں لی اور سوئے مہدیؑ چل پڑے۔ سوچیئے کہ یکلخت بیوی کا اختیار بیوی کو دے دینا۔ گھر بار ملازمت اور وطن کو خیر باد کہہ دینا کیا کوئی آسان کام ہے۔ نہیں۔ لیکن اللہ کے ان نیک بندوں کے نزدیک جو عاشقانِ الٰہی ہیں یہ دنیا کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ کیونکہ قرآن متاع دنیا کو قلیل کہتا ہے اور فانی بھی اور اگر لافانی ہے تو صرف خدا کی ذات۔

آیئے ایک دوسرا واقعہ بھی دیکھ لیجئے۔ میاں بھائی مہاجرؓ کی شادی ہو رہی ہے دولہا اور دلہن جلوہ کے تخت پر جلوہ افروز ہیں۔ زن و مرد جوڑے کو گھیرے ہوئے ہیں۔ کسی نے کہہ دیا کہ حضرت سید محمد مہدی موعودؑ یہاں آئے ہوئے ہیں پھر کیا تھا۔ دولہا اٹھ کھڑا ہوا اور دلہن کو اس کا اختیار اس کو دے کر امامناؑ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ بعد میں دولہن بھی آ گئی۔ کیا کسی دل میں یہ قوت ہے کہ دولہن کو چھوڑ کر خدا کی طلب میں دوڑے۔ لیکن بھائی مہاجر نے بتلا دیا کہ عاشقانِ الٰہی کو اپنے خدا کے سواء کوئی چیز عزیز نہیں ہوتی۔

جس وقت حضرت مہدی ٹھٹھہ میں تھے گجرات سے چند خطوط وصول ہوئے جو شاہ نعمتؓ میاں محمد کبیرؓ میاں عبدالمجیدؓ کی بیویوں کے تھے ان میں انہوں نے مطالبہ کیا تھا کہ آ کر ہمیں بھی لے جاؤ۔ ہم بھی امام کے زیر سایہ رہنا چاہتے ہیں۔ ہم بھی طالب ہیں۔

ان چند ایک واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ دائرہ مہدویت میں قدم رکھنے کے بعد کیا مرد کیا عورت سب ہی عشقِ الٰہی سے سرشار طالبِ خدا ہوتے ہیں۔ دنیا کی تواریخ ایسی مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ایک عاشق کی جو زبردست خواہش ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ ہمیشہ معشوق کا دیدار ہوتا رہے۔ خدا تک رسائی اسوقت تک ممکن نہیں جب تک کہ حبِّ دنیا کو ترک نہ کر دیا جائے۔ آیاتِ قرآنی کی روشنی میں حضرت مہدیؑ نے طلبِ دیدار خدا کو فرض قرار دیا۔ جب تک دنیا کی محبت دل سے نہ ڈھل جائے اس وقت تک اللہ کی محبت پیدا نہیں ہوتی۔ ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتے۔ بقول مہدیؑ عشق خدا کی ذات ہے' خدا کی ذات تک پہنچنے کے لئے دنیا سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے نفس سے جہاد کرنا پڑتا ہے۔

علمائے خراسان نے رویت اللہ کا ثبوت مانگا تو آپ نے قرآن کے سورہ کہف کی آخری آیت فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا وَّلاَ يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا کی تلاوت فرمائی اور فرمایا خدا کو خواہ چشم سر سے دیکھے یا خواب میں ہر حال میں طلب دیدار خدا کو فرض قرار دیا۔

بیان قرآن کے دوران ایک بار آپ نے سامعین سے سوال کیا طالب پر کونسی چیز فرض ہے کہ اس کی وجہ سے خدا تک پہنچے۔ پھر خود ہی جواب دیا کہ وہ عشق ہے۔ عشق کیوں کر حاصل ہو سکتا ہے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ دل کی توجہ ہمیشہ خدائے تعالیٰ کی طرف قائم رکھنے سے عشق حاصل ہوتا ہے۔

آیاتِ قرآنی کی روشنی میں حضرت امامناؑ نے ذکر دوام کو فرض قرار دیا۔ ایک سچے عاشق کی زبان پر ہمیشہ اپنے معشوق کا ہی ذکر رہتا ہے ایک طالب حق جو دنیا سے ہاتھ دھو چکا ہو جس کا دل وطن کی محبت سے خالی ہو چکا ہو اور دیدار الٰہی جس کا مقصد و مطمع نظر ہو

اُسے ذکر دوام کے سواء اور کیا کام ہوسکتا ہے۔ ہمیشہ خدا کا نام زبان پر رہے اور تمنا یہی رہے کہ خدا کا دیدار ہو جائے۔ کلمہ لا الہ الا اللہ کے جو فضائل ہیں وہ سب پر روشن ہیں۔ امامناؑ نے اس کلمہ کے ذکر کو ایسا جاری وساری کر دیا کہ یہ روح کا جز بن گیا۔

حضرت مہدیؑ نے فرمایا مومن وہ شخص ہے جو ہر حالت میں صبح وشام اللہ کی طرف متوجہ رہے۔ ذکر اللہ میں مشغول رہے اُس کے عشق کے کیا کہنے۔ مہدویت کی خصوصیت یہی ہے کہ اپنے مقلد کو دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ توکل کو لیجئے۔ مہدی کے پیروؤں کو دنیا اور اربابِ دنیا سے غرض ہی نہیں جو بھی ضرورت ہے خدا بہم پہنچا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ جب کسی ملک سے ہجرت کرتے ہیں تو دائرہ کے مکافات معہ اشیاء خورد ونوش یوں ہی چھوڑ دیتے تھے کہ یہ سب خدا کا تھا۔ حضرت مہدی علیہ السلام کے سفر ہجرت کے واقعات آپ کے سامنے ہیں جہاں ایسی بیسیوں مثالیں ہیں یہاں صرف سفر حج کا ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔

حضرت مہدی اور آپ کے اصحاب کا قافلہ کعبۃ اللہ جا رہا ہے۔ مشکیزہ میں رکھا ہوا پانی بھی پھینک دیا جاتا ہے۔ برتن اوندھے مار دیئے جاتے ہیں اور جہاز روانہ ہو جاتا ہے راستہ میں سخت اضطرار کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ مسبب الاسباب کوئی اور تھا اور ہے ایک کشتی کے ذریعہ کچھ سامان پہنچ جاتا ہے اور امام علیہ السلام فرماتے ہیں یہ حلال طیب ہے بے شان وگمان خدا کی طرف سے اسباب فراہم ہوتے ہیں۔ اندازہ لگائیے کہ وہ کیسا توکل ہوگا جو اتنے طویل سفر پر بھی بغیر کسی زادِراہ کے جا رہے ہیں اور خدا رزق پہنچا رہا ہے یہ عشق ہی کا کمال ہے کہ محبوب پر مکمل بھروسہ کر کے محبوب کے گھر کی طرف جانے والوں کا خیال رکھنے کے لئے معشوق بھی مجبور ہے۔

احکام ولایت میں عزلت از خلق اور صحبت صادقین بھی ضروری امر ہیں۔ دنیاوی دغدغوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے عزلت از خلق ضروری ہے۔ ایک سچا عاشق ہمیشہ تنہائی پسند کرتا ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کے اور محبوب کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔ مہدویت کی بھی یہی تعلیم ہے کہ دیدار خدا کی طلب میں خلق سے کنارہ کشی اختیار کر لیں۔ اگر خدا کی عبادت میں ہمارے اہل وعیال' گھر بار' وطن کی محبت حائل ہو تو انہیں ترک کر دینا چاہئے۔ یہی خدا کا حکم ہے۔

راہ عشق طئے کرنے کے لئے ایک رہبر کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ خدائے تعالیٰ نے اپنے فرمان یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ رہو کے ذریعہ صحبت صادقین کو لازم قرار دیا۔ یعنی یہ منزلیں طئے کرنے کے لئے ایک مرشدِ کامل کی ضرورت ہوتی ہے۔

احکام شرع کے جاری وساری رکھنے کے لئے ترکِ وطن کرنا ہجرت کہلاتا ہے۔ قرآن میں صاف وصریح طور پر موجود ہے کہ جو لوگ ضعف دین کے باوجود وطن سے نہ نکلیں فرشتے اُس سے سوال کریں گے کیا اللہ کی زمین تمہارے لئے وسیع نہ تھی تم پر واجب تھا کہ تم ان شہروں سے نکل جاتے سو ان لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔ (سورہ نساء آیت ۱۴) امام مہدی علیہ السلام نے ہجرت از وطن کو فرض قرار دیا اور اس پر عمل کرنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ طالبان خدا کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ وہ اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر وطن' گھر بار سب کچھ چھوڑ دینے سے دریغ نہیں کیا۔ مہدویہ دائروں کی تاریخ گواہ ہے کہ بعض بزرگوں نے اپنی ساری عمر ہجرت میں گذار دی۔ ایک مقام سے جب ایک بار دائرہ اُٹھا پھر دوبارہ نہیں لوٹا۔

مہدویہ تعلیمات میں سویت' مساوات' زکواۃ' عشر وغیرہ بھی داخل ہیں اور ہر حکم ولایت میں عشق الٰہی کی بُو آتی ہے۔ حضرت بندگی میاں شاہ دلاورؒ فرماتے ہیں اس جہاں میں مومنوں کے لئے چار آگ ہیں۔ ایک عشق کی آگ' دوسرے فاقہ کی آگ' تیسرے تلوار کی آگ' چوتھے آخرت میں دوزخ کی آگ۔ مومن کو چاہئے کہ اس جہاں کی تین میں سے کسی ایک آگ میں جلے ورنہ چوتھی آگ میں جلنا ہوگا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ہمارے بزرگ جذبہ عشق الٰہی میں مست ومحور ہے۔ شاہ دلاورؒ کے عشق کا یہ عالم تھا کہ سولہ سال تک جذبۂ عشق میں مستغرق رہے اور جب امامؑ حج بیت اللہ سے گجرات واپس لوٹے تو دانا پور میں جسمِ اطہر کی خوشبو سونگھ کر احمد آباد چلے آئے۔

حاجی مالی کے واقعہ کو لیجئے۔ خدا کی تلاش میں گھوم رہے ہیں کسی سے سن لیا کہ خدا کعبہ میں ہے تو عازم کعبہ ہوئے۔ راستہ میں خضر علیہ السلام نے امامنا مہدی علیہ السلام کی نشاندہی کی تو دو پھول کے ہار لے کر دوڑے چلے آئے۔ ادھر امامؑ کو حکم خدا پہنچا کہ ہمارا عاشق چلا آرہا ہے استقبال کرو آپ آگے بڑھے نظر سے نظر ملی دیدار خدا ہوا اور حاجی مالی بے ہوش ہو گئے اور اسی عالم استغراق میں انتقال کر گئے۔

عشق ومحویت کی مثال اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتی ہے کہ آنکھ میں تیر آلگا ہے آنکھ کا ڈھیلا باہر آپڑا ہے لیکن نماز میں محویت علی حالہ برقرار ہے۔

شاہ نظامؑ اپنی لڑکی کو درخت سے لٹکائی جھولی سے نکالنے کا خیال نہیں رہتا کاروان مہدیت دائرہ اٹھا کر آگے بڑھ جاتا ہے کچھ دور جا کر خیال آتا ہے کہ بچی کی جھولی وہیں رہ گئی۔ اجازت لے کر واپس آتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ بچی جھولی ہی میں سو رہی ہے اور شیر اس جھولی کی حفاظت کر رہا ہے۔ غرض یہ کہ عشق ومحویت کی داستانوں سے تاریخ مہدویہ بھری پڑی ہے۔

خدا اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ دولت املاک' اہل وعیال چھین کر بندہ کے صبر وشکر کا امتحان لیتا ہے اور جب بندہ اس امتحان میں پورا اترتا ہے تو تب کہیں اپنے قرب سے نوازتا ہے اسی لئے مہدویوں کی نیستی اور عشق کا حال یہ ہے کہ وہ غیر اللہ سے سوال حرام سمجھتے ہیں۔ اکثر اوقات سخت فاقوں کی صورت میں جاں بحق ہوئے لیکن دست سوال دراز نہیں ہوا ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے ہیں دیں تو اللہ دیا کہہ کر دیں اور جب تک دینے والا اللہ دیا نہ کہے کسی چیز کا قبول کرنا حرام سمجھتے ہیں۔

یہی وہ خصوصیات تھے جسے دیکھ کر مولانا آزاد کو کہنا پڑا۔ ''اُن لوگوں کے طور طریق کچھ عجیب عاشقانہ ووالہانہ تھے اور ایسے تھے کہ صحابائے کرام کے خصائص ایمانی کی یاد تازہ ہوجاتی تھی۔ عشق الٰہی کی ایک جاں سپار جماعت تھی جس نے اپنے خون کے رشتوں اور زمین کی فانی الفتوں کو ایمان ومحبت کے رشتوں پر قربان کر دیا تھا۔ اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر راہ حق میں ایک دوسرے کے رفیق اور غمگسار بن گئی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ مہدویت بجز مذہب عشق کے کوئی دوسری چیز نہیں۔ اس کے احکام راہ عشق میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ عشق میں ڈوبے ہوئے اسی مذہب کے ذریعہ انسان خدا کا دیدار حاصل کرسکتا ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''نورحیات'' ستمبر ۱۹۹۷ء)

فرامین امامناؑ اور عصر حاضر

(ماہ اکتوبر ۱۹۹۴ء میں ۵۶۸ ویں جشن میلاد امامنا مہدی موعود علیہ السلام کے ضمن میں منعقدہ علمی مباحث میں جناب سید نصرت مہدی صاحب نے ایک مقالہ بعنوان ''فرامین امامناؑ اور عصر حاضر'' پیش کیا۔ جس پر تبصرہ کے لئے ارباب انجمن مہدویہ نے حضرت سید ضیاء اللہ صاحب' حضرت ابوالفتح سید جلال الدین صاحب اور احقر کو دعوت دی۔ یہ مضمون اسی کا حصہ ہے۔)

عنوان بہت وسیع مفہوم کا حامل ہے اور اس پر سخت محنت کی ضرورت ہے ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ اب تک جتنا لٹریچر شائع ہوا ہے اس کا ۹۹ فیصد صرف ثبوت مہدیت یا سیرتِ امامناؑ پر مشتمل ہے۔ تعلیمات پر تفہیم کے ساتھ لٹریچر نہ ہونے کے برابر ہے۔ جو کچھ ہے اس میں صرف تعلیماتِ امامناؑ کی قرآن وحدیث سے مطابقت ثابت کی گئی ہے۔ حالانکہ فرائض ولایت کی اصطلاحات جیسے ترک دنیا' عزلت از خلق' دیدارِ خدا وغیرہ کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ یہ اصطلاحات حضرت مہدی موعودؑ سے پہلے کے اولیاء وصوفیاء کے پاس بھی رائج تھیں اور آج بھی ان کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ البتہ یہ چیزیں پہلے فرض کی حیثیت سے رائج نہیں تھیں کیونکہ عام اولیاء وصوفیاء دعوت پر مامور نہیں تھے۔ چونکہ مہدی داعی الی اللہ میں مامور من اللہ ہیں اور آپؑ کی دعوت' دعوتِ رسول اللہؐ کی طرح تمام عالمِ انسانیت کے لئے ہے۔ اس لئے آپؑ نے ان احکام قرآنی کو بحکم خدا سب کے لئے فرض قرار دیا۔ وہ آج بھی اسی طرح قابل عمل ہیں جس طرح پہلے تھے۔ عصرِ حاضر میں ثبوت کی نہیں بلکہ تعلیمات کی اہمیت وافادیت کو تفہیمات وتشریحات کے ساتھ جدید انداز میں پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ جدید انداز سے میری مراد یہ نہیں کہ منکرین ومخالفین مہدیؑ کی مرضی ومنشاء کے مطابق تفہیم کی جائے یا اپنے موجودہ حال وماحول کے مطابق تاویل کی جائے بلکہ میری مراد یہ ہے کہ کلام اللہ اور احادیث صحیحہ سے تعلیماتِ امامناؑ کی مطابقت اور عصر حاضر میں ان کی افادیت کو جدید اسلوب میں پیش کیا جائے۔ مزید ثبوت کی ضرورت اس لئے نہیں ہے کہ پانچ سو سال سے ہم ثبوت پیش کرتے آرہے ہیں۔ توفیق وہدایت خدا کا کام ہے' ہمارا کام صرف تبلیغ ہے۔ اور تبلیغ کے لئے تعلیمات کو قولاً وفعلاً پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ جب رسول اللہ صلعم کو سارے ثبوت ومعجزات کے باوجود تمام انسانوں نے قبول نہیں کیا تو آپ یہ توقع کیوں رکھتے ہیں کہ حضرت مہدیؑ کو سب لوگ قبول کریں گے۔ ہمیں تو یہ کوشش کرنا ہے کہ عصرِ حاضر میں فرامین امامناؑ کی افادیت کو واضح کریں۔

نقل، فرمودات اور بندگی جیسے الفاظ قدیم صوفیوں کے لٹریچر میں بھی ملتے ہیں لیکن مہدیؑ کے فرمودات یا فرامین ایک مامور من اللہ، داعی الی اللہ، معصوم عن الخطاء کا کلام ہیں۔اس لئے صرف واجب التعظیم ہی نہیں بلکہ واجب التعمیل بھی ہیں۔حدیث رسول اللہ صلعم اور فرمانِ مہدیؑ دونوں کی صحت کا معیار کلام اللہ ہے۔امامناؑ نے فرمایا کہ میں جو کچھ کہتا ہوں اور کرتا ہوں وہ بحکم خدا کہتا اور کرتا ہوں۔جس طرح رسول اللہ صلعم اپنے اقوال، افعال واحوال میں خدا کے حکم کے تابع تھے اسی طرح مہدیؑ بھی تابع تھے۔جس طرح رسول اللہ صلعم کے بعد بعض احادیث میں آمیزش ہوئی اور حسب ضرورت نئی احادیث بھی مرتب کی گئیں، اسی طرح فرامین مہدیؑ میں بھی آمیزش کا امکان تھا شاید اسی لئے امامناؑ نے فرمایا کہ ''جو شخص میری نقل بیان کرے اگر وہ حق تعالیٰ کے کلام کے موافق ہے تو وہ نقل درست ہے، اگر کلام کے موافق نہیں ہے تو وہ میری نقل نہیں ہے یا سننے کے وقت ناقل کا دل حاضر نہ رہا ہوگا جس کی وجہ سہو ہو گیا ہے'' اس سے بڑا معیارِ صحت کیا ہوسکتا ہے۔ضرورت تحقیق وتدقیق کی ہے کہ اصول حدیث اور امامناؑ کے بیان کردہ معیار صحت وصداقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے فرامین کو پہلے یکجا کیا جائے پھر ان کی جانچ کی جائے۔

امامنا مہدی موعودؑ تابع تام رسول اللہ صلعم ہیں۔اس حدیث سے آپؑ کا یہ فرمانِ مبارک بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ ''میں کسی مذہب پر مقید نہیں ہوں، میرا مذہب کتاب اللہ اور اتباع محمد رسول اللہؐ ہے۔'' عصرِ حاضر میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ کوئی مسلمان اس وقت تک مسلمان نہیں کہلا سکتا جب تک وہ یا تو حنفی ہو یا شافعی ہو یا مالکی ہو یا حنبلی ہو یا شیعہ ہو یا سنّی ہو یا وہابی ہو یا اہلِ قرآن ہو یا اہلِ حدیث ہو۔لیکن فرمانِ مقدس کی تاثیر دیکھئے کہ آپؑ نے اس تفریق کو مٹا کر اُمت واحدہ کا تصور دیا اور عقائد واعمال کی صحت کا معیار صرف کتاب اللہ اور اتباعِ رسول اللہ صلعم کو قرار دیا۔اس سے بڑا معیارِ صحت وصداقت اور کیا ہوسکتا ہے۔آج اختلاف کی شدت کا یہ عالم ہے کہ حنفی، شافعی کو کافر کہتا ہے، مالکی حنبلی کو کافر کہتا ہے، شیعہ، سنی کو کافر کہتا ہے اور سنّی، مہدوی کو کافر کہتا ہے۔جبکہ مہدوی فقہ کے معاملہ میں کسی ایک مذہب پر مقید نہیں ہے۔ائمہ اربعہ کو برحق جانتے ہیں اور مسائل میں جس کا مذہب عالیت پر ہو اس پر عمل کرتے ہیں۔یعنی رخصت پر عالیت وعزیمت کو ترجیح دی جاتی ہے۔اس فرمانِ مقدس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام معصوم عن الخطاء کسی غیر معصوم کا تابع نہیں ہوتا۔امامناؑ نے فقہ کے مسائل پر عالیت کا مذہب اختیار کرنے کا حکم دیا۔اس طرح عصر حاضر کے بین فرقہ جاتی اختلافات کا حل پیش فرمایا لیکن افسوس کہ اسے ہم مناسب انداز میں دنیا کے سامنے پیش نہیں کرتے کیونکہ ہم خود اصول کو بھول کر فروعات میں اُلجھے ہوئے ہیں۔

فرمانِ مہدیؑ ہے۔''ہم کو خدائے تعالیٰ نے مخصوص اس لئے بھیجا ہے کہ جو احکام کہ ولایتِ محمدیؐ سے تعلق رکھتے ہیں مہدی کے واسطہ سے ظاہر ہوں''

حضرت سید محمد مہدی موعودؑ خاتم ولایت محمدیہؐ ہیں۔ واضح ہو کہ ولایت دو قسم کی ہے۔ ولایت عامہ اور ولایتِ خاصہ۔ ولایت کے معنی قربِ الٰہی کے ہیں اور حضرت مہدی علیہ السلام کے بعد بھی ولایت عامہ جاری رہے گی البتہ خاص ولایت صرف مہدی موعودؑ کے لئے مخصوص ہے۔ جس طرح تمام انبیاء و مرسلین کی نبوت و رسالت اور حضرت خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلعم کی نبوت و رسالت میں مراتب و خصوصیات کا فرق ہے اسی طرح تمام اولیاء کی ولایت اور حضرت مہدی علیہ السلام کی ولایت میں مراتب و خصوصیات کا فرق ہے۔ خاتم الاولیاء کے بتلائے ہوئے فرائض یا تعلیمات کا مقصد و منشاء تہذیب و تزکیہ نفس ہے اور صدق دل سے عمل آوری کا نتیجہ دیدار الٰہی ہے۔ جو معرفت کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ تہذیب نفس سے فرائض نبوت یعنی شریعت پر عمل آوری میں بھی استحکام پیدا ہوتا ہے۔ امامناؑ نے فرمایا کہ ''شریعت بعد از فنائے بشریت است'' یعنی اپنی بشریت (خودی) کو فنا کرنے کے بعد ہی ہم حقیقی طور پر شریعت کی پابندی کر سکتے ہیں۔ طریقت آگے کی منزل ہے۔

نبوت اور ولایت میں فرق یہ ہے کہ: نبوت اگر ظاہر ہے تو ولایت باطن ہے۔ نبوت اگر جسم ہے تو ولایت اس کی روح ہے۔ نبوت اگر دریا ہے تو ولایت اس میں چھپے ہوئے موتی ہیں۔ نبوت اگر رہ گزر ہے تو ولایت نقش پائے رسولؐ ہیں۔ مختصر یہ کہ نبوت اور ولایت میں جسم و جان کا رشتہ ہے جو لازم و ملزوم ہیں۔

مصدقین مہدی اس لحاظ سے خوش نصیب ہیں کہ انہیں نبیؐ اور مہدیؑ دونوں کی اطاعت و اتباع کا شرف حاصل ہے۔ اتباع و عمل کے بغیر تصدیق بے معنی ہے۔ حضرت مہدیؑ نے فرمایا کہ ''خدا تعالیٰ یہ سوال نہیں کرے گا کہ احمد کا بیٹا ہے یا محمدؐ کا (بلکہ) حق تعالیٰ عمل با محبت کا سوال کرے گا'' یعنی بلا تخصیص ملک و ملّت رنگ و نسل، مرتبہ و منصب سب پر عمل کی شرط عائد ہوتی ہے۔ اور عمل سے مراد عملِ صالح ہے جس سے نہ کسی کو چھوٹ دی گئی ہے اور نہ کسی پر سختی ہے۔ قرآن حکیم میں جزا و سزا کے جو احکام ہیں وہ سب کے لئے یکساں ہیں۔

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی انسان خوش اور مطمئن نہیں ہے چاہے وہ سب سے بڑا عالم ہو، سائنس داں ہو، ماہر فلکیات ہو، صدر مملکت ہو یا سب سے بڑا دولت مند ہو۔ سب کے سب نفسانی امراض میں مبتلا ہیں۔ ان امراض کا علاج اسلام میں موجود ہے جس کو مہدی علیہ السلام نے صاف اور واضح انداز میں بیان فرمایا ہے۔ اب یہ ذمہ داری مصدقین مہدیؑ پر عائد ہوتی ہے کہ امامناؑ کی تعلیمات کو عام فہم انداز میں دنیا کے سامنے پیش کریں۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ اب ہماری محفلوں میں تقاریر صرف رائے دلپت، میر ذوالنون اور جام نندہ کے قصوں تک محدود ہو کر رہ گئی ہیں۔ تعلیمات کی تشریح و توضیح اور ان کی اہمیت و افادیت پر تقریر و تحریر ایک بھولی بسری بات ہو کر رہ گئی ہے۔ فرامین کو صندوق میں بند کر کے ہم خوش ہیں کہ یہ خزانہ ہمارے گھر میں محفوظ ہے۔ حالانکہ اگر ہم اپنے پورے گھر کو قرآنِ مجید کے نسخوں سے بھر دیں تو بھی نہ برکت ہونے والی ہے اور نہ بخشش۔ جب تک کہ عمل نہ کریں۔ فرامینِ امامناؑ تو

آیاتِ قرآنی سے ماخوذ ہیں۔اور عصرِ حاضر میں ان کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہے۔

امامنا مہدی علیہ السلام کی تعلیمات کی خصوصیت یہ ہے کہ آپؑ نے علم الیقین کی منزل پر رک جانے کے بجائے عین الیقین اور حق الیقین کی منزل تک پہنچنے کی دعوت دی اور راستہ بھی بتلایا۔فرائض ولایت اور دیگر فرامین اسی راستہ کے سنگِ میل ہیں۔شرط عمل صالح کی ہے۔یعنی تعلیمات مہدیؑ پر صدقِ دل سے عمل کیا جائے وہ تعلیمات وہی ہیں جنہیں اصطلاحاً ترک دنیا' طلب دیدار خدا' صحبتِ صادقین' عزلت از خلق' ذکرِ دوام' توکل اور ہجرت کہا جاتا ہے۔

(فاضل مقالہ نگار نے پتہ نہیں کیوں ترکِ دنیا سے متعلق فرامین کو شامل نہیں کیا ہے) فی الوقت میں اسی موضوع پر اظہار خیال کروں گا۔امامناؑ نے فرمایا ''ورائے ترک دنیا ایمان نیست'' یعنی ترک دنیا کے بغیر ایمان نہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طلب دنیا اور ایمان ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ترک دنیا کا مطلب یہ نہیں کہ دنیا کو چھوڑ کر چاند پر جا بسیں بلکہ ترکِ دنیا ایک عمل پیہم کا نام ہے' نفس کے ساتھ جہاد کا نام ہے۔ترکِ دنیا کا مطلب ترکِ حُبِّ دنیا ہے۔''ترک حُبِّ دنیا متاعِ حیات دنیا'' ترک دنیا کا ظاہری پہلو ہے تو'' ترکِ ہستی وخودی'' اس کا باطنی پہلو ہے۔حضرت مہدیؑ نے حیاتِ دنیا سے مراد اشیائے دنیوی یعنی مال ومتاع اور اہل وعیال کی محبت بیان فرمائی ہے۔یعنی ہر وہ چیز جو بندہ کو خدا سے غافل کر دے اُس کی محبت کو دل سے نکال دینے کا نام ترکِ دنیا ہے۔

ترک دنیا کسی رسم کا نہیں بلکہ عمل کا نام ہے اور عمل کے لئے پہلے ارادہ اور نیت ضروری ہے کیوں کہ اس میں ہر قدم پر نفس کے ساتھ جہاد کرنا پڑتا ہے جو کٹھن آزمائش ہے اس لئے اگر عمل کرنے کا ارادہ اور نیت نہیں ہے تو محض ترکِ دنیا کا اعلان بے معنی ہے۔کیوں کہ ''عمل'' شرط ہے ''رسم'' نہیں۔تصدیق کے ساتھ عمل کی شرط صرف معلنہ تارک الدنیا پر ہی نہیں بلکہ کاسب پر بھی عائد ہوتی ہے۔تعلیمات پر کاسب بھی عمل کرسکتا ہے اور کرنا چاہئے یقیناً اس کو سکون واطمینانِ قلب وذہن حاصل ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دنیا کو خطاب کر کے کہتے تھے۔''تو میرے دل کو لبھانا چاہتی ہے' تیری ہوس آلودہ نگاہیں مجھے دیکھ رہی ہیں مگر میں تیری پہنچ سے بہت دور ہوں۔اپنا جال تو اوروں کے لئے بچھا' ایک بار نہیں تجھے تین بار طلاق دے چکا ہوں۔تیری عمر چند روزہ' تیری محفلیں اور آرائشیں فرسودہ اور تیری مصیبتیں بے وزن ہیں مگر افسوس کہ سفرِ طویل' راستہ کٹھن اور سنگلاخ ہے''

تارک الدنیا کو فقیر کہا جاتا ہے۔فقیر مرکّب ہے۔ف۔ق۔ی۔ر۔کا یعنی ''ف'' سے فاقہ۔''ق'' سے قناعت۔''ی'' سے یادِ الٰہی۔اور ''ر'' سے ریاضت۔ان صفات کا حامل فقیر ہی طالبِ خدا ہوتا ہے۔

خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ نے فرمایا کہ فقیر وہ ہوتا ہے جو دنیا کے زنگ کو دل کے آئینہ پر سے محبت کی صیقل سے پاک صاف کر دے اور حق سبحانہ تعالیٰ کے ذکر میں دل لگائے اور غیر کی ہستی کو درمیان سے اُٹھا دے اور حق تعالیٰ کے ساتھ یگانہ ہو جائے اور

اگر ایسا نہ ہوگا تو حاشا وکلاّ حق تعالیٰ تک نہ پہنچ سکے گا۔'' نفس کی اطاعت' زینت وزیبائش کی خواہش' آرام وآسائش کی تمنا' عزت وشہرت کی بھوک' تعریف وتوصیف کی پیاس انانیت' دنیاوحیاتِ دنیا کی طلب' قلب وذہن کوخدا کی محبت سے خالی رکھنا اوراپنی ذات سے محبت رکھنا عاشقِ الٰہی کی صفات نہیں۔حضرت ملک المشائخؒ فرماتے ہیں کہ'' زہدیعنی حلال میں بھی جوشہوت ولذّت کا حامل ہواس کوترک کرکے نفس کودنیاوی لذّتوں سے باز رکھے'' اورسالک کوچاہئے کہ اپنے کوچھوڑ کر باقی سب انسانوں سے محبت والفت رکھے اور اپنے آپ کو ہمیشہ خدااوراس کے رسولؐ کے سامنے ذلیل وخوار سمجھے۔''

ترکِ دنیا کے لوازمات میں ترکِ عزت' ترکِ شہرت' ترکِ لذّت' ترکِ عادت' ترکِ بدعت' ترکِ رسم' ترکِ ریا' اورترکِ تفاخر بھی شامل ہیں۔تفاخر یعنی فخر کرنا دوسروں سے خودکو بڑا سمجھنا یعنی ترکِ دنیا کا مطلب ومقصد صرف مخصوص لباس یا ترکِ کسب تک ہی محدود نہیں بلکہ نفس کے ساتھ جہدِ مسلسل ضروری ہے۔اوراس میں انفرادی اصلاح کے ساتھ ساتھ اصلاح معاشرہ کا پہلو بھی مضمر ہے۔

عصرِ حاضر کا جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کہ آج دنیا میں جتنے بھی سیاسی' سماجی' جماعتی اور انفرادی جھگڑے ہیں انکی وجہ طاقت' عزت' شہرت' دولت اورلذّت کی طلب ہے۔رسومات اورشان وشوکت کے مظاہرے میں مسابقت معاشرہ کی تباہی کا باعث بن گئی ہے۔خدمتِ خلق کا مقصد تسکینِ نفس ہوگیا ہے حالانکہ کہا جاتا ہے کہ'' خدمتِ خلق ایک عبادت ہے'' اورعبادت صرف معبودِ حقیقی کے لئے ہوتی ہے۔یعنی دنیا میں ہماری خدمتِ خلق کا مقصد اگر یہ ہے کہ ہماری شہرت ہو' طاقت میں اضافہ ہو' دولت کا رعب جمایا جاسکے اورلوگ عزت کرنے لگیں تو ظاہر ہے کہ اس میں للّٰہیت نہیں ہے بلکہ اطاعتِ نفس ہے اورانانیت کا جذبہ کارفرما ہے۔بیشک ہم کوعزت وشہرت تو مل جائے گی لیکن اجرنہیں ملے گا بلکہ انانیت عداوت کوجنم دے گی نتیجہ سماج میں انتشار پیدا ہوگا اور یہ خلقِ خدا کی خدمت نہیں بلکہ بدخدمتی ہوگی اورآخریں ہم کوذلّت نصیب ہوگی۔ہمارا کام چاہے دینی ہو یا دنیاوی اس میں للّٰہیت ہونا چاہئے۔عزت وذلت کا دینے والا تو اللہ ہے کوئی انسان نہیں۔مختصر یہ کہ دنیا اورمتاعِ دنیا اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے ہی بنائی ہیں لیکن یہ انسان کا مقصودِ حیات نہیں ہیں۔ہم کومتاعِ دنیا کا غلام بن کرخالق دنیا کو بھول نہیں جانا چاہئے بلکہ خالقِ دنیا کا غلام بن کرمتاعِ دنیا کواپنا غلام بنانا چاہئے۔ یہ بھی ترکِ دنیا کا ایک مفہوم ہے۔

امامناؒ نے فرمایا کہ'' اپنے نفس پرلعنت بھیجو کیونکہ نفس تم کوذلیل کرتا ہے اور ہرایک کے لئے نفس مشکل ہے'' ترکِ دنیا کا مقصد بھی تہذیب وتزکیہ نفس ہے اورمطلبِ زہد فی الدنیا ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ'' نورحیات'' مئی' جون ۱۹۹۵ء)

مہدویت۔ایک سفر منزلِ احسان کی طرف

(جشن میلاد امامناؑ کے موقع پر پیش کردہ ایک مقالہ پر تبصرہ)

اس عنوان کے دو جز قابل توجہ ہیں ایک ہے مہدویت اور دوسرا احسان۔ہمیں یہ جاننا چاہئے کہ مہدویت سے کیا مراد ہے اور منزلِ احسان کیا ہے اور کس طرح مہدویت منزلِ احسان تک پہنچنے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ مہدویت کوئی نیا مذہب یا نیا دین نہیں ہے بلکہ اصل اسلام ہے، عین اسلام ہے، تعبیر اسلام ہے، روحِ اسلام ہے، مہدویت اس پیام وتعلیمات کا نام ہے جن کا اظہار خاتم ولایت محمدیہ خلیفۃ اللہ امامنا سید محمد مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ ہوا۔ان تعلیمات کو فرائضِ ولایت محمدیہ کہا جاتا ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دینِ اسلام کی تکمیل کے بعد ان فرائض کی ضرورت کیوں لاحق ہوئی۔

اگر ہم تاریخ پر نظر ڈالیں تو دین اسلام کے ارتقاء وتکمیل کے پانچ دور ملتے ہیں۔پہلے دور کی ممتاز شخصیت حضرت آدم علیہ السلام میں جن سے ان دور کی ابتداء ہوئی۔دوسرا دور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دور ہے۔مسئلہ وحدت، ختنہ، قربانی وغیرہ آپ ہی کی تعلیمات کی مرہونِ منّت ہے۔تیسرا دور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے جن کو خدا نے کوہِ سینا پر توریت یعنی شریعت دی جس میں ہر کبیرہ اور صغیرہ کی تفصیل کے ساتھ اس کا کفارہ بھی مقرر کیا گیا تھا۔اور داؤد علیہ السلام بھی اسی موسوی شریعت پر عمل پیرا تھے۔جبکہ ان پر زبور نازل ہوئی۔چوتھا دور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے شروع ہوا جو تقویٰ وطہارت کا ایک مکمل نمونہ تھے۔اور جنہوں نے خدا کی محبت، باطنی طہارت، خدا پر توکل اور نیت میں خلوص وغیرہ کی تعلیم دی یہ اور بات ہے کہ آج مسیحیت کا معیار بدل گیا ہے۔اس مسیحی دور کے تقریباً چھ سو سال بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشین گوئی کے مطابق حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا اس طرح پانچویں دور کا آغاز ہوا۔انسانِ کامل خاتم الانبیاءؐ پر جب قرآن کا نزول مکمل ہوگیا اور آپ کی زندگی کا ایک عملی اور مکمل نمونہ پیش ہوگیا تو اس وقت خدا نے اس کی تصدیق فرمادی کہ **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا** (سورہ مائدہ) یعنی آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لئے دین اسلام کو میں نے پسند کیا۔اس آیت میں تکمیل دین کے بعد **اتممت علیکم نعمتی** کا ذکر بھی ہے اور یہاں نعمتوں کا مطلب متاع دنیا، دولت، عزت، شہرت، عیش وعشرت نہیں بلکہ حیات سرمدی، عرفان، قرب الٰہی اور روحانی وباطنی تصرفات ہیں۔یعنی دور محمدی میں خدا نے روحانی نعمتوں کو پورا کردیا جو سابقہ ادوار میں حسب ضرورت دی گئی تھیں۔وہ تمام آنحضرت صلعم کو عطا کی گئیں۔آنحضرت صلعم نے

صرف مخصوص صحابہؓ کو یہ باطنی تعلیم دی یہ سلسلہ اولیائے کرام میں جاری رہا لیکن یہ تعلیمات فرض کی حیثیت نہیں رکھتی تھیں کیوں کہ انہیں فرض قرار دینے کی ذمہ داری خاتم ولایت محمدیہؐ کے سپرد تھی۔ چنانچہ امام مہدی موعود علیہ السلام نے ان تعلیمات کو عوام کے سامنے فرائضِ ولایت کی حیثیت سے پیش کیا یعنی جو نعمت الٰہی مخصوص لوگوں تک محدود تھی وہ عوام کے لئے عام کردی گئی۔ اب جس میں جتنی صلاحیت ہو وہ اتنا قربِ الٰہی کی طرف بڑھ سکتا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ دورِ نبوت اور دورِ ولایت کے درمیانی زمانہ میں اولیائے کرام کی حیات وتعلیمات کے ذریعہ لوگوں کی ذہن سازی ہوتی رہی۔ لوگ بتدریج ان باطنی تعلیمات سے روشناس ہوتے گئے پھر اللہ تعالیٰ نے مہدی موعودؑ کی بعثت کے ذریعہ ان نعمتوں سے سب کو نواز دیا اور اپنے قول ثم ان علینا بیانه کی تکمیل فرمادی اس طرح خلیفۃ اللہ کے طفیل میں ہمیں یہ نعمتیں مل گئیں جو مہدویت کہلاتی ہیں۔ اور مہدویت خدا اور اس کے بندوں کے درمیان رشتۂ محبت استوار کرتی ہے۔ مہدویت فلسفیانہ محبتوں کا نام نہیں ہے بلکہ عملی زندگی کا نام ہے۔ امامناؑ نے صاف الفاظ میں اعلان فرمادیا کہ ''تصدیق بندہ عمل است''

آیئے اب دیکھیں کہ احسان کیا ہے۔ حدیث جبرئیلؑ میں احسان کی جو تعریف بیان کی گئی ہے وہ تو آپ نے سن لی یعنی تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا خدا کو دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اُس کو نہیں دیکھ سکتے تو یہ خیال رکھو کہ خدا تم کو دیکھ رہا ہے۔ احسان کا یہ مطلب ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کو دیکھے یہ تعلیم ولایت محمدیہ سے متعلق ہے۔ عالم اسلام رویت حق تعالیٰ کے تعلق سے تین طبقوں میں منقسم ہے۔ ایک طبقہ سرے سے رویت کا منکر ہے۔ دوسرا طبقہ دار آخرت میں دیدار کا قائل ہے اور تیسرا طبقہ دار دنیا میں دیدارِ الٰہی پر یقین رکھتا ہے۔ امامنا مہدی موعودؑ نے دار دنیا میں دیدارِ خدا کو ممکن قرار دیا اور اس منزل تک پہنچنے کا راستہ بھی بتلا دیا اور آیاتِ قرآنی کی روشنی میں ''طلب دیدار خدا'' کو فرض قرار دیا۔ معلوم ہوا کہ دیدار خدا ہی منزلِ احسان ہے جہاں صاحب ایمان طالب صادق ہی پہنچ سکتا ہے۔ جس کی انانیت اور خودی فنا ہو چکی ہو۔

امامنا مہدی موعودؑ نے فرمایا کہ ''خدا کو پہنچنے کے لئے عشق ضروری ہے۔ اور عشق دل کی توجہ ہمیشہ خدائے تعالیٰ کی طرف قائم رکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح کہ دل میں کوئی چیز مائل نہ ہو۔ بعثتِ مہدیؑ سے قبل اولیائے کرام وصوفیائے عظام نے ترکِ خودی کے بجائے محنت ومشقت کے ذریعہ معرفتِ خدا کی جستجو کی لیکن خاتم ولایت محمدیہؐ نے محنت کو محبت سے بدل دیا اور منزلِ احسان کا سفر آسان کردیا۔ فرائضِ ولایت طالب حق کو بہت نزدیک کے راستہ سے منزلِ احسان تک پہنچاتے ہیں۔ منزلِ احسان کی طرف سفر کا پہلا طریقہ ترکِ دنیا ہے۔ دنیا سے مراہستی وخودی ہے۔ دنیا سے مراد نفس ہے۔ امامناؑ نے فرمایا۔ ''ورائے ترکِ دنیا ایمان نیست'' ایمان سے مراد ذاتِ خدا اور ترک دنیا سے مراد ترک ہستی وخودی ہے۔ آیت کریمہ ''**فمن کان یرجوا لقاء ربه فلیعمل عملا صالحا**'' کی تفسیر میں فرمایا کہ عمل صالح سے مراد فنائے وجود یعنی ہستی وخودی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک انسان نفس کی غلامی سے آزاد نہیں ہوتا وہ حق کی طرف رجوع نہیں ہوسکتا۔ اس لئے طالبِ حق کے لئے سب سے پہلے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب ضروری ہے۔ حصولِ شریعت سے تزکیۂ نفس ہوتا ہے، حصولِ طریقت سے تصفیہ قلب ہوتا ہے۔ اور حصولِ حقیقت سے تجلیۂ روح حاصل ہوتا ہے۔

تزکیہ نفس کے بعد طالب کا دل خدا اور رسولؐ کی محبت سے معمور ہو جاتا ہے۔ دنیا و مافیھا سے اس کا دل سرد ہو جاتا ہے اور اس میں عشقِ الٰہی کا چراغ روشن ہو جاتا ہے اور یہی چراغ راہِ عشق میں مشعلِ راہ کا کام دیتا ہے۔

تزکیۂ نفس وتصفیۂ قلب کے لئے طالب حق کو ایک رہبرِ صادق کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر قدم پر اس کی رہنمائی کر سکے اور مہدویت میں بھی صحبتِ صادقین فرض ہے۔

اس طرح عزلت از خلق، ہجرت، توکل اور ذکر دوام، منزلِ احسان کے اس سفر کے زادِ راہ ہیں جن کے بغیر یہ سفر ناممکن ہے۔ ان تمام فرائض کا مقصد بندہ کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ اپنے خالق کو پا سکے۔

حضرات! کسی بھی سفر کے لئے پہلے ارادہ کرنا پڑتا ہے اس کے بعد سفر کی تیاری پھر سفر کا آغاز۔ منزلِ احسان کی طرف سفر کا ارادہ کیا ہے اس کا اصطلاحاتِ صوفیہ میں اس طرح ذکر ہے کہ ''ارادہ دل میں عشق کی آگ کی ایک چنگاری ہے جو دعوتِ حقیقت کی طرف راغب کرتی ہے''، یعنی عشقِ الٰہی کی طرف رغبت ''ارادہ'' ہے ارادہ کو نیت بھی کہہ سکتے ہیں اور طلب بھی۔ امامناؑ نے ''طلبِ دیدار خدا'' کو فرض قرار دیا ہے۔ اور طلب میں تقویت پیدا کرنے کے لئے اصلاحِ نفس کی تعلیم دی ہے یعنی قوتِ ایمانی کے ذریعہ نفس پر قابو پانا تاکہ دل خدا کی طرف مائل ہو اور وصال حاصل ہو۔

طالب حق جب ترکِ دنیا یعنی ترکِ نفس کر کے دنیا و مافیھا سے بے نیاز ہو کر عزلت از خلق اختیار کرتا ہے یعنی ظاہری طور پر دنیا داروں کی صحبت سے دور رہتا ہے اور باطنی طور پر دل کو غیر حق کی محبت سے خالی رکھتا ہے اور دل کو غیر اللہ کے خطرہ سے بچائے رکھتا ہے اور صادقین کی صحبت اختیار کرتا ہے اور توکل اختیار کرتا ہے یعنی خدا کو اپنا وکیل مقرر کر کے خود کو خدا کے حوالے کر دیتا ہے۔ اور اُس کی مرضی یعنی تقدیر پر راضی ہو جاتا ہے۔ اور فی سبیل اللہ ہجرت کرتا ہے یعنی ظاہری طور پر تو وطن سے لیکن باطنی طور پر اپنے نفس سے اور اپنے معشوق کی یاد میں منہمک ہو جاتا ہے تو منزلِ احسان کا سفر آسان ہو جاتا ہے ۔ یاد رہے کہ دیدارِ خدا کے اس سفر میں ذکر اللہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ ذکر دل کا صیقل ہے اور دل محلِ معرفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے جمال کا مشاہدہ دل کی صفت ہے بدن اس کا تابع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''قیامت کے دن آدمی کو نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد بلکہ اس دن قلبِ سلیم ہی کام آئے گا'' قلبِ سلیم وہ دل ہے جس میں خدا کے سوا اور کوئی چیز نہ ہو۔ مہدویت میں پاس انفاس یعنی ذکر اللہ کے ذریعہ قلب کو سلیم بنایا جاتا ہے تاکہ وہ انوارِ الٰہی سے منور ہو سکے اور طالب حق بصیرت کی منزل پر فائز ہو سکے۔ حضرات! یاد رہے کہ مہدویت کسی فلسفہ کا نام نہیں ہے بلکہ عمل کا نام ہے۔ ہم ہزاروں صفحات بھی اس پر لکھ دیں یا گھنٹوں، مہینوں یا برسوں، اس پر تقریر کرتے رہیں تو کچھ حاصل نہ ہوگا جب تک کہ عمل نہ کریں۔ باعمل مقبول بے عمل مردود۔ جو شخص جتنا محنت کرے گا اتنا قرب الٰہی حاصل کرے گا۔ تصدیق کے ساتھ عمل لازم ہے اگر ہم اس حقیقت کو سمجھ لیتے ہیں تو یقیناً منزلِ احسان کی طرف ہمارا سفر آسان ہو جائے گا۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''نورِ حیات'' ڈسمبر ۱۹۹۵ء)

تذکرۂ حضرت بندگی میاں شاہ نعمتؓ

فانی فی اللہ، باقی باللہ، مقراض بدعت، دافع بلیات، شہید فی سبیل اللہ

سنہ ولادت ۸۷۴ھ۔ تاریخ شہادت ۲۲ رشعبان ۹۳۵ھ

حضرت بندگی میاں شاہ نعمتؓ کے والد شیخ بڑے (ملک بڑے) والی گجرات محمود بیگڑہ کے معتمد علیہ وزیر تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جاملتا ہے۔ والد کے انتقال کے بعد منصب آپ کو ملا لیکن جوانی طبیعت کی سختی کی وجہ سنبھال نہ سکے، سپاہ گری اور پہلوانی میں ماہر تھے، کسی اختلاف کی وجہ سے سات اکابر گجرات اور ایک شاہی غلام عبداللہ حبشی کے لڑکے کو قتل کر ڈالا، سلطان محمود نے آپ کی گرفتاری کے لئے تقریباً ایک ہزار سوار روانہ کئے۔ لیکن آپ اطلاع ملتے ہی اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکل گئے۔ سانتیج (رکن پور) کے قریب عصر کی اذان سنائی دی۔ آپ نے ساتھیوں کو نماز کے لئے رکنے کو کہا لیکن خلاف مصلحت سمجھ کر وہ چلے گئے۔ آپ نے بہرصورت نماز ادا کرنے کا فیصلہ کیا اور وضو کر کے نماز میں مشغول ہو گئے۔ سرکاری سوار بھی آ پہنچے لیکن آپ کو پہچان نہ سکے اور آگے بڑھ گئے۔ دوسرے سواروں کو پالیا اور سب کو تہ وتیغ کر کے شاہ نعمت کے بھانجے ابومحمد کا سر اپنے ساتھ لے گئے انہیں گمان تھا کہ یہی شاہ نعمتؓ ہیں۔

نماز سے فراغت کے بعد شاہ نعمتؓ نے کسی اہل موضع سے پوچھا کہ یہاں اذان کس نے دی تو اُس نے کہا کہ متوکلوں کی ایک جماعت حضرت سید محمد جونپوری کی سرکردگی میں احمد آباد سے یہاں آئی ہوئی ہے۔ یہ سن کر آپؓ اسی وقت حضرت امام مہدی موعودؑ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اس وقت امامؑ بیان قرآن فرما رہے تھے۔ بیان سن کر شاہ نعمتؓ بے اختیار ہو گئے اور افعال گذشتہ کو یاد کر کے رونے لگے بعد نماز مغرب امامؑ نے ان کو نام سے پکارا۔ آنحضرت کی نظر پڑتے ہی ساری برائیاں محو ہو گئیں۔ آپ کے قدموں پر گر گئے۔ اور اپنی قتل وغارت گری کا تمام ماجرا کہہ سنایا۔ حضرت امامؑ نے ذکر خفی کی تلقین کی اور فرمایا کہ خدا غفور ورحیم ہے، گناہ بخش دے گا لیکن حق الناس اس کے مستحق سے معاف کرانا ضروری ہے۔ چنانچہ امامؑ کی اجازت سے شاہ نعمتؓ گناہ معاف کرانے کے لئے روانہ ہو گئے سب سے پہلے ننگی تلوار لے کر عبداللہ کے گھر گئے اور آواز دی۔ تلوار دیکھ کر وہ ڈر گیا لیکن قاتل نعمت کے بجائے عاجز وغریب نعمتؓ کو کھڑا پایا۔ باہر نکلا آپ نے تلوار اس کے ہاتھ میں دی اور کہا کہ تیرے لڑکے کا قصاص ادا کرنے آیا ہوں اور گردن جھکا دی۔ اس تغیر پر عبداللہ کو سخت تعجب ہوا دریافت کرنے پر شاہ نعمتؓ نے تمام واقعہ کہہ سنایا۔ اس نے خون معاف کر دیا اور خود بھی امامؑ کی خدمت میں چلنے کی خواہش ظاہر کر دی۔ اس طرح آپ نے تمام مستحقین سے ان کے حقوق معاف کرائے۔ اور مکان جا کر اپنی

بیویوں کا حق ادا کر کے انہیں ان کا اختیار دے دیا اور کہا کہ بندہ نے حضرت سید محمد کی صحبت اختیار کر لی ہے۔ آپؓ عبداللہ کے ہمراہ روانہ ہوگئے۔ پٹن (نہر والا) میں حضرت امامؑ سے آملے۔ عبداللہ بھی تصدیق سے مشرف ہوئے۔ ہجرت کرتے ہوئے ٹھٹھہ پہنچے تو گجرات سے ان کی بیویوں کا خط وصول ہوا کہ آکر ہمیں بھی لے جائیں ہم بھی حق کے طلب گار ہیں۔ آپؓ نے عذر کیا کہ مجھے آنحضرتؑ کی جدائی منظور نہیں ہے لیکن امامؑ نے اسے مقصد خدا بتلا کر آپ کو روانہ فرمایا۔

شاہ نعمت جب واپس ہوئے تو امامؑ فرہ مبارک میں تھے۔ یہاں آپ آخر وقت تک امام آخر الزماں کے ساتھ رہے۔ بہ وقت وصال آپ کی آہٹ پا کر امامؑ نے پوچھا کہ کون ہے؟ آپ نے کہا کہ بندہ نعمت ہے۔ فرمایا کہ نعمت کو معہ اہل وعیال کے اللہ نے بخش دیا۔ اور اپنی ٹوپی اپنے دست مبارک سے شاہ نعمت کے سر پر رکھ دی۔ رحلت کے بعد شاہ نعمتؓ ہی نے آپ کو غسل دیا۔

(تذکرۃ الصالحین، پنج فضائل، سوانح مہدی موعودؑ)

بشارتیں: حضرت شاہ نعمتؓ کے متعلق امام ناعلیہ السلام نے جو بشارتیں دی ہیں وہ درج ہیں۔

آنحضرت نے شاہ نعمتؓ کو معہ اہل وعیال بخش دیئے جانے کی بشارت دی اور انہیں خلفاء اثنا عشرہ مبشرہ میں شمار کیا یعنی قطعی جنتی ہونے کی بشارت دی۔ آنحضرتؑ نے شاہ کو مقراض بدعت کہا اور فانی فی اللہ، باقی باللہ ہونے کی بشارت دی۔ امامؑ نے فرمایا کہ میاں نعمتؓ کے نام کا سر حرف نون ہے سر سے پاؤں تک نور خدا سے منور ہیں نیز فرمایا کہ آپ عہد ولایت کے عمرؓ ہیں۔ مرد شجاع ہیں۔ حیاء میں ثانی عثمانؓ ہیں۔

آنحضرت نے آیت وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا (سورہ النور آیت ۲۲) ترجمہ: اور قسم کھا بیٹھیں تم میں سے بڑائی والے اور صاحب مقدور اور اس بات کی کہ وہ کچھ نہ دیں گے قرابت داروں اور محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو اور ان کو چاہئے کہ معاف کر دیں اور درگذر کریں۔ (نقلیات بندگی میاں عبدالرشید، حاشیہ شریف، پنج فضائل، تذکرۃ الصالحین)

توکل: اگر کوئی راہ خدا میں فتوح لاتا تو آپ ضرورت ہو تو قبول فرماتے ورنہ لوٹا دیتے کہ آج ہم مضطر نہیں ہیں دوسرے کسی دائرہ میں پہنچا دو۔ حضرت شاہ نعمتؓ نے معاملہ دیکھا کہ حضرت امامؑ نے ایک سبز پھل دیا اور فرمایا کہ میاں نعمتؓ! یہ توکل کا پھل ہے مضبوط پکڑ لو۔

سویت: حضرت بندگی میاں شاہ نعمتؓ کو صحابی مہدیؑ ہونے کا شرف حاصل ہے آپ کا ہر کام امامؑ کی اتباع میں ہوتا تھا آپ صرف اضطراب کی صورت میں ہی فتوح قبول فرماتے تھے۔ ناگور میں شاہ نعمتؓ کے دائرہ میں ایک شخص کا انتقال ہوگیا۔ پچاس فیروزی سکے ترکہ میں ملے۔ اس کے ورثاء کہیں موجود تھے لیکن آپ نے فقراء دائرہ میں سویت کر دینے کا حکم دیا اور یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ ''

تحقیق کہ جولوگ ایمان لائے اورانہوں نے ہجرت کی اپنے مال وجان سے راہ خدامیں جہادکیااورجن لوگوں نے ان کو پناہ دی اوران کی مدد کی وہ سب (مومنین) ایک دوسرے (کی میراث) کے ولی ہیں جولوگ ایمان لائے اورانہوں نے ہجرت نہ کی تمہارااان سے میراث کا کوئی تعلق نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔(جزء ارکوع ٦)

ایک بوہرہ جوشاہ نعمتؒ کا تلقین شدہ تھا شاہ نظامؒ کے پاس عشر لایا تو شاہ نظامؒ نے فرمایا کہ یہ تمہارے مرشد کا حق ہے انہیں پہنچادو۔آپ کے پاس آیا تو شاہ نعمتؒ نے فرمایا کہ یہ فتوح لینا جائز نہیں ہے۔کیونکہ نفس کا تکیہ ہوتا ہے اس کو شاہ دلاورؒ کے پاس پہنچادو تو خدا کو پہنچ جائے گا۔

حضرت بندگی میاں شاہ نعمتؒ نے فرمایا فتوح ان فقراء کا حق ہے جو خدا تعالیٰ پر توکل رکھتے ہوں اورکسب ترک کر چکے ہوں۔چنانچہ سندھ کے دائرہ میں کچھ عورتوں نے کشیدہ کاری کی تو آپ نے انہیں سویت دینے سے منع فرمادیا۔(تقلیات بندگی میاں عبدالرشید، پنج فضائل)

تاثیر پسخوردہ: گروہ مہدویہ میں جھاڑ پھونک کے بجائے پسخوردہ کا طریقہ رائج ہے جورسول مقبول صلعم کی اتباع ہے۔چاپانیر میں شاہ نعمتؒ کے پاس ایک شخص آیا جس کی گردن تیڑھی ہوگئی تھی اس نے عرض کیا کہ کچھ پڑھ کر پھونک دیجئے۔آپ نے فرمایا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا اگر چاہوتو پسخوردہ لے لوانشاءاللہ شفا ہوجائے گی۔اس نے پسخوردہ لے کر کچھ گردن پر ملا اسی سے شفاء ہوگئی۔

بیلا پور میں کسی کے گھروں میں پتھر گرتے تھے اس آسیب سے لوگ سخت خوف ودہشت میں مبتلا تھے۔شاہ نعمتؒ کے حکم سے اجماع کا پسخوردہ گھروں کے چاروں طرف چھڑک دیا گیا اورآسیب زدہ کو پلا دیا گیا۔جس سے بلا دافع ہوگئی۔

ایک دن نظام الملک والی احمدنگر نے عرض کیا کہ قلعہ میں شیاطین بہت ہیں اورخطرہ کا باعث بنے ہوئے ہیں۔شاہ نعمتؒ نے تین تدبیریں فرمائیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ اجماع المومنین کا پسخوردہ پلاؤ تمام بیماریاں اور بلائیں دفع ہوجائیں گی۔

(پنج فضائل، تذکرۃ الصالحین)

فضائل: فرہ مبارک میں فرزند امام آخرالزماں میاں سید حمیداللہؒ علیل ہوگئے امامؑ نے بی بی ملکانؓ سے فرمایا کہ میرے اصحاب کو کھلاؤ تو شفا پاؤ گے۔بی بی نے چند صحابہ کو کھلایا۔لیکن شاہ نعمتؒ موجود نہ تھے بی بی نے عرض کیا کہ ان کی سویت کا کھانا ان کے گھر بھیج دیں گے۔امامؑ نے فرمایا کہ جب وہ اپنے گھر آئیں تو انہیں بلا کر سید حمید کے پاس بٹھا کر کھلاؤ جلد شفا ہوگی۔چنانچہ آپ کو فرزند امامؑ کے نزدیک کھلایا گیا، جب آپ روانہ ہوئے تو امامؑ نے بی بی سے فرمایا کہ میاں نعمت کے قدموں تلے دیکھو کہ سیاہ گولے لڑھکتے جارہے ہیں۔جو بلیات ہیں ان بھائیوں کے قدموں کی برکت سے دفع ہوگئیں۔اس لئے شاہ نعمتؒ کو دافع بلیات کہا جاتا ہے۔

کسی نے شاہ نعمتؒ سے کہا کہ لوگ نئے نئے آتے ہیں بیان قرآن ذرا نرمی وآہستگی سے کیجئے آپ نے جواب دیا کہ بندہ

حضرت مہدیؑ کی صحبت سے بہرہ ور ہے طالب دنیا بندہ کے پاس آتا ہے تو حق گوئی میرا فرض ہے اگر وہ رہا اس کے نصیب اور اگر بھاگ گیا تو بلا گئی۔ بندہ کسی کا تابع نہیں ہے۔اس واقعہ سے آپ کی حق گوئی ظاہر ہوتی ہے۔

سفر کے دوران فقراء سخت مضطر تھے۔یعنی فاقہ چل رہا تھا شاہ نعمتؓ دوسرے قافلہ کے لوگوں کو پانی پلانے لگے اور جو کچھ حاصل ہوتا اس سے اپنے فقیروں کو کھلاتے۔ایک دن ایک کوڑی سے ملاقات ہوئی جس کے جسم سے ریزش بہہ رہی تھی۔اور ایک آنکھ سے خون جاری تھا۔شاہ نے پانی پلایا اس کوڑی کے ہاتھ بغیر ہڈی کے دیکھ کر آپ سمجھ گئے کہ یہ خواجہ خضرؑ ہیں۔اس وقت دونوں گلے مل گئے۔

جب اس خلیفہ امامناؑ کے قدم گجرات سے دکن کی طرف اٹھے تو دریائے گوداوری میں طغیانی تھی۔آپ بسم اللہ کہکر پانی میں اتر گئے پانی کمیاب ہوگیا۔ پہلے فقراء کرام اور بعد آپؓ پار ہوئے۔(پنج فضائل' منہاج التقویم) حاشیہ میں لکھا ہے کہ ندی میں اتر کر آپ نے انگشت مبارک سے اشارہ کیا تو پانی جدا ہوکر ایک راستہ بن گیا جس میں سے تمام لوگ پار ہوگئے۔

آپ کی صحبت کیمیا اثر کا حال دیکھئے کہ دکن کے راستہ میں سات بیروزگار گجراتی سپاہی ملے جو روزگار کی تلاش میں برہان پور جارہے تھے۔آپ نے فرمایا کہ ہمارے پاس نوکر ہوجاؤ۔انہوں نے تعجب سے کہا کہ آپ فقیر ہیں ہم کو تنخواہ کہاں سے دیں گے۔آپ نے فرمایا کہ تم کو اس سے کیا غرض۔ ہر شب اپنی تنخواہ لے لیا کرو۔کام صرف یہی ہے کہ ہمارے ساتھ رہو۔وہ لوگ راضی ہوگئے۔اور اہل دائرہ کے ساتھ نماز ادا کرنے لگے اور بیان قرآن سننے لگے۔دو دن تک تنخواہ لیتے رہے لیکن تیسرے دن ان کا مقدر چمک اٹھا تمام سپاہی تصدیق مہدیؑ سے مشرف ہوگئے۔ترک دنیا کر کے تلقین پائی۔ یہ ساتوں طالبان خدا لوہ گڑھ میں شاہ نعمتؓ کے سامنے شہید ہوگئے اور گنج شہیداں میں دفن ہیں۔

ایک اہل دائرہ نے جن کے والد مالدار تھے شاہ سے آپ کی دختر سے شادی کی درخواست کی تو جواباً فرمایا کہ میں اپنی لڑکی اس شخص کو دوں گا جس کا لباس پیوند بھرا ہو یعنی طالب کامل ہو۔چنانچہ آپ نے اپنے دونوں لڑکیوں کی شادی دائرے کے ایسے فقراء سے کی جو آپ کے ہم نسب نہ تھے بعض لوگوں نے اعتراض کیا تو فرمایا کہ مجھے ان کے نسب سے غرض نہیں بلکہ ان کی دینداری سے غرض ہے۔ میں نے اس آیت پر عمل کیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''خدا کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے'' (سورہ الحجرات آیت ۱۳) اس واقعہ میں اہل بصیرت کے لئے سامان عبرت موجود ہے۔

بندگی میاں شاہ نعمتؓ کے دائرہ کی بی بیاں جمعہ کے روز میاںؓ کے گھر آئیں بی بی تعظیم کے لئے نہیں اُٹھیں۔میاںؓ کو خبر ہوئی تو بی بیؓ سے دریافت فرمایا کہ کیوں نہیں اٹھیں۔بی بیؓ نے عرض کیا کہ اس وقت بچہ کو دودھ پلا رہی تھی اس لئے نہیں اٹھی۔میاںؓ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ اس بچہ کو اٹھالے گا۔دوسرے ہفتہ میں اس بچے نے وفات پائی (حاشیہ)

بندگی میاں شاہ نعمتؓ کے دائرہ سے ایک برادر موافق کے گھر گیا۔شاہ نعمتؓ نے اس برادر کو راستہ کا خرچ دے کر دائرہ کے باہر کر دیا اور فرمایا کہ اس کھجلی بھرے اونٹ کو علیحدہ کر دینا چاہئے تاکہ دوسروں کو کھجلی نہ لپٹے (حاشیہ)

بندگی میاں شاہ نعمتؓ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے اس زمانہ میں بندہ کو باطنی تقویٰ کامل عطا کیا۔اس کے بعد آپ کعبۃ اللہ کوتشریف لے گئے۔(حاشیہ)

موضع بیرم میں آپ کے رشتہ دار ملنے آئے۔آپ نے ان کی خاطر و مدارات کی ان میں سے ایک نے کہا کہ ہم آپ کے قرابت دار ہیں تو شاہ نے فرمایا کہ میرے قرابت دار تو یہ فقراء ہیں جو طالبان حق ہیں۔تم لوگ ملک بڑے (والد) کے اقرباء ہوں گے۔البتہ جب تم لوگ ترک دنیا کر کے ہجرت کر کے آئیں گے اس وقت ہمارے قرابت دار ہوں گے۔ایک دن میاں ابراہیمؒ اپنے تین بچوں کو لے کر جارہے تھے تا کہ دوسروں کو دیدیں کہیں ان کی پرورش کی فکر عبادت میں خلل نہ ڈالے آپ نے فرمایا کہ تمہارا اوران کا رازق خدا ہے ان کے سبب تمہارے درجے بلند ہوں گے۔جاؤ ذکر خدا میں مشغول ہوجاؤ۔

حضرت بندگی میراں سید محمودؒ کے وصال کے وقت شاہ یعقوبؒ آٹھ سال کے تھے سن بلوغ کو پہنچے تو پدر محترم کی تلقین کے مطابق ذکر خفی کے تازہ دم کے لئے شاہ نعمتؓ کے پاس حاضر ہوئے۔لیکن آپ نے مناسب نہ سمجھا کہ میراں سید محمودؒ کے دم پر اپنا دم دیں۔لیکن ثانی مہدیؑ کی روح مبارک سے آپ کو تازہ دم دینے کا حکم ملا کہ ہم اور تم ایک وجود ہیں۔چنانچہ شاہ نعمتؓ نے شاہ یعقوبؒ کو بلوا کر ذکر خفی کا تازہ دم دیا اور فرمایا کہ پس تم کو میراں سید محمودؒ کا دم یاد دلایا ہوں اپنا نہیں اس لئے شاہ یعقوب میراں کے سلسلہ سے مخلوق کو تربیت کرتے تھے۔اس واقعہ سے آپ کی بزرگی معلوم ہوتی ہے کہ آپ آل مہدیؑ کا کیسا احترام کرتے تھے۔معرکہ بدرولایت میں عدم شرکت پر شاہ نعمتؓ کو بہت رنج ہوا لیکن یہ تو مصلحت خداوندی تھی۔

حضرت بندگی میاں شاہ نعمتؓ کے چار بیویاں اور چار لڑکیاں تھیں۔میاں کبیر سجاوندی، شاہ عبدالکریم نوری اور دیگر دو فقرائے دائرہ آپ کے داماد تھے۔

خلفاء: آپ کے ہمشیر زادہ میاں ولی محمد، کبیر سجاوندی (داماد) میاں عبدالمومن سجاوندی، میاں سید بڑے اور قاضی منتجب الدین (مولف مخزن الدلائل) آپ کے خلفاء ہیں۔

فرمودات: آپ نے فرمایا کہ نیک صحبت اس کو کہتے ہیں جو (فعل بد سے) اس کو منع کرے جس کا قول وفعل قرآن شریف کے خلاف ہو اس معاملہ میں رعایت نہ کرے۔آپ نے فرمایا کہ جو شخص شریعت سے مرتد ہوا واجب القتل ہے۔حضرت مہدی علیہ السلام نے بھی یہی حکم عائد کیا ہے لیکن علم ظاہری کی رعایت پسند نہیں۔اللہ کے پاس اُمّی و عالم دونوں دوزخ کے عذاب میں برابر ہیں۔(حاشیہ انصاف نامہ) نیز فرمایا کہ جس نے خدائے تعالیٰ کی راہ اختیار کرنے کے بعد دنیا کو طلب کیا تو وہ مرتد ہے یہاں تک کہ اس کام کو ترک کرے اور خود پر حرام جانے اور توبہ کرے تو خدائے تعالیٰ اس کو بخشے۔(حاشیہ)

بندگی میاں شاہ نعمتؓ نے فرمایا کہ مبتدی طالب خدا کے لئے حجرہ سے باہر جانے میں بہت نقصان ہے کیونکہ ہر چیز کو دیکھتا ہے تو اس کی آرزو کرتا ہے، پریشان ہوتا ہے لیکن اگر منتہی جاتا ہے تو ہر قدم پر قدرت کی شہادت دیتا ہے۔کیونکہ ہر چیز کو دیکھتا ہے اگر نفس

میں خطرہ آتا ہے تو اس کی نفی کرتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا۔ بازار کو جانے سے اس کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ (حاشیہ)

واقعۂ شہادت: آپ احمد نگر سے لوہ گڑھ روانہ ہوئے۔ دائرہ میں روزانہ جو تسبیح کہی جاتی تھی وہ آپ کے مخالفین کے لئے ناقابل برداشت تھی لیکن حملہ کرنے کی جراءت بھی نہ تھی۔ قلعہ لوہ گڑھ کے سپاہیوں نے ۲۲ رشعبان ۹۳۵ھ کو سہ پہر فقراء کے حجروں کو آگ لگادی۔ شاہ کے صبر و تحمل کی داد دیجئے کہ حجروں کے جل جانے پر ایک میدان میں قیام فرمایا۔ اور عصر و مغرب کی نمازیں ملا کر ادا کیں۔ کچھ فقراء حجروں کی دوبارہ تعمیر کے لئے لکڑی، گھانس وغیرہ لانے گئے تھے۔ آپ کے ساتھ صرف سولہ فقراء تھے مصلے پر بیٹھے ہوئے آپ نے آسمان کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ فقراء نے دریافت کیا تو فرمایا کہ آج آسمان منور نظر آرہا ہے حور و ملک آرہے ہیں دیکھیں آج کیا ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ بعد عشاء کے حسب معمول تسبیح کہی گئی تو قلعہ دار کفش دار خاں کے حکم پر لوہ گڑھ میں پوشیدہ فوج حملہ آور ہوئی۔ فقراء نے بھی مقابلہ کیا اور جام شہادت نوش فرمایا اس روز جملہ سترہ طالبان حق شہید ہوئے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

شہادت کے وقت آپ کی عمر شریف اکسٹھ برس تھی تمام شہداء لوہ گڑھ میں مدفون ہیں۔ (حاشیہ تذکرۃ الصالحین، پنج فضائل)

قلعہ لوہ گڑھ فلک بوس پہاڑوں پر واقع ہے جو شاہ نعمتؒ کی مزار مبارک کے مغرب اور شمال میں واقع ہیں۔ قلعہ کے آثار آج بھی دکھائی دیتے ہیں۔ شاہ کا مزار مبارک ان پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے۔ بازو ہی چشمہ بہتا ہے اور ایک کنواں بھی ہے۔ جنوب مشرقی پہاڑوں کے باہر ایک ڈیم اور کالے کالونی آباد ہے۔ اس کالونی سے آپ کے مزار مبارک کو پہنچنے کے لئے تقریباً پانچ میل کھیتوں اور کہساروں میں واقع پگڈنڈی سے گزرنا پڑتا ہے۔ (فی الوقت سڑک تعمیر ہو چکی ہے۔ روضہ مبارک کے قریب کچھ دور کچی سڑک ہے) مزار کے جنوب میں ایک اونچے ٹیلے پر مسجد بنی ہوئی ہے آپ کا مزار آج بھی مرجع خواص و عوام ہے۔ آپ شہر پونا، شولا پور اور دوسرے مواضعات میں حضرت نعمت باباؒ کے نام سے مشہور ہیں۔ براہ سڑک جانے والے زائرین پونا سے بمبئی شاہراہ کے ذریعہ جاسکتے ہیں۔ راستہ میں پونا اسٹیشن کے بعد کھرکی، روڑ گاؤں اور تلے گاؤں ملے گا، تلے گاؤں پر ایک مقام کام سیٹھ سے شاہراہ کی ایک شاخ بائیں جانب نکلتی ہے جو کالے کالونی جاتی ہے یہ کالونی شاہراہ سے تقریباً ۱۵ کلومیٹر ہے۔

پہاڑ کے دامن میں ایک بڑے چبوترے پر ایک چہار دیواری ہے جس میں آپ کا ایک ہی مزار ہے۔ چار دیواری کے پیچھے چبوترہ ہے جو گنج شہیداں ہے اس لئے لوگ چار دیواری کے باہر ہی کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھتے ہیں۔ چبوترے کے آس پاس دوسرے قبریں ہیں۔

۸۷۴ھ میں طلوع ہونے والا یہ آفتاب ۹۳۵ھ میں غروب ہو گیا لیکن اس کی کرنیں آج بھی ہمارے قلوب کو منور کر رہی ہیں۔ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ کیسے آپ نے ان دشوار گذار راہوں کو طئے کیا ہوگا اور آپ کا توکل کیسا ہوگا۔ شہید فی سبیل اللہ کا مزار مبارک اور گنج شہیداں آج بھی منور نظر آتے ہیں۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم بارونق مقام پر کھڑے ہیں کیوں نہ ہو آپ کو تو ذات امامؑ میں کامل فنا حاصل تھی۔ (مطبوعہ ماہنامہ ''نور حیات'' نومبر، ڈسمبر ۱۹۷۱ء)

عاشق پاک

حضرت امام آخرالزماں مہدیٔ موعودؑ نے سلطنت شرقیہ کے تاجدار سلطان حسین شرقی کے ساتھ ۸۷۵ھ میں والی گوڑ راجہ رائے دلپت سے جہاد فرمایا اور فتح عظیم حاصل کی۔ جنگی قیدی سلطان کے ہاتھ لگے اس میں راجہ کے بھانجے دلاور بھی شامل تھے۔ انہیں سلطان نے اپنی لاولد بہن سلیمہ خاتون کے حوالہ کیا۔ میاں دلاورؓ میں غیر معمولی صفات پاکر انہوں نے امامؑ کی خدمتِ اقدس میں روانہ کر دیا۔ حضرت مہدیؑ نے دیکھتے ہی فرمایا کہ یہ دلاور نہیں شاہ دلاور ہیں۔ انہیں ذکر خفی کی تلقین فرمائی اور اپنا دستِ مبارک ان کے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ ''مرید اللہ ہو جاؤ'' پھر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ ''مراد اللہ ہو جاؤ'' اس قدر اثر ہوا کہ میاں دلاور بے ہوش ہو گئے اور کہتے ہیں کہ آپ کا دل ایسا منور ہو گیا کہ فرش سے عرش تک کوئی پردہ نہ رہا۔

حضرت امامؑ نے ۸۸۷ھ میں بہ حکم خدا جونپور سے ہجرت فرما کر دانا پور کی راہ لی۔ یہاں آپؑ کی حرم محترم بی بی الہدادیؓ نے خواب دیکھا کہ حضرت سید محمد کو ''خاتم ولایت محمدی'' مقرر کیا گیا ہے۔ بی بی نے آپؑ سے عرض کیا تو فرمایا کہ بندہ کو بھی خدا کا فرمان ہوا ہے کہ بندہ مہدی موعود ہے لیکن ابھی تاکیدی حکم نہیں ہے وقت پر خود بخود ظاہر ہو جائے گا۔ بی بی نے اسی وقت تصدیق مہدیت کی سعادت حاصل فرمائی۔ اتفاق سے خیمہ کے پیچھے حضرت میراں سید محمودؓ اور شاہ دلاورؓ بھی موجود تھے۔ اور انہوں نے یہ گفتگو سن لی۔ اس موقعہ پر حضرت میراں سید محمود جذبۂ الوہیت میں ایسے سرشار ہوئے کہ بے ہوشی طاری ہو گئی اور گر پڑے۔ حضرت مہدیؑ کو معلوم ہوا تو خود اٹھا کر اندر لے گئے اور فرمایا کہ سید محمود کا گوشت پوست اور بال بال الا اللہ ہو گیا ہے اور فرمایا کہ جو کچھ فیض مجھے ملا ہے میرے واسطے سے سید محمود کو بھی ملا ہے۔ غرض ہوش آنے پر تصدیق و تلقین سے مشرف ہوئے۔ میاں دلاور بھی منتظر تھے جب حضرت مہدیؑ باہر تشریف لائے تو رات کا ماجرہ عرض کیا اور حضرت مہدی کی تصدیق و تلقین کا شرف حاصل کیا۔ تلقین کا ایسا اثر ہوا کہ شاہ دلاور جذبۂ حق میں مستغرق ہو گئے۔ امام ہدیٰ نے دانا پور سے کالپی کا رخ فرمایا تو شاہ کو سفر کے قابل نہ پاکر انہیں میاں دراجؓ کی مسجد میں چھوڑ دیا اور کالپی، چندیری، چاپانیر، مانڈو، برہان پور، دولت آباد، احمد نگر، بیدر، گلبرگہ، بیجاپور وغیرہ مقامات سے ہجرت کرتے ہوئے بندرگاہ ڈابھول سے بعزم حج جہاز میں سوار ہو گئے۔ بعد فراغت حج بذریعہ جہاز دیو بندر پہنچ کر ہندوستان میں تشریف لائے اور ۹۰۳ھ کے اوائل میں احمد آباد پہنچے۔ یکایک شاہ دلاورؓ کو ہوش آ گیا اور جسمِ مہدیؑ کی خوشبو محسوس ہونے لگی۔ سولہ برس جذبۂ حق میں مستغرق رہنے کے بعد شاہؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور نکہتِ مہدیؑ کو رہبر بنا کر احمد آباد کی طرف چلے۔ میاں دراج بھی ساتھ ہو گئے۔ آپؓ نے میاں دراج سے کہا کہ میرے قدموں کے نشان پر اپنا قدم رکھتے ہوئے آؤ۔ دانا پور سے احمد آباد تک سینکڑوں میل کا فاصلہ صرف گیارہ دن میں طئے کر کے مہدی ہدیٰ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور تا وفات ساتھ رہے۔

بشارتیں:

حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا میاں دلاورؓ پر عرش سے فرش تک ایسا روشن ہے جیسا کہ کسی کے ہاتھ میں رائی کا دانہ ہو۔ نیز فرمایا کہ جس طرح میرا فیض تا قیامت جاری رہے گا اسی طرح میاں دلاورؓ کا بھی فیض قیامت تک جاری رہے گا۔ بندہ کو اور میاں دلاور کو سوائے خدا کے کوئی نہیں پہچانتا ہے۔

ایک دن شاہ دلاورؓ نے حضرت مہدی سے عرض کیا کہ مجھے مرتبہ شہادت عطا فرمایئے۔ آپ نے فرمایا تم وہ شخص ہو کہ تم پر کوئی قادر نہیں ہوسکتا۔ خلیفۃ اللہ کی بشارت میں کسی کو کیا کلام ہوسکتا ہے۔ تاریخ میں کئی ایسے واقعات ہیں جن سے اس بشارت کی توثیق ہوتی ہے۔ سانتیج میں شاہ عالمؒ کی پوتی بی بی خونزاؒ سے آپؓ نے عقد فرمایا تو بی بی کی برادری کے لوگ خفا ہوگئے اور آپ کو قتل کرنے کے ارادے سے دونوں بھائی سید کرم علی اور سید مکرم علی چالیس سپاہیوں کے ساتھ آئے۔ اس وقت آپؓ مسواک فرما رہے تھے اور میاں یوسفؓ پانی ڈال رہے تھے۔ ان لوگوں نے عقب میں آکر تلواریں سونت لیں لیکن جیسے ہی آپ نے پیچھے کی طرف نظر ڈالی وہ خوفزدہ ہوگئے اور قدموں پر گر گئے۔ آپؓ نے بیان قرآن شروع کیا۔ اس قدر اثر ہوا کہ تمام مخالفین نے جو بعزم قتل آئے تھے خود کو آپؓ کے حوالہ کر دیا اور تصدیق سے مشرف ہوئے اور ترک دنیا کر کے تا حیات آپ کی خدمت میں رہے۔

ایک روز آپ نے حضرت مہدیؑ سے عرض کیا کہ رسول اکرم ﷺ کے چار اصحاب بزرگ تھے آپ کے حضور میں بھی ہونے چاہیں۔ امامنا علیہ السلام نے مراقبہ کر کے میاں سید محمودؓ میاں سید خوندمیرؓ میاں شاہ نعمتؓ میاں شاہ نظامؓ اور میاں شاہ دلاورؓ کے نام پیش کئے اور بالترتیب ان میں اول، دوم، سوم، چہارم اور پنجم خلیفہ ہونے کی بشارت دی۔ شاہ دلاور نے پیچھے ہٹ کر فرمایا کہ اصحاب کرام اشراف ہیں اور بندہ دلاور ہے۔ لیکن مہدیؑ نے فرمایا کہ بندہ بحکمِ خدا کہہ رہا ہے۔

حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ جس طرح ہمارے حضور میں بارہ مبشر ہوئے ہوئے ہیں اسی طرح تمہارے پاس ہوں گے۔ چنانچہ اس بشارت کے مطابق شاہ دلاور کے بھی بارہ خلیفہ گذرے ہیں۔

حضرت شاہ دلاورؓ کو خواب میں خدا تعالیٰ سے معلوم ہوا کہ تو اچھا کسان ہے تیری زراعت میں علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین پیدا ہوتے ہیں۔ اس خواب کو امامناؑ سے رجوع کیا تو فرمایا کہ ایسا ہی ہے۔ آپؓ نے عذر کیا کہ یہ خصوصیت تو اشرافوں کی ہے بندہ دلاور ہے۔ امامناؑ نے فرمایا کہ تم اشرافوں سے زیادہ اشراف ہو۔ انہوں نے پھر عذر کیا تو فرمایا کہ بندہ اپنے سے نہیں بلکہ بہ حکم خدا کہہ رہا ہے۔ ایک موقع پر شاہ دلاورؓ نے بندگی میاں عبدالکریم کو عین الیقین، بندگی میاں عبدالملک کو علم الیقین اور میاں یوسف کو حق الیقین ہونے کی بشارت دی تھی۔

فراہ مبارک میں شاہ دلاورؒ نے معاملہ دیکھا کہ ایک بڑے گنبد میں مٹی کے کچے برتن بھرے گئے جب گنبد بھر گیا تو یکا یک آگ لگ گئی۔ جب برتن یکساں ہوگئے تو آگ ٹھنڈی ہوگئی۔ یہ معاملہ امامنّا سے عرض کیا تو فرمایا کہ وہ گنبد میں ہوں جو برتن پکے ہیں وہ ہمارے اصحاب ہیں اسی طرح تمہارے اصحاب بھی ہوں گے اور پختہ ہوجائیں گے۔ اس بشارت کے مطابق شاہ دلاورؒ نے بورکھیڑہ میں اپنے فقراء کے بارے میں بھی ایسا ہی معاملہ دیکھا جس کی تفصیل قومی کتب میں مل سکتی ہے۔

فراہ میں حضرت مہدیؑ نے شاہ دلاورؒ کے حجرہ میں آکر فرمانِ خدا کے مطابق ایک آیتِ قرآنی کو آپ کے حق میں قرار دیا۔

فضائل:

حضرت مہدیؑ نے فرمایا کہ جس نے حضرت ابوبکرؓ کو نہ دیکھا ہو وہ میاں دلاورؒ کو دیکھ لے۔ امام الہدیٰ نے آپؒ کو خلیفہ پنجم اور قطعی جنتی ہونے کی بشارت دے کر فضیلت میں اضافہ کر دیا۔ ایک دن ایک عورت نے حضرت مہدیؑ سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو حج کو جاتی ہوں۔ غالباً حضرت امامؑ کی رائے میں اس عورت کا حج کو جانا مصلحت کے خلاف تھا یا شرائط شرعی کی تکمیل نہیں ہو رہی تھی۔ آپؑ نے فرمایا کہ جاؤ یادِ خدا میں مشغول رہو۔ کچھ روز بعد دوبارہ اس خاتون نے عرض کیا تو فرمایا کہ جاؤ تین مرتبہ میاں دلاورؒ کے حجرہ کا طواف کرو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ تیسرے طواف میں دیدارِ الٰہی بلا حجاب ہوگیا اور جذبۂ حق سے بے ہوش ہوگئیں۔ امامنّا نے اپنا پسخوردہ بھجوایا تو ہوشیار ہوئیں اور فرمایا کہ میرا حج ہوگیا اور کعبہ نظر آگیا۔

اسی طرح میاں ولی جیؒ کے والد میاں یوسفؒ نے حضرت میراں سید محمودؒ سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو فریضۂ حج کی تکمیل کر لیتا ہوں۔ آپؒ نے پوچھا کہ کس لئے جاتے ہو۔ کہا کہ خدا کے لئے۔ ثانی مہدیؑ نے فرمایا کہ جاؤ تین مرتبہ میاں دلاورؒ کے حجرہ کا طواف کرو اگر تمہارا حج قبول نہ ہو تو پھر حج کو جانا۔ تیسرے طواف میں بغیر کسی حجاب کے دیدارِ خدا ہوگیا۔ میراںؑ سے آکر کہا کہ خدا کی قسم میں نے خوندکار کے صدقہ سے بہ چشم سر خدا کو دیکھا ہے۔ دو ہفتہ بعد میاںؒ کا انتقال ہوگیا۔

اللہ اللہ! جب آپ کے حجرہ کا طواف کرنے پر خدا کا دیدار ہوسکتا ہے تو صاحب حجرہ کی کیا فضیلت نہ ہوگی۔

ایک روز شاہ دلاورؒ جنگل میں گئے۔ راستہ میں ایک قبر ملی فرمانِ خدا پہنچا کہ اس قبر پر کھڑے رہ تا کہ تیری جوتیوں کی خاک سے صاحب قبر کو نجات دوں جو عذاب میں مبتلا ہے۔ شاہ نے ایسا ہی کیا اور خدا نے اس کو عذاب سے نجات دے دی۔

بورکھیڑہ میں ایک شخص کی رحلت ہوگئی۔ تمام فقراء آپؒ کے حکم کے منتظر تھے ایک مشرک جو کبھی کبھی ملاقات کے لئے آیا کرتا تھا اس وقت آیا۔ جب آپؒ باہر نہ نکلے تو اس نے کہا کہ افسوس شاہ دلاورؒ کے سامنے اس مردہ کو عذاب ہو رہا ہے۔ فوراً فرمانِ الٰہی پہنچا کہ اے دلاور! وہ شخص مستحق عذاب تھا لیکن ہم نے تیرا لحاظ کر کے اس کو نجات دی۔ باہر جا اور اس کے نماز جنازہ اور دفن کی تیاری کر ہم

اس کو جنت میں پہنچائیں گے۔

بندگی میاں دلاورؓ کو چھ مہینے قبل ہی معلوم ہوگیا تھا کہ امام الہدیٰ اس جہانِ فانی سے انتقال فرمانے والے ہیں۔ رجوع کرنے پر آپؑ نے اس کی تصدیق بھی کردی تھی۔ وصال سے تین روز قبل ہی دوبارہ شاہ کو معلوم ہوگیا تھا۔

حضرت بندگی میاں سید شریفؒ کے قلمی ملفوظات (منظوم وغیر مطبوعہ) میں لکھا ہے کہ حضرت شاہ دلاورؓ ابتداء سے پاک اور صادق عقیدہ رکھنے والے اور طالب خدا تھے۔ اس لئے خدا نے آپ کو ازل سے عاشق پاک بنایا تھا۔ جب سے کہ مہدی سے ملاقات ہوئی آپ نے مہدیؑ کے راز کو قبل تصدیق چھپا رکھا۔ جب تصدیق سے مشرف ہوئے تو امامؑ نے آپ کو شہباز عشق کی بشارت دی۔ جب مہدیؑ سے ملاقات ہوئی تو دمِ اول میں فانی فی اللہ ہوگئے۔ آپ کی ہستی میں عشق معمور تھا اور روئیں روئیں میں موعودؑ کا نور تھا۔ آپ کے بارے میں مہدیؑ نے فرمایا کہ میں وہاں ہوں جہاں تم ہو۔ مزید فرمایا کہ تمہاری ذات جامع کمالات اور مظہر جمالت وجلالت ہے۔ حضرت مہدیؑ نے آپ کو صاحب دل کہا ہے اور اپنے وصف کامل میں انتہائے کمال کو پہنچا دیا۔

شاہ دلاور ہمیشہ مشغول مع اللہ رہتے تھے۔ اور ہمیشہ استغراق کی کیفیت رہتی تھی۔ اور سوائے اللہ کے ماسوی اللہ کا خیال عدم تھا اور ہر روز بہ چشم سر دیدار الٰہی سے بہرہ ور ہوتے تھے۔

قومی کتب سے پتہ چلتا ہے کہ ایک روز کچھ مہاجر معاملہ لائے جبکہ امام آخر الزمانؑ اپنے حجرہ میں نہیں تھے۔ لوٹنے پر فرمایا کہ اگر تم کسی وقت مجھ کو نہ پاؤ تو اپنے معاملات شاہ دلاور سے حل کرلیا کرو وہ اہل دل ہیں۔

اس فرمان اقدس کے مطابق تاریخ مہدویت کئی ایسے واقعات پیش کرتی ہے جنہیں شاہ دلاورؓ نے حل کیا ہے۔

بندگی میاں شاہ نعمتؓ خلیفہ سوم نے معاملہ دیکھا کہ ایک سبز پھل حضرت مہدیؑ نے ان کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا کہ یہ توکل کا پھل ہے مضبوط پکڑ لو۔ آپ بہت خوش ہوئے دیکھا کہ پھل میں ایک طرف کچھ نقص ہے۔ یہ معاملہ شاہ دلاورؓ سے رجوع کیا تو فرمایا کہ توکل تام صرف نبی اور مہدی کے لئے ہے۔ اس لئے پھل میں نقص ہے۔

ایک دن میاں راجے محمد مینا جوتیوں کے ساتھ صف میں کھڑے ہوگئے کہ تکبیر اولیٰ فوت نہ ہوجائے اور پوری نماز معہ جوتیوں کے ادا کی۔ بعد میں خیال آیا تو اپنا معاملہ شاہ دلاورؓ سے رجوع کیا تو آپؓ نے فرمایا کہ مدتِ دراز کے بعد آج تمہاری نماز مقبول ہوئی ہے۔

شاہ نعمتؓ نے فرمایا کہ بندہ کو معلوم ہوا کہ قاتلوا و قتلوا مجھ سے ہوگا۔ دریافت کرنے پر شاہ دلاورؓ نے فرمایا کہ یہ شرف تو میاں سید خوندمیرؓ کو عنایت ہوا ہے تم بیٹھے ہوئے شہید ہوجاؤ گے۔ اس تعبیر کے مطابق معرکہ بدر ولایت میں شاہ خوندمیرؓ پر قاتلوا وقتلوا کا ظہور ہوا اور شاہ نعمتؓ لوہ گڑھ میں بیٹھے ہوئے شہید ہوگئے۔

شاہ نعمت کے بھانجے میاں ولی کا دائرہ چچونڈ میں تھا ایک مرتبہ مہکری ندی میں طغیانی آئی۔ فقرائے دائرہ دیکھتے کھڑے

تھے۔میاں ابوالفتح کے ایک فقیر ندی میں کود گئے تا کہ بہتی ہوئی ککڑی کے بیل کو کھینچیں۔بیل ان سے لپٹ گئی اور وہ غوطے کھانے لگے تو لوگوں نے انہیں نکالا تو وہ انتقال کر گئے تھے۔میاں ابوالفتحؓ کو خبر دی گئی تو انہوں نے حکم دیا کہ اس فقیر کو دور پھینک دو وہ مردار ہو کر مر گیا ہے۔میاں ولی نے سنا تو لاش منگوا کر بعد غسل ونماز دفنا دیا۔میاں ابوالفتحؓ نے اس پر ناراضگی ظاہر کی۔میاں ولیؒ نے سنا تو بہت آزردہ ہوئے اور دو فقراء کو شاہ دلاور کی خدمت میں بھیجا کہ اس فعل کی بابت کیا حکم ہوتا ہے۔شاہ دلاورؒ نماز ظہر ادا کر کے بیٹھے تھے کہ دونوں فقراء حاضر ہوئے۔شاہؒ نے واقعہ کی سماعت کے بعد مراقبہ کر کے فرمایا کہ میاں ولی پر خدا کی رحمت ہو جو کچھ کیا برحق ہے۔اور اللہ تعالیٰ اس فقیر کو بہت بڑا مقام عطا فرمایا ہے اور وہ قبول نہیں کرتا کہتا ہے کہ میں امام مہدیؑ کے گروہ سے ہوں میرے لئے یہ مقام کیا حیثیت رکھتا ہے۔دونوں فقراء نے واپس آ کر سارا ماجرہ کہہ سنایا۔

کئی ایسے واقعات، بشارتیں اور فضائل وغیرہ تواریخ مہدویہ کے صفحات پر محفوظ ہیں جنہیں یہاں طوالت کے خوف سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

اس عاشقِ پاک، قطعی جنتی اور پنجم خلیفۂ مہدی کا وصال تقریباً بیاسی سال کی عمر میں ۲/ذی قعدہ ۹۴۵ھ کو ہوا اور آپ کا مدفن بورکھیڑہ ضلع خاندیس (چالیس گاؤں، مہاراشٹرا) ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''نورحیات'' فبروری، مارچ ۱۹۷۰ء)

بشارتیں

دربارۂ حضرت بندگی میراں سید خوندمیر بارہ بنی اسرائیل رحمۃ اللہ علیہ

(مولود حضرت بندگی میاں سید شریفؒ (قلمی) سے منقول ہے)

کہتے ہیں یکدن حسن ولایت منجا فرزند کوں دیتے بشارت

کہ اس فرزند کا نام بہت ہی بڑا ہے صبح وشام تم اس کا ادب کیا کرو اور خانجی میاں کہکر پکارو۔ تمام زمان میں اس کا فضل جاری وساری ہے اور بہ شوق اس طرح فرمایا کہ اس کے چراغاں تا قیامت جاری رہیں گے۔ پھر ایک دن نہایت مہربانی سے فرمایا کہ میں اس کو خدا کے حوالے کیا ہوں اور صاحب زمانہ حضرت سید نجی صاحب کی خدمت میں روانہ کر رہا ہوں۔ جو کچھ بھی فیض میرے پاس ہے اے بھائی! وہ تمہاری ملک ہے اور تم باہر جا کر لے آؤ۔

جو کچھ ہے فیض میرے کن برادر تمہاری ملک ہے جانو سراسر

حضرت بندگی میاں شاہ یعقوب حسن ولایتؓ کی ہدایت کے مطابق بندگی میاں سید خوندمیرؒ حضرت بندگی میاں سید نجی خاتم المرشد کے پاس تشریف لے گئے اور آپ کی خدمت میں اٹھارہ برس رہے۔ ایک روز حضرت سید نجی نے شاہ خوندمیرؒ اور شاہ یوسفؒ کی نسبت فرمایا کہ یہ دونوں برادر نہایت ہی عقلمند ہیں اور اپنے جدا کبر کی مِلک و میراث کا فیض جو میرے پاس ہے لے جانے کے لئے آئے ہیں۔ آپؒ (خاتم المرشدؒ) نے حضرت بوابی بیؒ زوجہ حسن ولایت کی نسبت یہ بشارت دی کہ اس کے شکم سے دو فرزند ایسے ہوں گے جن سے خلائق فیض حاصل کرے گی۔ پھر ایک دن خورشید اجلال نے فرمایا کہ دو پسر شاہ یعقوب کے جو معصوم ہیں ان کا فضل وفضیلت قیامت کے دن معلوم ہوگا۔

کہ دو پسران شہ یعقوب معصوم فضل تیرا ہوئے محشر کو معلوم

حضرت بندگی میاں سید خوندمیرؒ کی نسبت فرمایا کہ تیرا چراغ قیامت تک جاری رہے گا۔ مزید ایک مرتبہ بہ صد عنایت فرمایا کہ تیرا چراغ تا قیامت جاری رہے گا۔ اور یہ اسد اللہ (حضرت علیؓ) کا فرزند خاص ہے۔

کہا یکدن شہنشاہ دھر کو اخلاص اسد اللہ کا یو فرزند ہے خاص

نیز فرمایا کہ میاں بھائی پیارا ہمارے فقیروں میں اسد کے مانند ہے۔ پھر ایک روز فرمایا کہ اس فرزند کا حال عجیب تر ہے کیوں کہ میرے دل میں جو خطرہ آتا ہے وہ میاں بھائی کے دل میں موجود رہتا ہے۔

جو کچھ خطرہ میرے آتا ہے دل میں　　وہی موجود میاں بھائی کے دل میں

حضرت سید نجی خاتم المرشدؒ نے آپ کو اٹھارہ برس اپنی خدمت میں رکھ کر اپنی صحبت سے بہرہ ور فرمایا اور ولایت و نبوت کے اسرار ان پر ظاہر فرما دیا۔ ایک دن حضرت خاتم المرشدؒ نے خوشی سے دونوں بھائیوں کو بلا کر یہ نامہ لکھ کر دیا۔

کہا حکم خدا صاحب خدا سوں　　حکم ارشاد کا تم کو دیا ہوں
بیاں قرآن کا دائم کیا کر　　نصیحت پند و عالم کوں دیا کر

تم جس جگہ رہیں گے فرشتہ اس جگہ دائرہ کا حد باندھے گا۔ کسی وجہ سے بھی ہو میرے اور تیرے میں کوئی جدائی نہیں ہے۔ خاطر جمع رکھ۔ اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیر کر حضرت شاہ خوندمیرؒ کی نسبت فرمایا کہ ایک لڑکا صورت، سیرت اور شباہت میں میرے جیسا تجھ کو اللہ دیویگا جس سے دین کو نصرت ہوگی۔ آپؒ کا یہ حکم پا کر دونوں بھائی دکن روانہ ہوئے اور دولت آباد آ کر ارشاد کرنے لگے۔ اس دوران شاہ خوندمیرؒ کو حضرت خاتم المرشد نے گیارہ خط تحریر فرمائے۔ آپ نے لکھا کہ تم دونوں برادر یکجا نہ رہو بلکہ جدا جدا رہ کر خلق کو دعوت دو ہمیشہ بیان قرآن کیا کرو اور پسخوردہ دے کر تلقین کیا کرو۔

جب خاتم المرشد کا وقت آخر آ پہنچا تو کسی نے کہا کہ شہ یوسف اور شہ خوندمیر نہیں ہیں۔ یہ سن کر آپؒ نے فرمایا کہ دونوں برادر میرے پاس موجود ہیں۔ بندہ جس وقت یہاں وضو کرتا ہے تو دونوں برادر وہاں وضو کرتے ہیں اور جس وقت میں نماز ادا کرتا ہوں تو وہاں وہ نماز ادا کرتے ہیں۔ اور جو کام میں یہاں کرتا ہوں وہ کام دونوں وہاں کرتے ہیں۔ سیدھے اور بائیں ہاتھ پر شہ یوسف اور شہ خوندمیر موجود ہیں۔ اور از روئے باطن اس قدر میری وہ متابعت کرتے ہیں کہ گویا میرے حضور میں موجود ہیں۔

آپ کے بعد دونوں بھائی دنیا کو ہدایت کرنے لگے اور مہدی کے دین پر خلائق کو بلانے لگے اور بکثرت لوگوں نے ان کے ہاتھ پر تصدیق کا شرف حاصل کیا۔ دونوں نے خاتم الولایت کا فیض تصرف جو راز خفی میں تھا، اس کو ظاہر فرمایا۔

بعض مخالفین حضرت سید خوندمیر کو دیکھ کر یہ کہتے تھے کہ اگر یہ سید مسعود خود دعویٰ مہدیت کرتے تو اہل زمانہ ان کو نہ جھٹلاتے اور یقین جانتے کہ یہی ذات مہدی موعودؑ ہے۔

کہتے ہیں اس وقت خوندمیر شہ کوں　　کہہ بعضے مخالف دیکھ کر یوں
اگر یوسید با ذاتِ مسعود　　کرے دعوت اپے مہدی موعود

نہ سمجھیں جھوٹ کوئی اہل زمانہ　　یقین جانیں یوں ہے صاحب زمانہ

آپ کے حسنِ اخلاق پر نظر تحقیق ڈال کر کئی مخالفین نے تصدیق کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے اخلاق حضرت مہدیؑ سے مشابہ تھے۔ غرض شاہ خوندمیر نے اہل زماں سے **ادعوالی اللہ** کا بیان فرمایا۔ یعنی دنیا اور خلق دنیا کو چھوڑ کر اللہ کی طرف آنے کی دعوت دی۔ آپ نے اپنی ذات پر بہت ہی فقر وفاقہ برداشت کیا اور دونوں عالم سے اپنے ہاتھ اٹھا کر قربِ خدا میں عین بالذات ہو گئے اور کئی طالبانِ حق کو اللہ کی رویت دکھائی۔ اور دینِ مہدی کو قائم ودائم کر کے مدعائے مہدی کو ظاہر فرمایا۔ جس نے بھی آپ کے بیانِ قرآن کی سماعت کی اپنی جان ومال اور خواہشاتِ دنیاوی کو ترک کر دیا اور جس نے بھی آپ کا پسخوردہ پیا وہ فانی فی اللہ باقی باللہ ہو گیا۔ ہر آدمی کو آپ نے فیض الٰہی سے معمور کر دیا اور زمانہ **نور علی نور** ہو گیا۔

جب شاہ خوندمیر بارہ بنی اسرائیلؒ نے لامکاں کا قصد فرمایا تو اس وقت آپ نے فرمایا کہ میری عمر دو سال قبل ہی ختم ہو گئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس فرزند سید نصرتؒ کو کامل کرنے کے لئے دو سال کی توسیع فرما دی تھی۔

۸/ ذی الحجہ ۱۰۲۴ء کو بروز پنجشنبہ بعد نماز ظہر آپ کا وصال ہوا۔ شاہ نصرتؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور شاہ یعقوب حسن ولایتؒ کے داہنی جانب سپرد خاک فرمایا۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''نورحیات'' جون تا ستمبر ۱۹۶۹ء)

☆☆☆☆☆☆☆

بشارتیں

دربارۂ مخصوص الزماں حضرت بندگی میراں شاہ نصرت رحمۃ اللہ علیہ

حضرت بندگی میاں شاہ نصرت مخصوص الزماںؒ کی سیرت کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔لیکن بزرگوں کی جانب سے آپ کو جو بشارات دیئے گئے ہیں وہ منظر عام پر نہ آ سکے۔اس لئے ممکن ہے کہ یہ مضمون اپنی ندرت اور اہمیت کے ساتھ ساتھ قارئین کے لئے دلچسپی کا باعث ہو۔ذیل میں ایسی بشارتیں درج کی جارہی ہیں جو ملفوظات حضرت بندگی میاں سید شریفؒ (قلمی) سے اخذ کی گئی ہیں اور جو قدیم اردو میں منظوم ہیں۔بعض مقامات پر بیاض کے اشعار بھی درج کر دیئے گئے ہیں۔

تاریخ سلیمانی کے بموجب حضرت شاہ نصرتؒ کی آنکھ میں لا الہ الا اللہ القرآن والمہدی لکھا ہوا تھا۔

حضرت سید نجی خاتم المرشدؒ نے آپ کے والد حضرت بندگی میاں سید خوندمیر بارہ بنی اسرائیلؒ کو بشارت دی کہ ''اللہ تمہیں ایک فرزند دے گا جس سے دین کی نصرت ہوگی۔

میاں بھائی تجھے دیوے پسر اللہ　　کہ جس سوں نصرتِ دیں ہوئے مع اللہ

اس بشارت کی بناء پر آپ کا نام سید نصرت رکھا گیا اس سے ماقبل اس نام کا پتہ نہیں چلتا ہے۔آپ کے والد نے آپ سے فرمایا کہ سید نجی خاتم المرشدؒ کے حکم سے پورے احکام یعنی افعال ارشادی تجھے دیا ہوں تو میرے جنازے پر امامت کرنا اور مشت خاک دینا۔مزید فرمایا کہ میری عمر ختم ہوگئی ہے لیکن صرف تمہاری تعلیم وتربیت کے لئے اللہ نے دو سال کی توسیع فرمائی ہے۔نیز فرمایا کہ چار پانچ باتیں کھول کر بیان کرتا ہوں ان پر عمل کرو۔

اپنے والد کے انتقال کے بعد شاہ نصرتؒ وہیں ٹھیر گئے اور دسویں کے بعد اپنے تایا حضرت بندگی میاں سید یوسف بارہ بنی اسرائیلؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علاقہ کر کے چالیس دن صحبت میں رہے۔

حضرت بندگی میاں سید یوسفؒ نے آپؒ سے فرمایا کہ تم' جلال اور قاسم جی آپس میں مل کر رہو اور ہمیشہ یاد خدا میں مشغول رہو۔اس کے ایک لمحہ کے بعد فرمایا کہ دین مہدی کو بھائی شاہ نصرتؒ سے یاری ہے یعنی مدد ہوگی۔

کہ دینِ خاص مہدی کو برادر　　شۂ نصرت سو ں ہے یاری سراسر

حضرت بندگی میاں سید یوسفؒ کے انتقال کے بعد آپؒ چہلم تک ٹھیرے رہے اس کے بعد میاں اسمٰعیل' میاں عمرؒ اور سات فقراء کے

ساتھ دولت آباد سے روانہ ہوئے اور دھاراسن یعنی موجودہ عثمان آباد میں حضرت بندگی میاں سید نور محمدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عشاء کے بعد چند فقراء مسجد میں تشریف فرما تھے کہ آپؒ معہ فقراء پہنچے۔لیکن دائرہ کے فقراء نے آپ کو نہ پہچانا اور نہ ہی تواضع وتعظیم کی۔ یہ بات آپ پر گراں گذری کہ فقراء پہچانتے نہیں ہیں۔دائرہ کے ایک برادر کو بلا کر کہا کہ حضرت کی خدمت میں میرے آنے کی اطلاع کرو۔حضرت آپ کا نام سن کر بہت خوش ہوئے اور تشریف لائے اور سینہ سے لگالیا۔اولاً شاہ نصرت قدمبوس ہوئے اور حضرت کے ساتھ مسجد میں جا بیٹھے۔ایک سیف ایک کمان، چند تیر اور پچاس روپئے خدمت اقدس میں پیش کر کے حضرت سے علاقہ کئے۔

کہ یک صف ایک کماں چند تیر لے کر — جو مبلغ بست پر پنج سامنے دھر
کہ بیعت شہنشاہِ زماں سوں — عرض پھر یوں کیا حضرت میاں سوں
نہ کوئی بندہ کے تئیں یاں جانتے ہیں — مگر خوندکار ایک پہچانتے ہیں
پیچھے حضرت میاں سب کو کہا یوں — تمہیں تعظیم میاں کو نہیں دیئے کیوں

بعدازیں حضرت بندگی میاں سید نور محمدؒ نے فرمایا کہ اپنے جدّ بزرگوار کا فیض لینے کے لئے بہت دور سے میرے پاس چل کر آئے ہیں۔اور برادرانِ دائرہ سے کہا کہ تم لوگ ان سے ملو انہوں نے مجھ سے علاقہ کیا ہے۔جو میں قبول کرتا ہوں اور یہ حضرت میاں خاتم المرشدؒ کا مبشر ہے۔مزید فرمایا کہ تیری قابلیت اور تیرا قلب روشن ہے اور خدا کے پاس تیرا امرتبہ بلند ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ تو مرد لائق، عاقل وقابل ہے۔اور اپنے بزرگوار کا فیض اٹھانے کے قابل ہے یہ فرما کر اپنے گھر میں لے گئے اور سب سے یہ کہکر ملایا کہ فرزند مہدی موعودؑ ہے۔شاہ نصرتؒ نے حضرت بی بیؒ کی قدمبوسی کی۔

ایک مرتبہ کہا کہ یہ لڑکا بہت عقلمند اور دانا ہے اپنے جد کی متاع حاصل کرنے شوق سے اپنا گھر بار چھوڑ کر میرے پاس آیا ہے۔ آپؒ نہایت مہربانی سے شاہ کو اپنے حجرہ میں سلاتے تھے خدا جو دیتا کھلاتے اور اپنے ساتھ بٹھا کر حق کی باتیں سناتے اور نبوت وولایت کے اسرار بتلاتے تھے۔

نبوت ہو ر ولایت کا جو اسرار — میاں کے تئیں کہا خورشید ابرار

حضرت بندگی میاں سید نور محمدؒ کے سینے میں جو نور بھرا ہوا تھا آپ نے شاہ نصرتؒ کے سینے میں کر دیا۔سات مہینے اپنی صحبت میں رکھ کر آپ نے فرمایا کہ میاں بھائی (شاہؒ کے والد) نے جو بشارتیں دی ہیں وہ اپنی ذات سے نہیں بلکہ بحکم خدا دی ہیں۔

تیرے پر جو کیا ہے وہ عنایت — خدا کے حکم سوں فیض ولایت

وہ فیوض تجھ میں علانیہ ظاہر ہیں اور تو اس بار کے اٹھانے کے لائق ہے۔

حضرت خاتم المرشدؒ کے صدقہ میں تیرا آغاز اور انجام بہت اچھا ہوگا تو خاطر جمع رکھ کر میں اور میاں بھائی تیرے حامی ہیں

اورتو خاتم المرشدؓ کا مبشر ہے۔

ایک دفعہ فرمایا کہ تم بیان قرآن اور پسخو ردہ دے کر تمام مخلوق میں دین مہدیؑ کی اشاعت کیا کرو۔اور یہ حکم میں خاتم المرشدؓ کے حکم سے دے رہا ہوں میں جہاں رہوں وہاں تم ہو اور جہاں تم ہو وہاں میں ہوں۔تم سے میرا دل بہت خوش ہے میں میاں کے حکم سے تم کو رضا دے رہا ہوں کہ تم اپنی جگہ پر جا کر خدا کے ساتھ مشغول رہو۔جس وقت میں تم کو طلب کروں تو بلا تامل چلے آجانا۔غرض سات مہینے اپنی صحبت میں رکھ کر واپس کیا۔بوقت رخصت ہدایت فرمائی کہ کسی کو خبر لینے کے لئے بھیجوں تو صبح وشام اپنی کیفیت میرے پاس بھیجنا۔دائرے کے فقیروں میں سے ایک کو شاہؒ کے ہمراہ کر دیا کہ راستہ' دیہات اور منزل کے متعلق تفصیلات معلوم ہوسکیں تا کہ آپ کے پاس آمد ورفت میں سہولت ہو۔حضرت کو چھاتی سے لگا کر **نصر من اللہ وفتح قریب** پڑھ کر دعا دے کر رخصت فرمایا اور کہا کہ میری طرف سے سلام کہو۔

شاہ نصرتؒ قدمبوس ہوکر رخصت ہوئے اور منزل بہ منزل چند دنوں میں اپنے دائرہ کو یعنی دولت آباد آئے۔دن رات خلائق کو دین مہدی کی دعوت دیتے رہے۔کبھی آپ کے دائرہ میں خلاف شرع کام نہیں ہوا۔اگر کوئی حرکت سرزد ہو جاتی تو حضرت سید نور محمدؒ کے پاس لکھ کر بھیجتے اور جواب خاص منگوا کر عمل فرماتے۔غرض آپؒ سترہ مرتبہ حاکم الزماں کی طلبی پر عثمان آباد تشریف لے گئے۔ایک روز حاکم الزماں نے خوش ہوکر فرمایا کہ میاں بھائی (والد) کا نور تیری ذات میں مجھے نظر آتا ہے۔

جب کبھی حضرت بندگی میاں سید نور محمدؒ شاہ نصرتؒ کے پاس تشریف لاتے تو آپ مرشد کی خدمت میں کھڑے ہوکر وضو کرواتے اور آپ کے پیر دابتے تھے۔حاکم الزماںؒ نے خوش ہوکر فرمایا کہ میٹھے بھائی یعنی حضرت بندگی میاں سید یوسفؒ کو خدا نے دو فرزند دیئے ہیں میرے حصے میں یہ فرزند دلبر آیا ہے یہ سن کر آپ کے والد محترم حضرت سید خوندمیر بارہ بنی اسرائیلؒ نے فرمایا کہ آپ نے جو فرمایا ہے بجا فرمایا۔

کہہ خوندمیر شاہ یوں شاہ کے سات — کہ آرے خوب ہے جو تم کئے بات
خدا چاہے تو یو فرزند عاقل — تمہارے پاس آوے گا لگا دل

ایک دن شاہ نصرتؒ فکر مند ومغموم بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت نور محمدؒ نے وضو کر کے آپ کے چہرہ پر نظر ڈالی تو آپ کو متفکر پایا۔فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی تجھ پر نہایت ہے ہم تینوں یعنی بندہ' یوسف وخوندمیر تیرے حامی ہیں اور تجھے متفکر ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔

ایک روز حضرت بندگی میاں سید نور محمدؒ نے خوش ہوکر فرمایا کہ میاں بھائی (والد) نے تجھ کو کامل کر دیا ہے میں تجھ سے نہایت خوش ہوں۔تو بیان قرآن کرتا رہ۔اگر کوئی مشکل آن پڑے تو میرا دامن پکڑ لینا۔

ایک روز حضرت سیدنور محمدؒ نے فرمایا کہ دونوں بہت عاقل ہیں اپنے پدر اور جد کا فیض لینے کے لئے میرے پاس آئے ہیں۔ یہ لوگ اس بارگراں کو اٹھانے کے لائق ہیں اور اٹھا کر لے جائیں گے۔ آپؒ کے فرزند حضرت سید احمد نے دریافت فرمایا کہ وہ دونوں بھائی کون ہیں۔ آپ نے فرمایا قاسم جیؒ و نصرت جیؒ ہیں۔ شاہ نصرتؒ سے آپؒ نے مزید فرمایا کہ چار پانچ باتیں جو نادرات سے ہیں اور جن کو خاتم المرشدؒ نے عطا کیا ہے ان کی تفسیر کیا کرو۔ اگر کسی امر میں مشکل پیش آئے تو مجھ سے حل کرلیا کرو۔

ایک موقع پر آپؒ نے فرمایا کہ میرے بعد اللہ تعالیٰ تیرا (شاہ نصرت کا) فیض مطلقاً جاری رکھے گا۔ ایک روز آپ نے اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ تیرا چراغ قیامت تک روشن رہے گا۔

ایک دن وضو کی خاطر آپؒ نے پانی طلب فرمایا۔ شاہ نصرتؒ دوڑے اور پانی حاضر کیا۔ اور آپ کو وضو کروایا۔ وضو کے بعد شاہؒ کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر حاکم الزماںؒ نے تمام برادرانِ دائرہ کے سامنے بی بی حمیراؒ سے فرمایا کہ تیرا بھائی میرا بوجھ اٹھالیا ہے اور یہ بوجھ قیامت تک اس سے جاری رہے گا۔

ایک دن حضرت بندگی میاں سید نور محمدؒ نے اپنی ریش مبارک کو ہاتھ میں پکڑ کر فرمایا کہ قیامت کے دن میری داڑھی روشن رہے گی تو یقیناً اپنے مرشد کو اچھا سمجھنا۔

ایک اور موقع پر آپؒ نے فرمایا کہ تیرے ساتھ کوئی یاری کرے تو خدا اس کی مدد کرے گا۔ مزید فرمایا کہ تو میری یہ بات یاد رکھ کہ تیرا نام روشن رہے گا اور میرا فیض تجھ سے جاری رہے گا۔

ایک دفعہ آپؒ نے فرمایا کہ حضرت سید یعقوب حسن ولایتؓ کے آٹھ پسر ہیں اور نبیرہ بائیس ہیں لیکن ان سب فرزندوں میں ان دونوں بھائیوں (شاہ نصرت و شاہ قاسم) کا کام بالکل جدا ہے۔ ایک دفعہ مزید فرمایا کہ تمہارے جد کی ملک تم دونوں بھائی مجھ سے لئے ہیں۔ تم دونوں پر خدا کی عنایت بہت ہے۔

ایک روز حاکم الزماںؒ نے شاہ نصرتؒ سے فرمایا کہ تیرا اور تیری ماں کا اور تیرے بھائیوں کا میں حامی ہوں۔ پھر ایک روز شفقت سے شاہؒ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ قیامت میں تیرا ہاتھ میرے ہاتھ میں رہے گا۔ پھر ایک روز نہایت مہربانی سے فرمایا کہ غربت، رنج، محنت اور مشقت تیری ذات پر نہایت ہیں۔ کیوں کہ تو میرے حصہ میں آیا ہے۔ خدا نے تجھ کو برگزیدہ کیا ہے۔ تو اپنے دل کو رنج مت دے کیونکہ تیرا حصہ خدا کے پاس ہے۔

ایک روز فرمایا کہ یہ دونوں جوان (شاہ قاسمؒ و شاہ نصرتؒ) بامعنی و باصورت ہیں۔ یعنی مہدیؑ کے آئین و دین کو یقین کے ساتھ پہنچے ہیں۔ جو نصرت دین (شاہ نصرت) کی صحبت میں رہے یا شاہ قاسمؒ کا تلقین ہو دونوں میرے منظور اور مقبول سبحان ہیں۔ اور مدعائے مہدی پر قائم و دائم ہیں

(مطبوعہ ماہنامہ ''نور حیات'' اپریل ۱۹۶۹ء)

حضرت بندگی میاں سید عالمؒ

قوم مہدویہ کے خدا رسیدہ بزرگوں میں سے کئی ایسے ہیں جن کے حالات منظر عام پر نہیں آئے انہی میں سے ایک حضرت بندگی میاں سید عالمؒ بھی ہیں۔آپؒ کے متعلق جو بھی مواد مل سکا وہ درج ذیل ہے۔

شجرۂ نسب : حضرت بندگی میاں سید عالم بن شاہ نصرت مخصوص الزماںؒ بن حضرت بندگی میاں سید خوندمیر بارہ بنی اسرائیلؒ بن حضرت شاہ یعقوب حسن ولایت شجرۃ المرشدینؒ بن حضرت بندگی میراں سید محمود ثانی مہدیؒ بن حضرت میراں سید محمد مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

حضرت بندگی میاں سید عالم عرف شاہ صاحب میاںؒ اپنے والد ماجد حضرت شاہ نصرتؒ کے تربیت یافتہ ہیں اور اپنے برادر کلاں میاں سید شریف عرف انجی میاں صاحبؒ کی صحبت میں رہے ہیں۔آپؒ کی رحلت ۲۹ رمضان المبارک ۱۱۶۶ھ کو بہ عمر ترسٹھ سال واقع ہوئی۔آپؒ بہ مقام راول پہاڑ متصل موضع پنڈیال آسودہ ہیں۔(عرس نامہ سلسلہ ۴۷۳)

مولف تاریخ سلیمانی رقم طراز ہیں کہ میاں سید عالم عرف شاہ صاحب میاں بہت ہی شائستہ اور خوبصورت تھے۔ایام خورد سالی میں اپنے والد بزرگوار کے منظور و مشمول عواطف تھے۔اور بادشاہ کے پاس ملازم تھے۔بحضور قبلہ گاہ ترک دنیا کئے ہیں اور بعد ترک دنیا میاں سید میرانجی عرف سید و میاں صاحب مرشد الزماںؒ نے پگڑی کو سر سے اتار کر فرمایا کہ آپ کو جو کچھ کہ بابا جی نے عطا کیا ہے میں نہیں کیا ہوں۔پس میاں سید میرانجی نے اپنی پگڑی میاں سید عالم کے سر پر رکھا اور میاں سید عالم کی پگڑی کو اپنے سر پر رکھا اور فرمایا کہ علاقہ قبول ہوا۔۲۹ رمضان المبارک کو موضع راول پہاڑ متصل پنڈیال رحلت کئے اور اس جگہ مدفون ہیں۔

(تاریخ سلیمانی جلد اول گلشن ۵ چمن ۴)

حضرت میاں سید عالمؒ عرف شاہ صاحب میاں اپنے والد حضرت شاہ نصرتؒ کے مقبول اور منظور نظر تھے۔ایک روایت ہے کہ حضرت مخصوص الزماںؒ کے قیام چنچل گوڑہ کے زمانہ میں آپ کی کنیز فتح محمد کی باؤلی سے روزانہ پانی لے آتی تھی۔ایک روز فتح محمد نے کہا کہ تیرے مرشد بغیر اجازت یا اللہ دیا ہے کہے بغیر کسی کی کوئی چیز نہیں لیتے پھر پانی کیسے استعمال کرتے ہیں۔کنیز نے پانی انڈیل دیا اور حضرت سے آکر تمام واقعہ کہہ سنایا۔آپؒ نے سن کر فرمایا کہ وہ سچ کہتا ہے اور آپؒ اپنی مسجد اور دائرہ کے سامنے کی زمین پر باؤلی کھودنے سبّل اور کدال لے کر کھڑے ہو گئے اس وقت آپ کے خدماء و دیگر قومی حضرات نے اجماع میں شریک ہو کر باؤلی کو یہاں تک کھودا کہ پانی نکل آیا۔شاہ نصرتؒ کے چھوٹے فرزند سید عالمؒ جو خورد سال تھے دوڑتے ہوئے آئے اور کہا کہ بابا جی باؤلی میں پانی

نکل آیا ہے۔آپؒ نے خوش ہوکر فرمایا کہ شاہ صاحب میاں یہ باؤلی تمہاری ہے۔آپؒ ظہر کی نماز اسی پانی سے ادا فرمائے۔چنانچہ شاہ صاحب میاں کے نام سے موسوم یہ باؤلی حال تک موجود تھی۔باہر سے خطوط اسی پتے پر آتے تھے۔

حضرت بندگی میاں سید عالمؒ سلطان عبداللہ قطب شاہ کے پاس افسر الملک کے عہدہ پر فائز تھے۔آپ کی تنخواہ پانچ ہزار روپئے سکۂ رائج الوقت تھی۔آپؒ کے مخالفین نے سلطان سے شکایت کی کہ سید عالمؒ کی اتنی بڑی تنخواہ اور اعزاز کس لئے ہے،ہم جب کہ ان سے بہتر ہیں۔سلطان نے شکایت کنندگان کو بتلانے کی خاطر ایک شیر کو پنجرہ سے آزاد کر کے قلعہ کے ایک حصہ میں چھوڑ دیا۔اور آپ سے کہا کہ ادھر جا کر آؤ۔آپ گئے اور آئے لیکن کوئی واقعہ پیش نہ آیا پھر دوبارہ کہا کہ جا کر آؤ۔جب تیسری مرتبہ بھیجا گیا تو آپ نے شیر کو دیکھ لیا اور سمجھ لیا کہ سلطان آپ کو آزمانا چاہتا ہے۔آپ نے شیر کے دونوں کان پکڑ کر سلطان کی خدمت میں لا کر حاضر کیا اور کہا کہ اس کتے کے لئے آپ نے بھجوایا تھا؟ کیا ہم کو آزماتے ہیں؟

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ آپ کا سب تھے۔آپ کی یہ بزرگی اور جوانمردی دیکھ کر مخالفین کو نادم ہونا پڑا۔آپ کے خدا رسیدہ ہونے کا ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔

ایک وقت آپؒ برسر جنگ تھے۔فتح کے بعد فوج لوٹ کھسوٹ میں مصروف ہوگئی۔اور ان کے گھوڑے فصلیں تباہ کرنے لگے لیکن آپؒ اپنا گھوڑا جھاڑ کو باندھ کر نماز میں مشغول ہوگئے۔کسی مصاحب نے بادشاہ سے کہا کہ سید عالم صاحب گھوڑے کو قصائی کے کھوٹے سے باندھ کر نماز پڑھ رہے ہیں۔غازی مرد کو بھوکا رکھا ہے کیا یہ نماز مقبول ہے۔بعد فراغت نماز بادشاہ کی طلبی پر آپؒ حاضر ہوئے۔بادشاہ نے شکایت کی کہ آپ نے گھوڑے کو بھوکا کیوں رکھا۔آپؒ نے فرمایا کہ میرا گھوڑا کسی کا مال بغیر رضا کے نہیں کھاتا۔امتحاناً آپ کے گھوڑے کو گیہوں کے ہرے بھرے کھیت میں لے جایا گیا۔تین دن سے بھوکا یہ گھوڑا خاموش کھڑا رہا لیکن فصل کو چھونا منظور نہ کیا۔سلطان نے پوچھا کہ آپ کا گھوڑا کیا گھاس کھائے گا۔آپؒ نے فرمایا کہ قیمت دے کر خرید وا بھی کھائے گا۔سلطان نے اسی کھیت والے سے گھاس خرید کر سامنے رکھی جسے گھوڑا کھالیا۔اسی وقت سلطان نے اعتراف کیا کہ مہدوی اعلیٰ کردار کے ہوتے ہیں۔ان کی اعلیٰ ظرفی کا یہ حال ہے کہ ان کی سواری کے اثر سے ان کے جانور بغیر رضا کا مال نہیں کھاتے۔شکایت کنندگان پر سخت برہم ہوکر سلطان نے کہا کہ آئندہ سے سید عالم کی شکایت نہ کریں۔

روایت ہے کہ اپنی تنخواہ پانچ ہزار روپئے کا عشر پانچ سو روپئے آپؒ اپنے والد بزرگوار شاہ نصرتؒ کو بھجواتے تھے۔ایک مرتبہ صرف تین سو روپئے بھجوائے اور اپنی باری پر پیر دابنے کے لئے حاضر ہوئے تو شاہؒ نے پیر سکیڑ لئے۔آپؒ نے فوراً سمجھ لیا اور مکمل عشر لے کر حاضر ہوئے تو آپؒ کے والد نے خوش ہوکر فرمایا کہ ''یہ عشر ان بندگانِ خدا کا حق تھا اگر کم دیتے تو ان کی حق تلفی ہوتی''

بہ زمانۂ ملازت حضرت سید عالمؒ کے پاس امراء وروساء کا اژدھام ہوتا تھا۔ایسی صورت میں آپ کا روبار سلطنت سے

فراغت کے بعد ایسے پند ونصائح فرماتے تھے کہ تمام حاضرین قائل ہوکر جاتے تھے اور کہتے کہ سید عالمؒ کے پاس ایک نیا درس ملتا ہے وہ خدارسیدہ آدمی ہیں۔

ریاست کے اعلیٰ ترین عہدہ پر فائز رہتے ہوئے بھی آپ نے اپنے پیرومرشد کے حکم پر جس طور سے ترک دنیا فرمایا ہے اس کا واقعہ بھی دلچسپ ہے۔

آپؒ شاہی فوج کے ساتھ زمینداروں سے برسرپیکار تھے۔ جنگ زوروں پر تھی۔ تیروں کی بارش ہورہی تھی لیکن آپ محفوظ تھے۔ شام کو زمینداروں کو شکست دینے کے بعد آپؒ نے تعاقب کا حکم دیا اور واپس لوٹے تو معلوم ہوا کہ آپؒ کے پیرومرشد میاں سید شریفؒ آئے ہیں۔ آپ فوراً حاضر ہوئے اور قدمبوس ہوئے۔ مرشد نے فرمایا کہ میں دعا کررہا تھا کہ آپ اس جنگ سے صحیح وسالم آئیں تو حکم حاکم بجالاؤں یعنی آپ کو ترک دنیا کرواؤں کیوں کہ فرمانِ مہدی موعودؑ ہے۔ ''**ورائے ترک دنیا ایمان نیست**'' اگر اسی جنگ میں خدانخواستہ آپ مقتول ہوجاتے تو اس وعید میں آجاتے۔ اب جب کہ اللہ آپ کو صحیح وسالم لایا ہے برائے خدا ترکِ دنیا کردیجئے اور گروہ فقرائے مہدویہ میں داخل ہوجایئے۔ آپؒ نے حساب کتاب مکمل کردیا اور دنیا ترک کردی۔ استعفیٰ لکھ کر سلطان کو بھیج دیا۔ سلطان شش وپنج میں پڑ گیا کہ کیا وجہ ہے؟ کہیں کسی نے ورغلایا تو نہیں۔ چنانچہ اپنے وزراء اکنّا مادنّا کو روانہ کیا کہ جاکر سمجھائیں۔ دونوں وزراء آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ بادشاہ آپ سے ناراض نہیں ہیں پھر کیوں مستعفی ہورہے ہیں۔ آپؒ نے جواباً فرمایا کہ اب میں بادشاہ مجازی کی ملازمت ترک کرکے بادشاہ حقیقی کا ملازم بن گیا ہوں اس لئے واپس نہیں آسکتا۔ اکنّا مادنّا سمجھ نہ سکے۔ آپؒ نے وضاحت کی کہ اب تک میں سلطان عبداللہ کا ملازم تھا لیکن اب خدا کا ملازم بن گیا ہوں۔ دونوں وزراء واپس لوٹ گئے۔ جب مہدوی سپاہیوں نے دیکھا کہ میاں نے دنیا ترک کردی ہے تو خود بھی دنیا ترک کردیئے۔ آپؒ کا حجرہ اور مسجد گھاس پھوس کی تھی۔ تارک الدنیا سپاہیوں نے وہیں اپنے جھونپڑے بنالئے اس طرح سے پنڈیال بس گیا۔ تارک الدنیا سپاہیوں کی جو اولاد تھی وہ آم، املی وغیرہ کے بیوپار میں مصروف ہوگئی تجارت کا یہ سلسلہ اب تک بھی جاری ہے۔ کہتے ہیں کہ اس وقت وہاں املی کے درخت بکثرت موجود تھے۔

ترک دنیا کے بعد آپؒ ۱۴ یا ۱۵ برس زندہ رہے اور ہر وقت ذکراللہ میں مشغول رہتے تھے اور استغراق میں ڈوبے رہتے تھے۔ آپؒ کی مزار مبارک آج بھی مرجع خاص وعام ہے۔ مہدوی اور اہل ہنود دونوں آپؒ کے بہت معتقد ہیں ہر سال پنڈیال اور گنڈے پلّی کے مہدویوں کا بیسوں بنڈیوں پر مشتمل قافلہ زیارت کے لئے جاتا ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''نورحیات'' سپٹمبر، اکٹوبر ۱۹۶۸ء)

حضرت مخدوم علاءالدین انصاریؒ کی تعلیمات

ہندوستان میں تصوف کے جن سلسلوں نے شہرت پائی ان میں سلسلہ چشتیہ بھی ایک اہم سلسلہ ہے جس کا تعلق حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے ہے۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ حضرت شیخ نظام الدین محبوب الٰہیؒ اور حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلویؒ وغیرہ اسی سلسلہ کے بزرگ ہیں جنہوں نے اس ظلمت کدۂ کفر کو ایمان کے نور سے منور کردیا۔ دکن کے بزرگوں میں سے حضرت مخدوم شیخ علاءالدین انصاریؒ (۷۲۰ھ تا ۷۸۳ھ الندشریف) اور حضرت خواجہ سید محمد حسینی گیسودرازؒ (۷۲۱ھ تا ۸۲۵ھ گلبرگہ) نے اسی چراغ چشتیہ کی روشنی سے سارے دکن کو منور کردیا۔ آپ کی تعلیمات وہی ہیں جو بزرگان چشتیہ کی ہیں۔

دنیا میں رائج تمام سلاسل تصوف کی منزل مقصود ایک ہی ہے گو راہ رہبر مختلف ہیں۔ صوفی کی صفات بیان کرتے ہوئے حضرت شیخ فریدگنج شکرؒ نے فرمایا کہ ''صوفی دنیا اور دنیا کے لوگوں سے بے نیاز اور مستغنی ضرور رہتا ہے۔ مگر کسی حال میں وہ دنیا کی مذمت اور ہجو نہیں کرتا اور نہ اس سے حجت اور نہ اس سے عداوت رکھتا ہے۔ تصوف ایک ایسا بحر بیکراں ہے جس میں صوفی یا سالک حسب استطاعت غواصی کرسکتا ہے۔ یہ غواصی کسی عالم ظاہر کے بس کی بات نہیں۔ کیونکہ عالم ایک جامعہ کا تعلیمات یافتہ ہوتا ہے جبکہ صوفی ایک خانقاہ کا تربیت یافتہ ہوتا ہے۔ عالم کا مذہب صرف عقل ہے تو سالک کا مذہب عشق ہے۔ عالم کا مقصود عبادت حصول جنت ہے تو سالک کا مقصد خالق جنت ہے۔ اب سمجھ سکتے ہیں کہ ایک عالم ظاہر اور عاشق الٰہی کی پرواز میں کیا فرق ہے۔

آیئے دیکھیں کہ ایک عاشق الٰہی پر اپنے معشوق یعنی خدا کے دیدار کے لئے کن مراحل سے گذرنا پڑتا ہے اور اس کی تربیت کیسے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو خیر وشر کا مرکب بنایا ہے اور نفس بھی دیا ہے۔ اگر انسان خیر کی طرف راغب ہوتا ہے تو نفس اس کو روکتا ہے۔ اس لئے سالک کے لئے سب سے پہلے تزکیہ نفس وتصفیہ قلب ضروری ہے۔ تزکیہ نفس کیلے اس کو ایک رہبر صادق کی ضرورت پڑتی ہے جو ہر قدم پر اس کی رہنمائی کرسکے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور صادقین کی صحبت اختیار کرو) رہبر صادق یعنی مرشد کامل کی پہچان یہ ہے کہ اس کو دیکھتے ہی خدا یاد آئے۔ اور طالب صادق کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے مرشد کے ہر حکم کی تعمیل کرے اور اس کے حال پر فریفتہ رہے۔ ایک سالک کے خدا تک پہنچنے کے لئے تین مدارج طئے کرنے پڑتے ہیں۔ یعنی فنا فی الشیخ فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ۔ کسی شیخ کے حلقۂ ارادت و بیعت سے وابستگی کے بعد سالک کو تزکیۂ نفس کی تعلیم وتربیت دی جاتی ہے۔ راہ سلوک میں اس پر جس قدر رنج تکلیف اور مصیبت نازل ہوگی وہ اتنا ہی خدا سے قریب تر ہوتا جائے گا۔ چشتی نظام تربیت میں سب سے پہلے نفس کشی کی تربیت دی جاتی ہے۔ چنانچہ

حضرت ملک المشائخ کے پاس جب کوئی مرید ہونے کی غرض سے آتا تو کم ازکم ایک ہفتہ آپ اس کو ٹالتے رہتے تا کہ اس کی محبت وتڑپ کا امتحان لیا جائے۔ اگر وہ طالب حقیقی ہوتو اس میں پیرومرشد کے دیدار کی تڑپ پیدا ہوجاتی تب آپ اس کو ایک ہفتہ اپنی مصاحبت میں رکھتے اوراس کو دن بھر باوضو وباطہارت رہنے کا پابند بناتے اور باطنی طور پر اس کے افعال کی نگرانی کی جاتی۔ بالآخر ایک دن اس کو مرید کر لئے جانے کی خوشخبری دی جاتی لیکن اس دن اس شخص سے صبح سے شام تک خانقاہ میں پانی بھروایا جاتا یا جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر منگوائی جاتیں تا کہ اس کا نفس مغلوب ہوجائے۔ اس کے بعد اس سے بیعت لی جاتی اور تلقین کے بعد اُسے پھر ایک بار خانقاہ میں ہی گذارنے کی ہدایت کی جاتی اور مختلف قسم کی عبادت وریاضت کے ذریعہ تزکیہ نفس کے بعد اس کو خلافت عطا کی جاتی تھی۔ اور سال میں ایک بار تجدید بیعت کی جاتی تھی۔

غرض کہ اس توبہ وتزکیہ نفس کے بعد سالک کا دل خدا اور رسول کی محبت سے معمور ہوجاتا ہے دنیا ومافیہا سے اس کا دل سرد ہوجاتا ہے اوراس میں عشق الٰہی کا چراغ روشن ہوجاتا ہے اور یہی چراغ اس کی راہ عشق میں مشعل راہ کا کام دیتا ہے کہ سالک بالآخر اپنے خدا کو پالیتا ہے۔

تصوف کے تمام سلاسل بشمول سلسلہ چشتیہ میں اس راہ کے چار مدارج ہیں یعنی شریعت' طریقت' حقیقت اور معرفت۔

حضرت ملک المشائخ کے پیرومرشد حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلویؒ نے فرمایا کہ جب تک سالک تزکیہ' تصفیہ اور تجلیہ حاصل نہیں کرتا اس میں درویشی کا جوہر پیدا نہیں ہوتا۔ ان ہی کے ذریعہ سے شریعت' طریقت اور حقیقت کے مراتب حاصل ہوتے ہیں۔ حصول شریعت سے تزکیہ نفس ہوتا ہے۔ حصول طریقت سے تصفیہ قلب ہوتا ہے۔ اور حصول حقیقت سے تجلیہ روح ہوتا ہے۔ شریعت راہ عشق کا پہلا زینہ ہے یعنی اوامر ونواہی کی پابندی' طریقت اس کے آگے کا زینہ ہے۔ ملک المشائخ حضرت مخدوم علاءالدین انصاریؒ فرماتے ہیں کہ۔

''سالک کے لئے تین علوم کا جاننا ضروری ہے۔ اول شریعت جس میں خدا کی پرستش کرے اوراس کے رسول کے بتلائے ہوئے احکام پر چلیں۔ دوم طریقت جس میں اس کو ڈھونڈتا پھرے اوراس کو طلب کرے۔ سوم حقیقت جس میں اس کا دیدار نصیب ہو۔

شریعت کے ساتھ ساتھ سالک جب طریقت کی راہ پر گامزن ہوتا ہے تو اُسے فرائض طریقت کی تعلیم وتربیت دی جاتی ہے۔ یعنی ذکر الٰہی' صحبت صادقاں' ہجرت فی سبیل اللہ' خلوت نشینی' توکل' ترک دنیا اور طلب دیدار خدا شامل ہیں۔

حضرت ملک المشائخ کی خانقاہ میں بعد نماز عشاء سے لے کر نماز فجر تک اوراد وظائف مراقبہ واذکار کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ ذکر سے مراد خداوند تعالیٰ کی یاد ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ **ولذکر اللہ اکبر** اور ایک جگہ ارشاد ربانی ہوتا ہے۔ **واذکر اللہ قیاماً وقعوداً** یعنی کھڑے اور بیٹھے ہوئے ہر وقت اللہ کا ذکر کرو ذکر الٰہی فرائض طریقت میں سے۔ مذہب صوفیاء چونکہ مذہب عشق

ہے اس لئے ایک عاشق اپنے معشوق کے دیدار کے لئے تڑپتا ہے اور ہر وقت اس کی زبان وقلب پر اسی کا ذکر ہوتا ہے۔قلب وذہن پر اُسی کا تصور چھایا ہوا رہتا ہے۔اور ذاکر کی یہ صفت بتلائی گئی ہے کہ اس کی زبان ذکر میں مشغول ہوتی ہے دل خدا کی طلب میں ہوتا ہے تو روح خدا کی تجلیات کو دیکھتی ہے۔ بالآخر یہ منزل آتی ہے کہ ذکر اور ذاکر کی جگہ صرف مذکور باقی رہتا ہے۔ یہ فنافی اللہ کا مقام ہے۔ ذکر خفی سے ذاکر کا قلب نورِ ایمانی سے منور ہوجاتا ہے۔اور اس کی روشنی میں وہ علم کی حقیقت کو بھی سمجھ سکتا ہے۔قرآن حکیم کے لغوی معنوں سے گذر کر اس کے رموز ونکات منکشف ہوتے ہیں۔ذکر میں ذاکر اپنی ہستی کی نفی کرتا ہے۔جس سے اس میں نیستی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔حضرت ملک المشائخ نے ارشاد فرمایا کہ ''سالک کی جواں مردی اسی میں ہے کہ وہ زمین کی مانند اپنے کو بنالے جیسا کہ تمام غلاظت زمین پر ڈال دی جاتی ہے اور یہی غلاظت ہری بن کر اُگ آتی ہے۔سالک کو بھی اسی طرح رہنا چاہئے'' جب آیت اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (سورہ الزمر آیت۲۲) (سورہ الزمر آیت۲۲) یعنی کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا اور وہ اپنے پروردگار کی دی ہوئی روشنی پر ہو۔کیا وہ سخت دل کافر کی طرح ہوسکتا ہے۔افسوس ہے اُن لوگوں پر جن کے دل یادِ خدا سے غافل ہوکر سخت ہوگئے ہیں۔جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہؓ نے دریافت فرمایا کہ شرح صدر کے کیا معنی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ ایک نور ہے جو مومن کے قلب میں ڈال دیا جاتا ہے۔صحابہؓ نے اس نور کی علامت دریافت کی تو فرمایا کہ بندہ دارالغرور سے منہ موڑ کر دارالخلود کی طرف رجوع ہوجاتا ہے۔اور موت آنے سے پہلے اس کی تیاری کرلیتا ہے۔چنانچہ ایک سالک صوفیاء کی صف میں آنے کے لئے دنیا کو ٹھکرادیتا ہے'' ترک دنیا کی صوفیانہ اصطلاح سنتے ہی علماء ظاہر کے ماتھے پر شکن پڑجاتی ہے۔اور وہ فوراً خلاف شریعت ہونے کا فتویٰ صادر کردیتے ہیں۔درحقیقت ترک دنیا کا شریعت سے گہرا تعلق ہے۔ یہ اصل میں ترکِ حُبِّ دنیا ہے جو خانقاہی نظام تربیت کا پہلا جز ہے جو رہبانیت سے بالکل مختلف ہے۔اس میں نہ تو کسب سے ممانعت کی گئی ہے اور نہ مجرد یعنی غیر شادی شدہ زندگی گزارنے کی پابندی ہے۔ بلکہ صوفیاء نے حدیث شریف النکاح من سنتی کی پوری پوری تعمیل کی ہے۔اور کسب کے معاملے میں چند حدود کسب مقرر کئے گئے ہیں۔یعنی کاسب کے لئے لازمی ہے کہ اذان کے بعد دنیوی مصروفیات ترک کردے۔حلال لقمہ کھائے۔خدا پر پورا بھروسہ رکھے اور قناعت پر عمل کرے۔یعنی حرص وہوس سے پرہیز کرے۔لیکن اگر سالک ہمت رکھتا ہو تو ترکِ کسب بھی کرسکتا ہے۔لیکن اس کو سوال کرنے کی اجازت نہیں بلکہ توکل اختیار کرنا پڑے گا۔اور فقر وفاقہ برداشت کرنا پڑے گا۔فقر مرکب ہے ف' ق اور ر یعنی ف سے فاقہ' ق سے قناعت اور ر سے ریاضت مراد ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (سورہ العنکبوت آیت۶۴) یعنی یہ دنیاوی زندگی لہوولعب کے سوا کچھ بھی نہیں اور اصل زندگی تو عالم آخرت ہے۔ لھو اس چیز کو کہتے ہیں جس میں انسان کھوجائے

اورلعب محض کھیل' دل لگی اور بے نتیجہ کام کو کہتے ہیں۔ دنیا کی یہی وہ خصوصیات ہیں جو بندہ کو خدا سے غافل کر دیتی ہیں۔

حضرت ملک المشائخ نے یوں فرمایا کہ ''زہد یعنی حلال میں بھی جو شہوت ولذت کا حامل ہو اس کو ترک کر کے نفس کو دنیاوی لذتوں سے باز رکھے'' نیز فرمایا کہ ''سالک کو چاہئے کہ اپنے کو چھوڑ کر باقی سب انسانوں سے محبت والفت رکھے۔ اور اپنے کو ہمیشہ خدا اور اس کے رسول کے سامنے ذلیل وخوار سمجھے۔ اگر ملک المشائخ نے خود شادی نہیں کی تو ان کا مذکورہ بالا قول ان کے اس فعل کا آئینہ دار ہے۔ اس کے برعکس ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ شادی نہ کرنا امت محمدی کو ضائع کرنا ہے۔ اور ہر مرد وزن جو مسلمان ہو اس پر شادی فرض ہے تا کہ دین اسلام کی بیل پھیلے۔ بلکہ آپ نے ہی خواجہ سید محمد گیسو دراز کو بجائے تجرد کے شادی کر لینے پر راضی کیا۔ معلوم ہوا کہ تجرد بنفسہ ترک دنیا یا راہ سلوک کے لوازمات میں سے نہیں اور ترک دنیا کا رہبانیت سے رشتہ جوڑنا غلط ہے۔ چشتی صوفیاء کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ مومن نہ تو دنیا سے محبت رکھے اور نہ عداوت رکھے۔ مال دنیا سے محبت نہ رکھے اور دنیا کمانے میں اتنا اندھا نہ ہو جائے کہ حلال وحرام کی تمیز اُٹھ جائے۔

مختصر یہ کہ ان صوفیانہ تعلیمات کے نتیجہ میں ایک طالب خدا کے دل سے دنیا کی محبت دھل جاتی ہے۔ اور خدا کی محبت گھر کر جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا کے پیچھے نہیں بھاگتا بلکہ دنیا اس کے پیچھے بھاگتی ہے۔ مجاہدہ وریاضت کے ذریعہ اس میں صبر ورضا' قناعت وتوکل' استغفار تواضع وخاکساری اور تقویٰ وپرہیزگاری کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ ذکر وفکر کے ذریعہ اس کا قلب نورِ ایمانی سے منور ہو جاتا ہے۔ خدا اور بندے کے درمیان کا حجاب اٹھ جاتا ہے۔ قانون الٰہی تو یہی ہے کہ جو کوئی دنیا واسباب دنیا کا طالب ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام خواہشات دنیاوی کو پورا کرتا ہے۔ لیکن آخرت میں اس کے لئے کوئی اجر نہیں برخلاف اس کے جو لوگ دنیا کو ٹھکرا کر خدا سے عشق ومحبت رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی محبت وعنایت سے نوازتا ہے۔ وہ بالآخر فانی فی اللہ ہو کر باقی باللہ کا درجہ حاصل کرتے ہیں۔

خدا نے انسان کو عقل سلیم کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم بھی دیا ہے۔ اب آپ چاہیں تو صرف ایک متعلم کی طرح پڑھنے پر اکتفا کریں یا پھر ایک محقق کی طرح اس کی قدرت میں غور وفکر کریں۔ اور اس کے عشق میں ڈوبتے جائیں۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلمان نہیں خاک کا ڈھیر ہے

(مطبوعہ روزنامہ ''منصف ۲۷ر فبروری ۱۹۸۰ء وروزنامہ ''سلامتی'' گلبرگہ)

علاّمہ سید اشرف شمسیؒ

سرزمین ہند خصوصاً ارض دکن میں جن نامور علماء نے جنم لیا اور جنہوں نے اشاعت علم کے ذریعہ نہ صرف ملّت اسلامیہ کو فیض یاب کیا بلکہ غیر مسلموں کو بھی اسلام سے روشناس کروایا۔ ان میں علامہ شمسیؒ بھی ایک تھے جنہوں نے بلا امتیاز مذہب وملّت اپنی درس گاہ کا در کھلا رکھا۔

الحمد اللہ جامعہ عثمانیہ کے تحت ان پر تحقیق کا موقع ملا لیکن یہاں صرف تعارفاً مختصر مضمون آپ کی نذر کر رہا ہوں انشاء اللہ آئندہ کسی موقع پر تفصیلی روشنی ڈالوں گا۔

علاّمہ ابو شریف سید اشرف شمسی یداللہیؒ سادات حسینی میں سے تھے۔ وہ ایک عالم متوکل گھرانہ میں ۵؍صفر المظفر ۱۲۸۰ھ مطابق ۲۳؍جولائی ۱۸۶۳ء حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم حضرت سید علیؒ (متوفی ۱۲۹۰ھ) سے پائی۔ بعد میں جن امور اساتذہ سے اکتسابِ فیض کیا ان میں قابلِ ذکر علامہ سید نصرت (متوفی ۱۳۲۹ھ) بحر العلوم عباس علی خاں پنجابی (متوفی ۱۳۲۱ھ) علامہ عبدالصمد خاں قندھاری، مولوی وجیہہ الدین مدراسی (متوفی ۱۳۱۰ھ) اور مولوی سید داؤدؒ، قاری محمد ابراہیم (متوفی ۱۳۳۶ھ) قابل ذکر ہیں۔ ان اساتذہ سے انہوں نے مختلف علوم مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، طب، کلام، تصوف، مناظرہ، ادب، ریاضی، مساحت، اقلیدس، تجوید، فارسی وغیرہ حاصل کئے۔

علاوہ ازیں فنون سپہ گری خصوصاً بنّوٹ، شمشیر زنی اور پنجہ کشی میں صاحب کمال تھے۔ تحصیل علمی کے بعد ۱۳۰۴ھ م ۱۸۸۷ء میں مکہ مسجد حیدرآباد میں تقریب دستار بندی منعقد ہوئی جس میں ان کے اساتذہ مولوی عباس علی خاں اور مولوی عبدالصمد قندھاری وغیرہ نے دستار بندی کی اور سند عطا فرمائی۔

ذریعہ معاش کے لئے علامہ نے پہلے صرفخاص مبارک میں ملازمت اختیار کی لیکن اس دوران درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا جس کی شہرت سے متاثر ہوکر ناظم تعلیمات مولوی الٰہی بخش نے ان کو دارلعلوم میں منتقل کرلیا۔ جب جامعہ عثمانیہ کی بنیاد ڈالی گئی تو وہ ۱۹۱۹ء میں جامعہ منتقل ہوگئے جہاں شعبہ فارسی ان کے سپرد کیا گیا۔ یہاں سے ۱۹۲۷ء میں وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔ لیکن تا حیات درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مصروف رہے۔ نواب بہادر یار جنگ کے الفاظ میں آپ کا دولت کدہ طالبانِ علم کا کعبہ تھا۔ یوں تو آپ کے تلامذہ کی تعداد بے شمار ہیں لیکن چند مشہور تلامذہ میں مولانا سعادت اللہ خاں مندوزئی، قائد ملت

نواب بہادر یار جنگؒ حضرت علامہ سید شہاب الدینؒ حضرت مولانا سید عالمؒ حکیم سید باقرؒ مولوی عبدالحکیم تدبیرؔ مولانا سید نجم الدین افضل العلماءؒ مولانا سید مرتضیٰ یداللّٰہیؒ عالمی شہرت یافتہ قاری پروفیسر سید کلیم اللہ حسینی اور مولوی موسیٰ کلیم اللہ حسینی، جناب بی۔ رام کشن راؤ سابق وزیر اعلیٰ حیدرآباد، شری یم نرسنگ راؤ مدیر ''رعیت'' پروفیسر سید محمد، نواب کاظم علی خاں، نواب سردار یار جنگ، نواب حسنین خاں، امجد حیدرآبادی وغیرہ شامل ہیں۔

علامہ شمسیؒ نہ صرف ایک معلم تھے بلکہ عربی، فارسی اور اردو کے بلند پایہ شاعر تھے اور مفسر قرآن بھی تھے۔ ایک ہی نشست میں سینکڑوں اشعار موزوں ہو جاتے تھے۔ آغا شوستری نے ایک محفل میں جب کہا کہ عرفیؔ و انوریؔ کے وزن پر اشعار کہنے والا آج کوئی نظر نہیں آتا تو علامہ نے گھر لوٹ کر ایک ہی نشست میں دوسو سے زائد اشعار حضرت سیدنا علیؓ کی شان میں کہہ ڈالے۔ اسی طرح عربی کے مشہور شاعر فرزدقؔ کے مشہور قصیدہ جو حضرت سیدنا زین العابدینؒ کی شان میں ہے، اس پر تخمیس بھی لکھی جو غریب المثال ہے اور قادرالکلامی کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ دربار شاہی میں ناصیہ فرسائی سے آپ نے ہمیشہ اجتناب کیا۔

نظام سابع نواب میر عثمان علی خاں نے اپنے کلام کی اصلاح کے لئے نواب ضیاء یار جنگ رکن عدالت العالیہ کے ذریعہ آپ کو بلا بھیجا تو آپ نے انکار کر دیا۔

علامہ شمسیؒ کی تصانیف کی تعداد سو سے زائد بتلائی جاتی ہے۔ جن میں بعض انقلابات زمانہ کے باعث تلف ہو چکی ہیں ان تصانیت کے منجملہ صرف آپ کی عربی تفسیر ''لوامع البیان فی تفسیر القرآن'' پر یہاں مختصراً روشنی ڈالی جائے گی جو اہل ہند خصوصاً اہل دکن کے لئے سرمایۂ افتخار ہے۔ بلاشبہ ہندوستان میں کئی علماء نے قرآن کی تفسیر لکھی ہیں لیکن ان میں سے اکثر اردو زبان میں ہیں۔ صرف چند علماء ہی نے خالص عربی زبان میں مکمل قرآن مجید کی تفسیر لکھی ہے ان میں سے ایک علامہ شمسی بھی تھے۔ خصوصاً دکن میں جن مفسرین کے نام ملتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱)	علامہ حسن بن محمد	(متوفی ۷۳۰ھ)
(۲)	حضرت سید محمد گیسودرازؒ	(متوفی ۸۲۵ھ)
(۳)	قاضی شہاب الدین	(متوفی ۸۴۹ھ)
(۴)	ملا فتح اللہ شیرازی	(متوفی ۹۹۷ھ)
(۵)	مولوی عبدالصمد	(متوفی ۱۰۹۷ھ)
(۶)	عزیز اللہ ہمیر نگ	(متوفی ۱۲۲۱ھ)

ان کے منجملہ دکن میں خواجہ دکنؒ حضرت سید محمد گیسو دراز کے بعد علامہ شمسیؒ کے سوا کسی نے بھی مکمل قرآن مجید کی تفسیر عربی میں نہیں لکھی۔ حضرت خواجہؒ کی تفسیر ''الملتقط'' کے قلمی نسخے ہند اور برطانیہ کے چند اہم کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ اس تفسیر کا انداز صوفیانہ ہے۔ علامہ شمسی کی تفسیر ''لوامع البیان'' جامع التفاسیر ہے جس میں کئی علوم کی مدد سے بحث کی گئی ہے۔ یہ تفسیر تقریباً چار ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں سے پہلے چھ اجزاء اور آخری جز کی تفسیر زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے۔ اور پہلے و آخری جز کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ تفسیر کا ایک علیحدہ بسیط مقدمہ ہے جو تقریباً ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے جو ابھی غیر مطبوعہ ہے یہ مخطوطات حیدرآباد میں موجود ہیں۔ اس مقدمہ میں دیگر فکر انگیز معلومات کے ساتھ ساتھ صوتیات حروف و خواص حروف' مقطعات' مرکبات' اعجاز قرآن' نزول قرآن' اسماء کتاب اللہ' قراءت و تجوید' آداب تلاوت' وحی' تعالیم القرآن' فضائل نبوت' اور قرآن میں شامل وہ الفاظ جو عربی و فارسی میں مشترک ہیں' ان پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اگر یہ مقدمہ مع ترجمہ شائع ہو جائے تو تشنگانِ علم سیراب ہو سکتے ہیں۔

اپنی تفسیر ''لوامع البیان'' کے آغاز میں فن تفسیر کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ شمسی لکھتے ہیں کہ یہ ارفع و اعلیٰ علوم سے ہے اور ایک مفسر قرآن کو اصول تفسیر' حدیث' فقہ' عربی ادب' تجوید' منطق' تاریخ فلسفہ' کلام' معانی بیان' بدیع' تصوف' عقائد' فرائض فلکیات و ریاضی وغیرہ علوم سے واقفیت نہایت ضروری ہے۔ بلا شبہ علامہ نے اپنی تفسیر میں مختلف علوم کی مدد سے بحث کی ہے۔ آپ نے اصول اہلِ سنت کے موافق یہ تفسیر لکھی ہے۔ آیات کی تفسیر میں دیگر آیات قرآنی' احادیث نبوی کے ساتھ ساتھ شعرائے عرب کے کلام سے بھی مدد لی ہے۔ اکثر مقامات پر مشہور علماء و متقدمین کی تفاسیر کا حوالہ دیا۔ پھر ان کی جرح و تعدیل کے بعد اپنی رائے ظاہر کی ہے کہ کس مفسر کا بیان کہاں تک درست یا غلط ہے اور کیوں۔ جن آیات میں فقہی مسائل بیان کئے گئے ہیں ان کی تفسیر اصول فقہ کی روشنی میں کی گئی ہے جس آیات میں ارض و سماء اجرام فلکی کا ذکر ہے ان کی تفسیر میں علم فلکیات سے بھی مدد لی گئی ہے۔ جس آیات کی تفسیر کے لئے تجوید کی ضرورت ہو وہاں تجوید کی مدد سے اعراب و انداز بیان کی خوبیاں سمجھائی گئی ہیں۔ مختصر یہ کہ یہ تفسیر جامع التفاسیر ہے۔ علوم اسلامیہ کے ساتھ ساتھ سائنسی مسائل سے بھی بحث کی گئی ہے۔

مثلاً ایک مقام پر علامہ نے ڈارون (Darwin) کے اس نظریہ ارتقاء کی تردید کی ہے کہ انسان ابتدائے تخلیق میں بندر تھا اور آہستہ آہستہ اس نے انسان کی شکل اختیار کی۔ آپ نے دلائل و براہین سے اس کو رد کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ قرآن سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ نے آدمؑ کو ایک مکمل انسان کی شکل میں پیدا کیا اور اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ انسان پہلے نباتات یا حیوانات کی شکل میں تھا۔ علامہ نے بعض اہل فرنگ کی اس دلیل کو بھی مسترد کر دیا کہ انسان اور بندر میں بعض مخصوص امراض مشترک ہیں جو دوسرے

حیوانوں میں نہیں پائے جاتے نیز یہ کہ جب انسان کا خون بندر کی رگوں میں بندر کا خون انسان میں داخل کیا جاتا ہے تو طبیعت میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا اور مزاج میں کوئی فساد نہیں پیدا ہوتا۔ علامہ نے اس کو رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انسان حیوانات کی تمام اقسام سے طبیعت و ترکیب کے لحاظ سے ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔ خصوصاً صفت نطق کی وجہ سے جو بندر یا کسی بھی جانور میں نہیں پائی جاتی صرف کسی مرض یا مزاج کی مشابہت اس بات کا ثبوت نہیں کہ دونوں کی فطرت بھی ایک ہے۔

تفسیر ''لوامع البیان'' کے علاوہ علامہ کی تصانیف میں تلخیص النحو (غیر مطبوعہ) تقریباً آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ حضرت علامہ نے تفسیر کی تالیف کے دوران علم میں آنے والے علم نحو کے نادر مسائل کو علیحدہ ضبط قلم کیا تھا۔ نیز فرزند رشید مولوی سید علی مرحوم کی تدریس کے دوران یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس طرح اس کی تالیف ۱۳۳۵ھ میں شروع ہوئی اور ۱۳۴۷ھ میں اختتام کو پہونچی۔ اگر شائع ہو جائے تو دینی و عربی جامعات کے طلباء کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگی۔ علاوہ ازیں العقائد (چار حصے) رسالۃ المعراج، رسالہ دعا، اصلاح الظنون فی جواب ابن خلدون، القول المفید فی التجوید، تنویر الہدایہ، قصائد شمسی وغیرہ طبع ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ غیر مطبوعہ تصانیف کی فہرست بھی طویل ہے۔

علامہ شمسیؒ نے ۱۳۴۹ھ م ۱۹۳۰ء میں وفات پائی اور حظیرۂ چنچل گوڑہ حیدرآباد میں محو استراحت ہیں۔ گو یہ شمس علوم غروب ہو چکا لیکن تلامذہ و تصانیف کے ذریعہ اس کی ضیاء پاشیاں آج بھی جاری ہیں۔

(مطبوعہ روزنامہ ''سلامتی'' گلبرگہ مورخہ ۲۲ر جنوری ۱۹۸۰ء)

یہ مضمون کچھ ردوبدل و اضافہ کے ساتھ ماہنامہ ''اظہار'' کراچی شعبۂ مطبوعات، محکمہ تعلقاتِ عامہ، حکومت سندھ پاکستان میں فبروری ۱۹۸۴ء کے شمارہ میں بھی شائع ہوا۔

قائد ملت کے استاد محترم علاّمہ سید اشرف شمسیؒ

سرزمین ہند خصوصاً ارض دکن میں جن نامور علماء نے جنم لیا اور جنہوں نے اشاعت علم کے ذریعہ نہ صرف ملّت اسلامیہ کو فیض یاب کیا بلکہ غیر مسلموں کو بھی اسلام سے روشناس کروایا ان میں علامہ شمسیؒ بھی ایک تھے جن کی درسگاہ سے بلا امتیاز مذہب و ملّت و فرقہ و مسلک ہر شخص مستفید ہوتا رہا۔ قائد ملت نواب بہادر یار جنگؒ کے الفاظ میں آپ کا دولت کدہ طالبان علم کا کعبہ تھا۔ خود قائد ملت کو علامہ شمسیؒ سے چودہ برس تک شرف تلمذ حاصل رہا جہاں انہوں نے عربی، فارسی، ادب، تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ اور علم کلام وغیرہ

کی باضابطہ تعلیم حاصل کی۔آپ کے بعد قائدملت نے مولوی سعادۃ اللہ خاں مندوزئیؒ سے اکتساب علم کیا۔مختصر یہ کہ ان دوعلماء نے قائدملت کی تعلیم وتربیت میں بہت اہم رول ادا کیا ہے۔

آج قائدملت کے محترم استادعلامہ ابوالشریف سیداشرف سشمسیؒ کا مختصر تعارف آپ کی خدمت میں پیش کررہا ہوں۔علاّمہ ابو شریف سیداشرف سشمسی یداللّٰہیؒ سادات حسینی میں سے تھے۔آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام موسیٰ کاظمؒ کے توسط سے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ تک جا پہنچتا ہے۔آپ مہدوی المسلک تھے۔

نوٹ: تعارف کے لئے اس سے قبل کا مضمون ''علامہ سیداشرف سشمسیؒ'' ملاحظہ فرمایئے جو زیرنظر مضمون میں بھی شامل تھا۔

قائدملت نواب بہادر یار جنگ لکھتے ہیں کہ ''حضرت علامہ مرحوم کا مقصد حیات صرف ایک تھا یعنی اشاعت علم۔اپنی عمر کے ۲۵ سال حصول علم میں صرف کئے تھے۔باقی عمر اس کی اشاعت میں گزاردی۔اور اس فرض کو جو ورثۃ الانبیاء کا منصب اولین ہے حیات مستعار کا ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ادا کیا۔جن جن علوم کی تحصیل کی تھی وہ سب مستحضر تھے۔ان کو بلا کسی تیاری کے اس طرح پڑھاتے کہ طالب علم سیر ہوجاتا۔مولانا کا دولت کدہ طالبان علم کا کعبہ تھا۔شاید ہی چند گھنٹے مولانا کو آرام ملتا تھا۔نماز فجر کے بعد ہی درس شروع ہوجاتا۔جب مدرسہ کا وقت آتا تو کوئی ایک طالب علم کتاب ہاتھ میں لئے جھٹکہ پر ساتھ بیٹھ جاتا اور درس میں مشغول ہوجاتے واپسی میں بھی ایک آدھ طالب علم کا ساتھ ہوتا۔گھر پہنچتے تو تلامذہ کو منتظر پاتے۔رات کا بیشتر حصہ درس میں گزر جاتا۔ایک صاحب تو رات دو بجے حدیث پڑھنے کے لئے آتے تھے۔کبھی علامہ نے کسی کو پڑھانے میں تامل نہیں کیا چاہے وہ مبتدی ہو کہ منتہی۔حلقہ درس میں امیر وغریب کا کوئی امتیاز نہیں تھا۔اگر کوئی ذہین ومحنتی طالب علم مل جاتا تو بہت خوش ہوتے تھے۔اگر کبھی وہ سبق کے لئے نہ آتا تو دوسرے روز حضرت علامہ اس کے گھر پر مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوجاتے۔(مجلّہ مکتبہ ستمبر ۱۹۳۰ء)

ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ انجمن مہدویہ حیدرآباد میں منعقدہ کسی جلسہ میں علامہ سشمسیؒ اور مولوی سید جلال الدین توفیق موجود تھے۔مولانا سعادۃ اللہ خاں صاحب نے جو اس وقت کمسن تھے ایک نظم یا تقریر پیش کی۔سن کر علامہ سشمسیؒ نے پیشکش کی کہ اگر یہ لڑکا پڑھنا چاہتا ہے تو میں پڑھانے تیار ہوں۔چنانچہ بعد نماز فجر مسجد سشمسیؒ میں درس ہوا کرتا تھا۔جبکہ سعادۃ اللہ خاں صاحب روزانہ بیگم بازار سے آیا کرتے تھے۔ان کا اصل نام ممریز خاں تھا۔علامہ سشمسیؒ کے برادر کلاں جو ذکر میں بیٹھا کرتے تھے۔ایک دن اٹھ کر کہا کہ اشرف میاں! میں اس لڑکے کو بہت سعادت مند پاتا ہوں اور اس کا نام سعادت اللہ خاں رکھتا ہوں۔چنانچہ یہی نام مشہور ہوگیا۔اور آگے چل کر یہ لڑکا علامہ کا جانشین بنا اور قائدملت کو بھی ان سے شرف تلمذ حاصل رہا۔

علامہ کے ذوق تدریس کا یہ عالم تھا کہ اگر مزاج ناساز ہوجائے اور تلامذہ یہ کہیں کہ آج درس موقوف رکھیں تو آپ کہتے کوئی

فکر نہ کریں۔تدریس سے تو دل بہلتا ہے حالانکہ آپ بلا معاوضہ درس دیا کرتے تھے۔

ایک دلچسپ واقعہ ہے کہ قائد ملت بچپن میں جب پڑھنے کے لئے آئے تو علامہ نے کہا کہ آپ نواب زادہ ہیں میں آپ کے لئے کسی قالین کا انتظام نہیں کرسکتا۔اگر آپ کو اس چٹائی پر بیٹھ کر پڑھنا گوارا ہے تو پڑھئے۔اسی طرح درس کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ ایک بار قائد ملت نے معاوضہ قبول کرنے کی اصرار وتکرار کی تو علامہ نے ناراض ہوکر انہیں درس گاہ میں آنے سے منع کردیا۔جب اس کی اطلاع ان کے والد نواب نصیب خاں بہادر کو ملی تو بہت بے چین ہوگئے اور علامہ سے معذرت چاہی۔قائد ملت نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے''سوائے ملازمت سرکاری اور زمانہ ابتدائی کی دو چار خانگی ملازمتوں کے کسی کو معاوضہ لے کر نہیں پڑھایا۔ مجھے چودہ سال تک حضرت کی قدمبوسی کا شرف حاصل رہا ہے۔حضرت قبلہ گاہی مرحوم (والد) کو تمنا ہی رہی کہ مجھے مولانا جو درس دیتے تھے اس کے معاوضہ میں کچھ قبول فرمائیں۔لیکن تنخواہ یا مشاہرہ تو کیا کبھی تحفہ وہدیہ تک قبول فرمانا گوارہ نہ کیا (مکتبہ ستمبر ۱۹۳۰ء)

علامہ شمسیؒ کے تعبیر رویا کے کئی واقعات مشہور ہیں لیکن یہاں صرف ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔قائد ملت نواب بہادر یار جنگؒ بچپن میں علامہ کے پاس پڑھنے کے لئے آیا کرتے تھے ایک بار انہوں نے علامہ سے کہا کہ شاید میں کچھ دن بعد درس کے لئے نہ آسکوں گا۔علامہ نے حیرت سے پوچھا کیا بات ہے۔انہوں نے کہا میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس میں لوگ مجھے کفن پہنا کر دفن کررہے ہیں علامہ نے کہا کہ یہ تو بہت اچھا خواب ہے پہلے مٹھائی منگاؤ پھر خواب کی تعبیر بتلاتا ہوں۔قائد ملت کے اصرار پر علامہ نے تعبیر یہ بتلائی کہ لوگ تمہیں اپنا قائد بنائیں گے اور تمہاری عزت وشہرت بہت بڑھ جائے گی۔چنانچہ یہ تعبیر حرف بہ حرف درست نکلی۔

علامہ شمسیؒ میں وہ ساری خوبیاں جمع تھیں جو ایک عالم کامل میں ہونی چاہئے۔جو بھی اُن سے ایک بار مل لیتا گرویدہ ہوجاتا تھا۔مزاج تصنع سے پاک تھا۔فطرتاً بامروت، خلیق، حلیم ورحیم تھے۔اور خوددار، خداپرست، غیور درویش صفت، بے ریا، زاہد ومتقی بزرگ تھے۔خودداری اور غیرت کا یہ عالم تھا کہ اپنی تکالیف اور مصائب کا کبھی کسی سے ذکر نہ کیا۔صبر وقناعت میں پوری زندگی گزاردی۔تنخواہ کا زیادہ تر حصہ خریدی کتب، یتیم ونادار طلباء اور بیواؤں کی اعانت میں خرچ ہوجاتا تھا۔کوئی سائل (فقیر) ان کے در سے محروم نہ لوٹتا تھا۔نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔انہوں نے ہمیشہ شاہ وقت کی آستاں بوسی اور حکام کی چاپلوسی کو عار سمجھا۔

علامہ شمسیؒ تبحر علمی اور دین داری کے باوجود زاہد خشک نہیں تھے۔شاعری اور موسیقی کی مخصوص محفلوں میں شرکت کیا کرتے تھے۔ایرانی گلی اور کوچہ نسیم کی ادبی محفلوں میں علامہ شمسی اور حضرت توفیقؔ کی شرکت سے بہار آجاتی تھی۔خود علامہ ایک قادر الکلام شاعر تھے۔اردو سے زیادہ عربی اور فارسی میں آپ کا کلام موجود ہے۔

حضرت سیدنا زین العابدینؓ کی مدح میں مشہور عربی شاعر فرزوق نے جو قصیدہ کہا تھا اس پر علامہ شمسی کی تخمیس ان کی قادر الکلامی اور بلندی تخیل کی آئینہ دار ہے۔فارسی کلام بھی عرفیؔ وانوریؔ کے معیار کا ہے۔جس کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے ہم عصر شاعر نواب سناد الملک، خاتم الشعراء آقا سید علی شوستری نے ایک رقعہ نظم آپ کو لکھا تھا۔علامہ شمسیؒ کو مرزا عبدالقادر بیدلؔ کا حسن بیان مرغوب

تھا۔لیکن اسلوب بیان میں ان کی اپنی انفرادی شان جلوہ گر ہے۔ایک ایک نشست میں قصیدہ کے ڈیڑھ دوسوشعر موزوں کر دینا ان کے لئے معمولی بات تھی۔ایک دفعہ ناقدر شناسی کے کسی واقعہ سے متاثر ہوکر انہوں نے اپنا سارا کلام باؤلی میں پھینک دیا تھا اور اس مشغلہ کو خیر باد کہنے کا ارادہ بھی کرلیا تھا لیکن فطری صلاحیت کو دبایا نہیں جاسکتا۔ان کی طبیعت کی جولانی اور جذبات کی فراوانی نے پھر ان کو شعر کہنے پر مجبور کر دیا۔علامہ نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی مگر غزلوں' قصیدوں' حمد' نعت ومنقبت کا سرمایہ زیادہ ہے بیشتر کلام غیر مطبوعہ ہے۔

علامہ شمسیؒ نے عسرت وتنگ دامانی کے باوجود درس وتدریس کے ساتھ ساتھ مختلف علوم وفنون پر تقریباً ڈیڑھ سو کتابیں لکھی تھیں۔ابتداءً انہوں نے بعض فرمائشی کتب لکھی تھیں جو دوسروں کے نام سے موسوم ہوگئیں۔جس کا ذکر کرتے ہوئے قائد ملت لکھتے ہیں'' حضرت علامہ مرحوم بھی اس تذکرہ کو ناپسند فرماتے تھے۔اور میں بھی اس کو قلمبند کرتے ہوئے رنج وملال محسوس کرتا ہوں کیونکہ حضرت علامہ نے فراغت تحصیل کے بعد حصول ملازمت تک اپنے جگر گوشوں اور دل کے ٹکڑوں یعنی تصانیف کو فروخت کر کے قوت لا یموت کا سامان حاصل کیا۔ایک دو مثنویاں اور علوم معقول ومنقول میں کئی تصانیف جوان کے معاصرین کے ناموں سے منسوب ہیں اگر اس خانہ خراب تنگ دستی نے ان کو مجبور نہ کیا ہوتا تو آج حضرت علامہ مرحوم کی تصانیف کے ساتھ ان کے نام گنائے جاسکتے۔(مکتبہ ستمبر ۱۹۳۰ء)

علامہ کی مطبوعہ تصانیف میں سے رسالتہ المعراج' القول المفید فی التجوید' رسالہ دعا' العقائد' اصلاح الظنون فی جواب ابن خلدون' تنویر الہدایہ وغیرہ دستیاب ہیں۔علامہ نے عربی نحو پر ایک ضخیم وجامع کتاب ''تلخیص النحو'' بزبان اردو تالیف کی تھی جو غیر مطبوعہ ہے اگر یہ کتاب طبع ہوجائے تو عربی مدارس وجامعات کے لئے بے حد مفید ثابت ہوگی۔

علامہ شمسی کی تفسیر ''لوامع البیان'' جامع التفاسیر ہے جس میں کئی علوم کی مدد سے بحث کی گئی ہے۔یہ تفسیر تقریباً چار ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔جس میں سے پہلے چھ اجزاء اور آخری جز کی تفسیر زیور طباعت سے آراستہ ہوچکی ہے۔اور پہلے وآخری جز کا اردو ترجمہ بھی شائع ہوچکا ہے۔اس کے علاوہ تفسیر کا ایک علیحدہ بسیط مقدمہ ہے جو تقریباً ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے جو ابھی غیر مطبوعہ ہے یہ مخطوطات حیدرآباد میں موجود ہیں اس مقدر دیگر فکر انگیز معلومات کے ساتھ ساتھ صوتیات حروف وخواص حروف' مقطعات' مرکبات' اعجاز قرآن' نزول قرآن' اسماء کتاب اللہ' قراءت وتجوید' آداب تلاوت' وحی' تعالیم القرآن' فضائل نبوت' اور قرآن میں شامل وہ الفاظ جو عربی وفارسی میں مشترک ہیں' ان پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔اگر یہ مقدمہ مع ترجمہ شائع ہوجائے تو تشنگانِ علم سیراب ہوسکتے ہیں۔

اپنی تفسیر ''لوامع البیان'' کے آغاز میں فن تفسیر کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ شمسی لکھتے ہیں کہ یہ ارفع واعلیٰ علوم سے

ہے اور ایک مفسر قرآن کو اصول تفسیر، حدیث، فقہ، عربی ادب، تجوید، منطق، تاریخ فلسفہ، کلام، معانی بیان، بدیع، تصوف، عقائد، فرائض فلکیات وریاضی وغیرہ علوم سے واقفیت نہایت ضروری ہے۔ بلاشبہ علامہ نے اپنی تفسیر میں مختلف علوم کی مدد سے بحث کی ہے۔ آپ نے اصول اہلِ سنت کے موافق یہ تفسیر لکھی ہے۔ آیات کی تفسیر میں دیگر آیات قرآنی، احادیث نبوی کے ساتھ ساتھ شعرائے عرب کے کلام سے بھی مدد لی ہے۔ اکثر مقامات پر مشہور علماء ومتقدمین کی تفاسیر کا حوالہ دیا۔ پھر ان کی جرح وتعدیل کے بعد اپنی رائے ظاہر کی ہے کہ کس مفسر کا بیان کہاں تک درست یا غلط ہے اور کیوں۔ جن آیات میں فقہی مسائل بیان کئے گئے ہیں ان کی تفسیر اصول فقہ کی روشنی میں کی گئی ہے جس آیات میں ارض وسماء اجرام فلکی کا ذکر ہے ان کی تفسیر میں علم فلکیات سے بھی مدد لی گئی ہے۔ جن آیات کی تفسیر کے لئے تجوید کی ضرورت ہو وہاں تجوید کی مدد سے اعراب وانداز بیان کی خوبیاں سمجھائی گئی ہیں۔ علوم اسلامیہ کے ساتھ ساتھ سائنسی مسائل سے بھی بحث کی گئی ہے۔ فصاحت وبلاغت، علم اللغات، نحو، معانی، بیان بدیع، تاریخ، سیر، احادیث، فقہ، طب، اختلافات قراءت، حلال وحرام، قصص عرفان ومسالک صوفیہ، علم ریاضی، منطق، اسباب نزول، کلام، فلکیات، معقول ومنقول سب کچھ قاری کو یکجا مل جاتا ہے۔ غرض آپ کی عربی تفسیر ''لوامع البیان'' جامع التفاسیر ہے جو اہل ہند وپاک کے لئے سرمایہ افتخار ہے۔ بلاشبہ برصغیر کے کئی علماء نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی ہے لیکن ان میں سے اکثر اردو میں ہیں۔ صرف چند ہی علماء نے خالص عربی میں مکمل تفسیر لکھی ہے انہی میں علامہ شمسیؒ بھی ہیں۔ خصوصاً دکن میں جن مفسرین کے نام ملتے ہیں اُن میں حضرت سید محمد گیسودرازؒ (متوفی ۸۲۵ھ گلبرگہ) کے بعد علامہ شمسی کو ہی یہ سعادت نصیب ہوئی کہ مکمل قرآن مجید کی عربی زبان میں تفسیر لکھیں۔

علامہ کے وصال کے بعد مجلّہ مکتبہ کا خصوصی شمارہ شائع ہوا اور ایک تعزیتی مشاعرہ میں آپ کے شاگرد رشید وجانشین قائد ملت نواب بہادر یار جنگ خلقؔ نے جو مرثیہ پڑھا اس کا مطلع ومقطع بالترتیب اس طرح ہے۔

ہم کس کو تیرے بعد کہیں آفتاب علم
اے فخر قوم شمسی عالی جانب علم
اے خلقؔ کس کے سامنے پھیلائے جاکے ہاتھ
ہے تین پشت سے وہ ترا فیضاب علم

علامہ شمسیؒ نے ۲۶ محرم ۱۳۴۹ھ م ۲۴ جون ۱۹۳۰ء روز سہ شنبہ کو وفات پائی اور حظیرہ حضرت بندگی میں سید راج محمدؒ چنچل گوڑہ حیدرآباد میں محو استراحت ہیں۔ مزار پر قائد ملت نے عقیدۃً چوکھنڈی تعمیر کروائی تھی۔ گو یہ شمس علوم غروب ہو چکا لیکن تلامذہ وتصانیف کے ذریعہ اس کی ضیاء پاشیاں آج بھی جاری ہیں۔

(مطبوعہ روزنامہ ''رہنمائے دکن'' حیدرآباد بہادر یار جنگ نمبر مورخہ ۴ رجب المرجب ۱۴۰۴ھ م ۷ اپریل ۱۹۸۴ء)

علامہ شمسیؒ کے اساتذہ

بحرالعلوم علامہ ابوالشریف سید اشرف یداللّٰہی شمسیؒ کی علمی خدمات پر تحقیقی مقالہ قلمبند کرتے وقت جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ان میں ان کے اساتذہ پر مواد کی فراہمی بھی تھی۔ چنانچہ افادۂ عام کی خاطر ان کے اساتذہ پر فراہم شدہ معلومات اپنے مقالوں سے مختصر پیش کر رہا ہوں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ علامہ نے وراثتاً ذوق علمی پایا تھا۔ تسمیہ خوانی کے بعد آپ کے والد محترم حضرت سید علیؒ سے قرآن مجید، حکایات، لطیفہ، گلستان و میزان کا درس لیا۔

۱۲۹۰ھ میں والد محترم کی وفات کے بعد آپ کے برادر کلاں حضرت سید محمود نے سلسلہ درس جاری رکھا۔ یہاں تک کہ حکومت حیدرآباد نے شہر سے مہدویوں کے اخراج کا حکم صادر کیا۔ نتیجتاً مشائخ مہدویہ بھی گجرات منتقل ہو گئے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد حکومت نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔ جب علاّمہ سید نصرتؒ نے گجرات سے واپسی کے بعد محلّہ مشیرآباد میں سکونت اختیار کی تو علامہ شمسیؒ درس کے لئے آپ کے پاس حاضر ہوئے۔ اور یہ سلسلہ تقریباً دو سال تک چلتا رہا۔ لیکن علامہ سید نصرتؒ کی بڑھتی ہوئی مصروفیات کی وجہ سے یہ سلسلہ درس جاری نہ رہ سکا۔

جب آپ کی عمر ۱۷ سال ہوئی تو رغبت علمی بڑھتی ہی گئی دریں اثناء مولوی سید نورالاتقیا نے دروازہ دبیر پورہ کے قریب مدرسہ محمدیہ قائم کیا اور مولوی عباس علی خاں علی پوری کو اس کا منتظم اعلیٰ مقرر کیا۔ مولوی سید نورالاتقیا با اثر و با ثروت مشائخ اورنگ آباد میں سے تھے۔ جن کے فرزند نواب ضیاء یار جنگ نہ صرف علامہ شمسی کے ہمدرس تھے بلکہ عدالت العالیہ کے جج بھی رہ چکے ہیں۔ علامہ شمسیؒ نے ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۸۲ء میں اس مدرسہ میں داخلہ لیا۔ جہاں ابتداً مولوی ولی محمد سے درس لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد علامہ عباس علی خاں پنجابی سے متعدد علوم حاصل کئے۔ اور علم منطق معانی بیان، بدیع فلسفہ، حکمت، ہیئت، طب، حدیث تفسیر، فقہ، مناظرہ علم الفرائض، عقائد کلام، ادب اور ریاضی وغیرہ میں مہارت تامہ حاصل کی''

بحرالعلوم علامہ سید نصرتؒ:

بحرالعلوم شمس العارفین علامہ سید نصرت اعلی اللہ مقامہ ابن حضرت سید یعقوبؒ مشہور مشائخ و علمائے مہدویہ میں سے تھے آپ کی ولادت باسعادت ۶ رجب ۱۲۵۷ھ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے پائی۔ جب مدرسہ دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا جہاں مولوی ابورجاء زماں خاں بھی عربی پڑھایا کرتے تھے تو آپ نے وہاں داخلہ لیا۔ خصوصاً مولوی حمیدالدین، مولوی عبداللہ،

مولوی نیاز احمد بدخشانی اور مولوی عبدالصمد خاں قندھاری سے علوم متداولہ کی تکمیل کی اس طرح ۲۵ سال کی عمر میں متعدد علوم میں مہارت تامہ حاصل کی۔

اثناءِ تعلیم ہی آپ نے مسلک مہدویہ کے مطابق ۲ رمحرم ۱۲۷۱ھ کو ترک دنیا کی اور ۱۲۸۶ھ میں والد محترم کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر متمکن ہوئے۔ آپ کی تبحر علمی اور تمہر فیصل نے لوگوں کو بہت متاثر کیا آپ کے فیصلے اور فتوے حکومت اور دارالقضاء میں معتبر اور مستحسن مانے جاتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات محکمہ قضاۃ کی جانب سے خفیہ طور پر آپ سے رائے بھی طلب کی جاتی تھی۔ نظام سادس نواب میر محبوب علی خاں نے جشن سیمیں (سلور جوبلی) کے موقع پر آپ کو خلعت عطا فرمائی۔ علامہ کی مشہور تصانیف ہیں۔ اصول الروایہ، علم الکلام المہدویہ، رسالۃ الجمعہ اور فقہ المہدویہ اور کحل الجواہر بجواب ہدیہ مہدویہ شامل ہیں۔ علامہ شمسیؒ نے اپنے استاد محترم کی کتاب اصول الروایہ (عربی) پر نہ صرف حاشیہ لکھا تھا بلکہ اس کی شرح ''تنویر الدرایہ شرح اصول الروایہ'' بھی لکھی تھی لیکن اب یہ نایاب ہے۔ علامہ سید نصرتؒ نے ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۲۹ھ میں وصال پایا اور مرقد مبارک حظیرہ حضرت سید راج محمدؒ چنچل گوڑہ میں ہے۔

علامہ سید نصرتؒ کے فرزند علامہ سید شہاب الدینؒ کو علامہ شمسیؒ سے نہ صرف شرف تلمذ حاصل رہا بلکہ آپ نے علامہ شمسیؒ کے بیش بہا کتب خانہ خصوصاً مخطوطات کا تحفظ فرمایا۔ مجھے تحقیق کے سلسلے میں علامہ سید شہاب الدینؒ کے موجودہ جانشین حضرت الحاج سید عطن شہاب مہدوی صاحب قبلہ کی مہربانی سے مخطوطات سے استفادہ کا موقعہ حاصل ہوا۔ جس کے لئے میں مولانا کا ممنون ہوں سچ تو یہ ہے کہ موصوف کے تعاون کے بغیر اس تحقیقی کام (ایم۔فل) کی تکمیل ناممکن تھی۔

علامہ عباس علی خاں علی پوری:

بحر العلوم علامہ عباس علی خاں ریاست پنجاب کے ضلع علی پور کے متوطن تھے۔ جب حیدرآباد تشریف لائے تو انہوں نے بازار نورالامراء میں سکونت اختیار کی۔ مولوی سید نورالاتقیاء نے جب مدرسہ محمدیہ کی داغ بیل ڈالی تو آپ کو منتظم اعلیٰ مقرر کیا جہاں علامہ شمسیؒ نے آپ کے شاگرد رشید ہونے کا شرف حاصل کیا۔

علامہ عباس علی خاںؒ محدث عصر اور علماء اجل میں سے تھے۔ زاہد و متوکل، صاحب وجاہت و فضیلت اور صاحب کشف بھی تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ کوئی شخص جو وہابی تھا آپ کی مجلس میں حاضر ہوا اور حضور اکرم ﷺ کے علم غیب کے تعلق سے بحث کرنے لگا۔ آپ نے عقلی و نقلی دلائل سے اس کو مطمئن کرنا چاہا لیکن اس نے نہ مانا تب آپ کو جلال آ گیا اور بالآخر آپ نے کہا کہ حضور کی ذات اقدس کے تعلق سے شاکی ہے لیکن میں تو ایک ادنیٰ بندہ ہوں اور اب یہ حقیقت واضح کر رہا ہوں کہ تجھ پر اس وقت غسل جنابت واجب ہے یہ سنتے ہی وہ شخص اُٹھ کر فرار ہو گیا۔

علامہ کے توکل کے تعلق سے کہا جاتا ہے کہ کسی بھی طالب علم سے کوئی معاوضہ یا ہدیہ قبول نہیں کرتے تھے۔ ایک بار کسی

طالب علم نے بچہ کی جیب میں جبراً کچھ روپئے رکھ دیئے۔ جب علامہ کو اس کا پتہ چلا تو مارے غیض کے بچہ کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے اس کے بعد پھر کبھی بچہ جماعت میں نظر نہیں آیا۔

علامہ عباس خاں رسوم وبدعات کے سخت خلاف تھے جس کی وجہ سے مشائخ ان کے مخالف ہوگئے تھے۔ مدرسہ محمدیہ میں نصاب کی تکمیل کے بعد جب علامہ نے جلسہ تقسیم اسناد منعقد کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو علماء نے اصرار کیا کہ مولانا شمسیؒ کو اس میں شریک نہ کیا جائے کیونکہ وہ مسلک مہدویہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن علامہ نے ان کی رائے کو قبول نہیں کیا۔ نتیجتاً علماء نے ارباب حکومت کو ورغلانے کی کوشش کی لیکن بعد تحقیق آپ کو انعقاد جلسہ کی اجازت دے دی گئی۔ چنانچہ ۲۶ رشوال المکرّم ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸ رجولائی ۱۸۸۷ء کو مکہ مسجد میں عظیم الشان جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوا جو حیدرآباد کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا پہلا جلسہ تھا اس جلسہ میں شہر کے مشہور علماء خصوصاً مولوی عبدالصمد خاں قندھاری، مولوی حکیم وکیل احمد سکندر پوری، مولوی محمد ہاشم، مولوی میر احمد علی افغانی، شیخ الاسلام مولوی انوار اللہ خاں (بانی جامعہ نظامیہ) مولوی مبارک علی، مولوی عزیز الدین اور مولوی فقیر محمد وغیرہم نے شرکت کی اور نواب معزز یار جنگ نے آصف جاہ سادس کی نمائندگی کی اور کوتوال پولیس نواب اکبر جنگ نے بھی شرکت کی۔

مولانا شمسیؒ نے دیگر طلباء کی طرح ایک فارسی وعربی قصیدہ اور عربی تقریظ پڑھ کر سنائی جس کے بعد اساتذہ نے ان کی دستار بندی فرمائی اور علامہ عباس علی خاں نے دستار بندی اور سند کے علاوہ اپنی قباء بھی عنایت فرمائی۔ مولوی عبدالحئ لکھنوی نے اپنی مشہور تصنیف ''نزھۃ الخواطر جلد ۸ میں مولانا کے ذوق علمی کو سراہا ہے۔ لیکن سہواً استاد کا نام مولانا عباس چریا کوٹی لکھ دیا ہے جو غلط ہے۔ در حقیقت مولانا عباس چریا کوٹی کا وصال ۱۳۰۲ھ میں چریا کوٹ میں ہوا جو اتر پردیش میں اعظم گڑھ کے قریب واقع ہے۔ جبکہ علامہ عباس علی خاں پنجاب کے موضع علی پور کے متوطن تھے۔ اور ان کا وصال ۲۱ رشعبان ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۲ رنومبر ۱۹۰۳ء کو حیدرآباد میں ہوا اور مزار کاروان کے محلّہ امام پورہ میں باغ عثمان خاں میں ہے۔ مولوی عثمان خاں صدر محاسب نے عقیدتاً علامہ کو اپنے خاندانی قبرستان میں دفن کیا تھا۔ اب یہ باغ یلیا کا باغ کہلاتا ہے۔ علامہ کی صحیح تاریخ وفات ومدفن کا پتہ مرشدی ومولائی حضرت سید عالم صاحب قبلہؒ (وفات یکم جنوری ۸۳ء) نے بہم پہنچایا جس کی مدد سے ہی شخصی طور پر قبر کا پتہ چلایا جاسکا ہے۔ اور صاحب نزہۃ الخواطر کے بیان کی تصحیح بھی ہوسکی جس کے لئے میں حضرت قبلہ کا ممنون ہوں۔ نیز مولوی حمید الدین علوی صاحب ایڈوکیٹ ساکن چنچل گوڑہ کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے بھی علامہ عباس علی خاں پر مواد کی فراہمی میں رہنمائی فرمائی۔

بحر العلوم علامہ عباس علی خاں علی پوری کی حسب ذیل تصانیف میری نظر سے گذری ہیں۔ مختصر البخاری مع شرحۃ التعلیق الفخری (عربی)، میعار الفنون (عربی) میعار البلاغۃ (عربی)، مفتاح العروض (عربی) التعلیق المفصل علی مسند احمد ابن حنبل (عربی) بناء الصرف (فارسی) اور اصول حدیث (اردو)

خان علامہ عبدالصمد خاں قندھاری:

علامہ قندھاری کا تعلق کابل افغانستان سے تھا وہاں سے ہجرت کے بعد حیدرآباد کے محلّہ کاروان میں سکونت پذیر تھے۔اور مسجد میاں مشک نزد پرانا پل میں علوم عقلیہ خصوصاً ہیئت وریاضی وغیرہ کا درس دیا کرتے تھے۔ان سے مولانا شمسی کو بھی شرف تلمذ حاصل رہا۔مکہ مسجد میں منعقد شدہ جلسہ تقسیم اسناد میں علامہ قندھاری نے بھی شمسی صاحب کی دستار بندی کی اور سند عطا فرمائی۔جس کے آخر میں مولانا کے لئے خلیق ومستعد وذکی ناقد وفہیم واقد است کے الفاظ درج ہیں۔

علامہ قندھاری نے حیدرآباد میں مولانا جمال الدین افغانی سے بھی ملاقات کی تھی۔علامہ نے حیدرآباد میں ہی وفات پائی اوران کو جمعرات بازار کے اس قبرستان میں دفن کیا گیا جواب انقلابات زمانہ کا شکار ہو چکا ہے۔تلاش بسیار کے باوجود قبر کی نشاندہی نہ ہوسکی اور نہ ہی کچھ مواد دستیاب ہوسکا۔

مولانا وجیہہ الدین مدراسی:

مولوی وجیہہ الدین نیلور میں ۳؍رمضان المبارک ۱۲۳۸ھ کو پیدا ہوئے مدراس میں قاضی ارتضا علی گوپاموی ودیگر اساتذہ سے تعلیم پائی بعدازیں حیدرآباد منتقل ہوگئے جہاں مدرسہ نظامیہ میں درس وتدریس میں مشغول رہے۔۱۳۱۰ھ میں وفات پائی ان کے ورثاء آج بھی حیدرآباد میں مقیم ہیں۔

مولوی وجیہہ الدین علماء اجل میں سے تھے۔جب آصف جاہ سادس نواب میر محبوب علی خاں نے نصاب تعلیم کی تکمیل کی تو طئے پایا کہ امتحان لیا جائے۔چنانچہ مولوی وجیہہ الدین نے ۱۴؍ستمبر ۱۸۸۱ء کو آصف جاہ سادس کا امتحان لیا۔علامہ شمسیؒ نے مولوی صاحب سے علوم ریاضی، الجبرا اور مساوات وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔علاوہ ازیں اپنے برادر سید محمود سے تصوف اور فنون عسکری، حضرت سید داؤد سے زبان وادب، فارسی، مولوی سید مصطفیٰ سے رمل وجفر، حضرت سید اللہ بخش سے نجوم اور قاری محمد ابراہیم سے تجوید کی تعلیم حاصل کی۔قاری محمد ابراہیمؒ نے ۱۳۳۶ھ میں وفات پائی۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''نورحیات'' مئی ۱۹۸۳ء)

☆☆☆☆☆☆☆

دورِ حاضر اور ہم

اسلام ہی ایک ایسا واحد نظام ہے جس سے دنیا میں امن وامان قائم ہوسکتا ہے دین اور دنیا دونوں میں اسلامی نظام سے کامیابی اور کامرانی حاصل ہوسکتی ہے۔اس وقت مسلمانوں کو اسلامی نظام کی شدید ضرورت ہے۔آج جو حکومتیں جنگ وجدال کی طرف مائل ہیں اگر وہ اسلامی اصول کو اختیار کریں تو ہر جگہ امن وامان قائم ہوسکتا ہے۔اور ظلم وزیادتی سے دنیا پاک ہوسکتی ہے۔مسلمانوں کی موجودہ پستی کی ایک اہم وجہ اسلامی تعلیمات کو نظر انداز کرنا ہے۔مغربی تعلیم یافتہ نوجوان اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ ہونے کے سبب خود مذہب کے اصولوں کا مذاق اڑاتے نظر آرہے ہیں ورنہ کیا وجہ ہے کہ وہ قوم جس نے دنیا کو علم وعمل سے سیراب کیا تھا آج وہ تشنہ دہن ہے۔؟ جس قوم نے چار دانگِ عالم میں تہذیب وتمدن کا ڈنکا بجایا ہے آج وہ غیر مہذب اور غیر متمدن کیوں ہے؟ یہ محض اسی لئے ہے کہ اسلامی تعلیم سے ناواقفیت بڑھتی جارہی ہے۔آج بچوں کو اسلامی تعلیم سے بے بہرہ رکھ کر غیر اسلامی تعلیم دلانا اعلیٰ سوسائٹی کا نشان سمجھا جارہا ہے۔بہرحال ہم جب تک اپنی موجودہ روش کو نہ بدلیں اصلاح حال کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی۔

قرآن دنیا میں انسان کو جدوجہد سے نہیں روکتا بلکہ جائز طریقہ سے سعی وعمل کی تاکید کرتا ہے۔ **السعی منی و الاتمام من اللہ تعالیٰ** کوشش کرنا میرا اور تمام کرنا اللہ کا کام۔

یہ ظاہر ہے کہ عبادات کا تعلق روحانی قوت سے ہے اس کا اثر اخلاق پر بہت اچھا ہوتا ہے لیکن عبادات کے ساتھ ساتھ ابنائے جنس کی خدمت آج کے دور میں ضروری ہے۔

مسلمانوں کا ترقی کا اصل راز یہی ہے کہ ان میں تنظیم تھی وہ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا تھے۔وہ موت سے بے خوف تھے ان کو آخرت کی فکر تھی دین ودنیا کا تصور ان میں تھا۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے صدیوں تک نہایت شان وشوکت سے دنیا پر حکومت کی اور اس کا اصلی سبب ان کا فکر ونظر اور سعیٔ وعمل تھا۔تاریخ اسلام شاہد ہے کہ مسلمانوں کی ہر کامیابی وکامرانی میں سعی وعمل کا راز پوشیدہ ہے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور اسوۂ حسنہ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ کی حیات طیبہ نے مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے لئے ناقابل فراموش سبق دیئے ہیں۔اور مسلمانوں نے قرن اول میں جو کامیابیاں حاصل کی تھیں وہ آنحضرتؐ ہی کے درسِ عمل کا نتیجہ تھیں۔

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

ظاہر ہے کہ خدا اس وقت تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ خود قوم اپنی حالت نہ بدلے۔ پس اگر ہر شخص دور رفتہ پر غور کرے پھر اپنے حالات پر نظر ڈالے تو معلوم ہوگا کہ ہماری موجودہ کمزوریاں محض اسلامی تعلیمات سے دور ہونے کی وجہ سے ہیں۔ اگر ہر فرد ان تعلیمات پر عمل کی سعی کرے تو اس میں قوم کی فلاح و بہبود ہے۔ اس لئے کہ

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملّت کے مقدر کا ستارہ

مسلمانوں کو چاہئے کہ سعی و عمل کی طرف توجہ کریں اپنے اختلافات کو مٹا کر جسدِ واحد کی طرح متحد ہو جائیں اور اپنی علمی و روحانی قوتوں کو اصلاح حال کی طرف متوجہ کریں۔ پس اگر ہم متحد ہو جائیں اور بھائی چارگی اختیار کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم ترقی نہ کریں۔

مسلمانوں کی تیرہ سو سالہ تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ ہم عزت و حشمت، شان و شوکت اور حکومت و قوت کے مالک تھے لیکن موجودہ حالات کے مشاہدہ سے واضح ہوتا ہے کہ ہم ذلت و خواری، افلاس و ناداری کا شکار ہیں ہم میں نہ دولت ہے نہ شوکت ہے نہ باہمی اخوت و الفت باقی ہے نہ اچھے اخلاق و کردار ہم میں ہیں۔ عشر و زکواۃ اور غرباء پروری کا ہم میں احساس تک نہیں ہے۔ ہماری حالت بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے۔ اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ ہم اسلامیت سے بے بہرہ ہوتے جارہے ہیں۔ اور نام و نمود و ناجائز شان و شوکت کو طرۂ امتیاز بنا رکھا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ سب سے پہلے والدین اپنی اولاد کو اسلامی تعلیم دلائیں۔ بالخصوص روزہ، نماز اور قرآن اور دینی تعلیم سے بہرہ ور کریں۔ اس سے امید کی جاسکتی ہے کہ اس کے دل و دماغ پر سب سے پہلا نقش اسلام اور قرآن کا ہوگا تو وہ بے راہ روی اختیار نہ کرسکیں گے۔ پس اگر اب بھی مسلمان متحد ہو جائیں، بھائی چارگی اختیار کریں، غرباء پروری کو اپنائیں، باہمی اخوت و الفت پیدا کریں اور اپنے اخلاق و اعمال کو سنواریں تو وہ دن دور نہیں جبکہ مسلمان عزت و آبرو کے ساتھ زندگی گزاریں اور اپنی سابقہ روایات کو زندہ کریں۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''نورحیات'' رحمۃ اللعالمین نمبر جون، جولائی ۱۹۶۶ء و میلاد مہدیؑ نمبر ۲۰۰۰ء)

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

الحمدللہ ادارہ حیات وممات مہدویہ حیدرآباد نے پچاس سال کا طویل سفر بڑی کامیابی سے طئے کیا ہے۔جیسا کہ نام سے ظاہر ہے زندگی اور موت دونوں حالات میں افراد قوم کی مدد کرنا اس کا اہم مقصد ہے۔''حیات'' کے تحت فی الحال دو مراکز صحت چنچل گوڑہ و مشیرآباد میں کارکرد ہیں جہاں بلا امتیاز مذہب وملت برائے نام فیس لے کر مریضوں کا علاج کیا جاتا ہے۔حالانکہ جو فیس وصول ہوتی ہے وہ خریدی ادویہ کے لئے بھی کافی نہیں ہوتی۔ڈاکٹر،کمپاؤنڈر،فراش،برقی بل وکرایہ اور ادویات اس کے علاوہ اخراجات ہیں۔ قابل مبارکباد ہیں وہ عطیہ دہندگان جو غریبوں کو کم خرچ پر علاج کی سہولت بہم پہنچانے میں ادارہ کی مدد کررہے ہیں ان کا اخلاقی و مالی تعاون ادارہ کے لئے ہمت افزائی کا باعث ہے لیکن مراکز صحت کو مزید ترقی دینے اور عصری سہولتوں سے آراستہ کرنے کے لئے کثیر مالیہ کی ضرورت ہے۔عصری سہولتوں کے ساتھ دواخانہ کے قیام کے لئے ذاتی عمارت کی ضرورت ہے۔چنانچہ گولڈن جوبلی کی مناسبت سے''بلڈنگ فنڈ'' قائم کیا گیا جو اصحاب خیر کی توجہ کا محتاج ہے۔مقامی صاحب ثروت حضرات توجہ دیں تو کوئی مشکل کام نہیں۔ ہر فلاحی کام کے لئے بیرونی افراد پر تکیہ اچھا رجحان نہیں ہے۔ویسے ہزاروں لوگ بیرون ہند مقیم ہیں لیکن ان میں سے ایک فیصد سے بھی کم ایسے ہیں جو اپنے وطن عزیز اور اپنے غریب ہم وطن وضرورتمند خاندانوں کو یاد رکھتے ہیں۔مقامی اصحاب کا انداز فکر بھی حیرتناک ہے۔اگر یہ لوگ اپنی خوشی کے موقع پر آتشبازی،سامعہ نوازی اور عیش وعشرت کے اخراجات کا ایک فیصد بھی قومی اداروں کو دیں تو بہت کچھ تعمیری کام ہوسکتا ہے حالانکہ اس قوم میں آمدنی کا دس فیصد فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا رواج ہے۔آج فکر صحیح کی سخت ضرورت ہے۔یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ حیات اور ممات میں بہت کم وقفہ ہے۔اذاں وقت ولادت نماز بعد وفات۔

میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ افراد قوم فلاح و بہبود کے کاموں میں تعاون نہیں کرتے۔کرتے ضرور ہیں صرف انداز فکر میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔وسیع النظری،فراخدلی،جذبہ ایثار،اور للّٰہیت کی ضرورت ہے۔عموماً یہ ہوتا ہے کہ بعض اصحاب یا تو کسی قومی ادارہ کی کارکردگی سے ناواقف ہوتے ہیں یا بعض غلط فہمیوں یا غلط افواہوں کا شکار ہوجاتے ہیں یا کسی ادارہ کی قیادت انہیں پسند نہیں ہوتی یا ادارہ پر اعتماد نہیں ہوتا۔بہتر ہوگا اگر ایسے لوگ حقیقی صورت حال جاننے کی کوشش کریں۔جس کا انہیں پورا حق حاصل ہے۔

میرے تجربہ اور مشاہدہ سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ بلاتحقیق و بلاثبوت اداروں،عہدیداروں اور کارکنوں پر الزام تراشی کرنے والوں میں وہ لوگ خاص طور پر زیادہ پیش پیش ہوتے ہیں جنہوں نے نہ کبھی کوئی عطیہ دیا اور نہ کبھی اپنی زندگی کا کوئی لمحہ قوم کے لئے دیا۔عموماً لوگوں میں صرف''استفادہ'' کرنے کا رجحان زیادہ پایا جاتا ہے اور اسے اپنا حق سمجھتے ہیں جبکہ لوگوں کو فائدہ پہنچانے کا رجحان رکھنے والوں کی تعداد بہت کم ہے۔صاحب استطاعت ہونے کے باوجود کسی نہ کسی انداز میں قومی وسائل سے ناجائز استفادہ

کرنے کی کوشش کرنا ہوشیاری اور چالاکی سمجھا جاتا ہے جبکہ یہ سوال کی ہی بدلی ہوئی شکل ہے۔ایسی قوم جس میں ''سوال'' اور ''صورت سوال'' دونوں کی ممانعت ہے ایسے منفی رجحانات اخلاقی دیوالیہ پن اور ذہنی انحطاط کی علامت ہیں۔جو حقیقی مستحق ہیں وہ تو قابل رحم اور قابل امداد ہیں ان کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے اور یہ عمل خدا کو پسند ہے لیکن خود ساختہ مفلسین کی وجہ سے حقیقی مستحقین کی حق تلفی ہوتی ہے۔اس غلط رجحان کو بدلنے کی ضرورت ہے۔

قومی ادارے اس قوم کی حالت کا آئینہ ہوتے ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سب سے پہلے ''ایک قوم'' کا تصور پیدا کریں اور قومی اداروں کو مستحکم کریں۔صرف اپنی ''شناخت'' کے لئے قوم کے مسلمہ اداروں کی جڑوں کو کھوکھلی بنانے کی کوشش نہ کریں اور ''ذاتی مفاد'' کے لئے ''قومی مفاد'' کو قربان کرنے کی کوشش نہ کریں۔

آج کل یہ رجحان ہے کہ ہر شخص خود کو ''قائد'' کہلانا چاہتا ہے ''کارکن'' نہیں۔نتیجہ رسہ کشی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ قیادت کے لئے ادارے قائم ہوتے ہیں جن کا کوئی واضح مقصد نہیں ہوتا۔پھر وہ وہی کام دہراتے ہیں جو پہلے سے کوئی ادارہ کر رہا ہے۔کسی نئے انداز میں قوم کو فائدہ پہنچانے کا سلیقہ نہیں ہوتا۔نتیجتاً ہوشیار لوگ ایک ہی مقصد کے لئے کئی اداروں سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ مانا کہ کوئی بھی ادارہ ساری قوم کو مطمئن نہیں کر سکتا کیونکہ ہر ایک فرد کی جائز و ناجائز خواہش کی تکمیل ناممکن ہے۔

قومی یکجہتی اتحاد و اتفاق، بھائی چارہ سماج کے کمزور طبقات کے لئے جذبہ ایثار و ہمدردی، خلوص وللّٰہیت اور احساس ذمہ داری آج وقت کی اہم ضرورت ہے۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

اللہ تعالیٰ ہمارے علانیہ و خفیہ اعمال، ارادوں اور نیتوں کو اچھی طرح جانتا ہے اور بالآخر اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔اگر ارادہ و نیت نیک ہو تو عمل بھی نیک ہوگا۔بس حیات اور ممات کے فلسفہ کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان ہے سو برس کا پل کی خبر نہیں

دولت ہماری ملکیت نہیں ہوتی بلکہ اللہ کی امانت ہوتی ہے۔اس کا استعمال ایک آزمائش ہوتا ہے۔ ہم اپنی ذاتی زندگی اور اپنے اہل و عیال کی مسرت و خوشحالی کے ساتھ ساتھ اگر اپنے غریب رشتہ داروں، پڑوسیوں اور دیگر مستحق افراد قوم کی زندگی میں بھی خوشیاں لانے کی کوشش کرتے ہیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کا کئی گنا اجر دے گا بشرطیکہ ہمارے کام میں ''للّٰہیت'' ہو ''تشہیر'' اور ''شناخت'' پیش نظر نہ ہو۔بفضل تعالیٰ ایسے کئی اصحاب خیر ہیں جو بلا تشہیر خاموش انداز میں مدد کر رہے ہیں جو قابل تحسین ہیں لیکن نسبتاً ایسے اصحاب خیر کی تعداد بہت کم ہے۔یاد رہے تشہیر اور شناخت دراصل طلب شہرت اور طلب عزت کی بدلی ہوئی شکل ہے جو ممنوع ہے اس

میں للّٰہیت باقی نہیں رہتی۔

رمضان المبارک میں زکواۃ کی تقسیم کے نظم کو باقاعدہ اور بامقصد بنایا جاسکتا ہے۔زکواۃ کی رقم کو قومی اداروں کے توسط سے حقیقی مساکین اور حاجتمندوں کو پہنچایا جاسکتا ہے۔غریب طلباء کی مالی امداد کے ذریعہ انہیں ایک اچھا شہری بننے اور اپنے خاندان کی کفالت کے قابل بنایا جاسکتا ہے اور انہیں مشکل حالات کے بھنور سے نکالا جاسکتا ہے اس طرح ایک اچھا معاشرہ تشکیل پاسکتا ہے۔

ادارہ حیات وممات مہدویہ کا ایک اہم شعبہ ''ممات'' ہے جو امداد باہمی کے اصول پر کام کرتا ہے۔اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ اراکین سے ماہانہ تین روپے یا سالانہ چھتیس روپے وصول کئے جاتے ہیں۔کسی رکن کی درخواست شرکت قبول ہونے کے بعد اگر اندرون تین سال اس کی وفات ہوجائے تو ادارہ کی جانب سے ورثاء کو پانچ سو روپے اجراء کئے جاتے ہیں اور بعد از تین سال وفات کی صورت میں ایک ہزار روپے اجراء کئے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ اصحاب خیر کی جانب سے جمع شدہ رقم میں سے پانچ سو روپے بطور اعانت فی سبیل اللہ اجراء کئے جاتے ہیں جو قبول کرنا یا نہ کرنا ورثاء کا اختیاری فعل ہے۔اگر حساب کریں تو تین سال میں کم از کم تین روپے یا زیادہ سے زیادہ ایک سو آٹھ روپئے ادا کرنے والا رکن پانچ سو روپے کا مستحق ہوجاتا ہے۔اسی طرح بطور مثال چار سال میں 144 دس سال میں 360 روپے یا بیس سال میں 720 روپے ادا کرنے والا رکن ایک ہزار کا مستحق ہوجاتا ہے۔اس طرح امداد باہمی کے اصول پر یہ اسکیم چلتی ہے کہ افراد قوم کی خودداری اور عزت نفس متاثر نہ ہو۔رکنیت دوامی کی فیس صرف -/600 روپے ہے۔(2021ء میں فیس رکنیت ماہانہ دس روپئے یا سالانہ -/120 روپئے ہے۔اور فیس رکنیت دوامی -/1000 ہے۔اندرون دو سال کسی رکن کی وفات پر -/3000 روپئے اور بعد از دو سال -/6000 روپئے ادا کئے جاتے ہیں۔)

بعض اصحاب خیر اپنے افراد خاندان کے علاوہ دیگر مساکین کی ذمہ داری بھی قبول کرتے ہیں اور ان کی فیس رکنیت بھی ادا کرتے ہیں۔تاکہ ان کی وفات پر ان کے ورثاء کی مدد ہوسکے۔

بعض ورثاء اپنے لواحقین میں سے کسی رکن کی وفات پر مستحقہ رقم لینے کے بجائے ادارہ کے ''استحکام فنڈ'' میں جمع کردیتے ہیں۔لیکن آج کل یہ رجحان نظر آرہا ہے کہ اصحاب ثروت اس اسکیم سے وابستگی کو کسر شان سمجھنے لگے ہیں حالانکہ قوم سے وابستگی قومی ادارہ کے استحکام اور مساکین کی امداد کا یہ بھی ایک احسن طریقہ ہے۔اصحاب ثروت نہ صرف خود رکن بن کر بلکہ دیگر مساکین کو بھی رکن بنا کر ان کی فیس رکنیت کی ادائی کا ذمہ لیکر ان کی مدد کرسکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم، بانیان ادارہ کی خلوص نیت ودوراندیشی اور افراد قوم کے تعاون سے ادارہ حیات وممات مہدویہ پچاس سال سے قوم کی خاموش خدمت انجام دے رہا ہے۔ادارہ کی ترقی وتوسیع اور استحکام کے لئے اصحاب خیر کی نظر عنایت ضروری ہے۔یہ بھی اللہ کا فضل ہے کہ اب تک یہ ادارہ تشہیر اور شناخت کے جھگڑوں اور سیاست کی گندگی سے محفوظ ہے۔ادارہ کے استحکام اور آمدنی و خرچ میں توازن کی برقراری کے لئے اراکین کی تعداد میں اضافہ نہایت ضروری ہے۔

(مطبوعہ ''نور ولایت'' ادارہ حیات وممات مہدویہ گولڈن جوبلی نمبر مارچ ۲۰۰۵ء)

تدوین واشاعت کتب۔ایک تجزیہ

کتابیں کسی بھی قوم کا آئینہ ہوتی ہیں کیونکہ ان میں اس قوم کے عقائد' تاریخ' تہذیب وتمدن اورنشیب وفراز وغیرہ محفوظ ہوجاتے ہیں۔جن سے بنی نوع انسان نسل درنسل استفادہ کرتے رہتے ہیں۔اس کے علاوہ کتابیں ایک خاموش مبلغ ومعلم بھی ہوتی ہیں جوقارئین کے افکارونظریات پراثرانداز ہوتی ہیں اوران کی ذہنی تربیت کرتی ہیں۔اس پس منظر میں اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ہم اپنی گذشتہ وحالیہ کتب کی طباعت واشاعت کاایک تنقیدی جائزہ لیں تاکہ آئندہ کیلئے ایک جامع لائحہ عمل مرتب کیاجاسکے۔

ہماری قوم میں اکثر یہ دیکھا گیاہے کہ جب کبھی کسی نے حضرت امامنا سیدمحمد مہدی موعودؑ اورآپ کی تعلیمات پراعتراض کیا تو اس کے جواب میں کتب کی ترتیب واشاعت کا ایک سلسلہ چل پڑتا ہے۔اور بیسوں کتب منظرعام پرآجاتی ہیں۔لیکن کچھ دن گذرنے کے بعد پھرسکوت طاری ہوجاتا ہے جیسا کہ سب کچھ ٹھیک ہے فکرکرنے کی ضرورت نہیں ہے۔نیزان کتابوں کا دائرہ ترسیل صرف مقام اشاعت یازیادہ سے زیادہ صرف افرادِملّت مہدویہ تک ہی محدود ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کی اطلاع قومی جرائد میں بھی شائع نہیں ہوتی اور یہ کتب ان متنازعہ کتب ومضامین کے قارئین تک نہیں پہنچ پاتے۔

اعتراضات کی نوعیت اوروجوہات پرایک نظرڈالیں تو پتہ چلے گا کہ ایک تو اعتراض برائے اعتراض ہوتا ہے جس کا مقصد محض اشتعال انگیزی اورحصولِ شہرت ہے۔دوسرا اعتراض یاغلط بیانی بوجہ لاعلمی بھی ہوسکتی ہے۔کیونکہ اگرکوئی تحقیق کرنا بھی چاہے تو اسے ہمارے کتب دستیاب نہیں ہوتے پھرمحقق مضمون نگارکا اس کا اپنا عقیدہ بھی اس کے خیالات پرغالب ہوتا ہے۔ان حالات میں عالمانہ اندازِ جواب کے بجائے جارحانہ اندازان کے خیالات کومزیدتقویت پہنچاتا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ اعتراضات اورایذارسائی کا سامنا نبی اکرمؐ اوراما منا مہدی موعودؑ نے بھی کیا ہے۔رسول کریمؐ کورحمۃ للعالمین بنا کربھیجا گیا۔لیکن پھربھی روئے زمین پرموجودتمام انسانوں نے آپ پرایمان نہیں لایا۔اسی طرح مہدیؑ خلیفۃ اللہ اورداعی الی اللہ بنا کربھیجے گئے لیکن پھربھی سب لوگ ایمان نہیں لائے۔کیونکہ تمام انسانوں کا ایمان لانا امر باطل ہے اورمنشاءالٰہی کے خلاف ہے۔تو معلوم یہ ہوا کہ صرف اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچانا' انہیں اللہ کی طرف بلانا اوررہنمائی کرنا ہی خاتمین علیہاالسلام کی ذمہ داری تھی اورتوفیق وہدایت اللہ کا کام ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فانما علیک البلاغ وعلینا الحساب** ۔یعنی پیام پہنچانا تمہاری ذمہ داری ہےاورحساب لینا ہمارا کام ہے۔

اس لئے یہ اندازفکرقابل ترمیم ہے کہ بعثتِ مہدیؑ کے بعدروئے زمین پرکسی غیرمصدق یاغیرمسلم کا وجودنا قابل برداشت

ہے۔اللہ اور رسولؐ نے تبلیغِ اسلام کی جو ذمہ داری ہم کو سونپی ہے اُس کی تکمیل ہمارا فرض ہے یعنی پیام مہدیؑ جو کتاب اللہ اور اتباع رسول اللہ کا نچوڑ ہے اس کو قولاً وفعلاً پیش کرنے کی ضرورت ہے۔اس کے بجائے بلاضرورت اور بے موقع فتویٰ کفر جاری کر کے یہ سمجھ لینا کہ ہماری ذمہ داری ختم ہوگئی' ایک نامناسب بات ہے۔اس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ اپنے اور پرائے دونوں ہماری صحبت اختیار کرنے اور ہماری کتابوں کو ہاتھ لگانے سے گریزاں ہیں۔کیونکہ ان کا یہ احساس ہے کہ صرف ''فضل'' اور ''کفر'' ہی ہماری تقریر وتحریر کے اہم موضوع ہوتے ہیں۔جبکہ عام طالبانِ ہدایت تہذیب واصلاحِ نفس کے رہنما اصول وتعلیمات کے متلاشی ہوتے ہیں۔مختصر یہ کہ منفی اندازِ فکر ہماری تحریر وتقریر اور تعمیل پر اثر انداز ہو رہا ہے جو نقصان دہ ہے۔اس لئے ہمیں مہدی اور پیام مہدی کی قبولت پر اصرار کرنے کے بجائے بعثتِ مہدی کی غایت اور پیام وتعلیماتِ مہدیؑ کو دلنشین انداز میں پیش کرنا چاہئے۔کیونکہ صرف پیام پہنچانا ہماری ذمہ داری ہے اور توفیق وہدایت اللہ کے ذمہ ہے۔

بزرگان قدیم کی اکثر وبیشتر تصانیف سیرت امامؑ اور بعثتِ مہدیؑ کے ثبوت میں لکھی گئی ہیں اور مباحثہ ومناظرہ کا انداز ہے کیونکہ اس زمانہ میں مخالف علماء کے سوالات اور اعتراضات کا جواب دیا جاتا تھا۔چند کتابیں ایسی بھی ہیں جن میں روایات اور تعلیمات کو پیش کیا گیا ہے۔بیشک یہ کتابیں ملّت کا بیش بہا اثاثہ ہیں۔طبقہ تابعین وتبع تابعین کے بعد جب اعتراضات کا سلسلہ کم ہوا تو بزرگوں نے تعلیماتِ امامناؑ کی وضاحت وتشریح میں کتابیں تالیف کیں لیکن اُن میں سے اکثر آج تک منظر عام پر نہ آسکیں۔کیونکہ انہیں عوام کے لئے شجر ممنوعہ قرار دیا گیا۔حالانکہ بعثتِ امامؑ کا ایک اہم مقصد تکمیلِ دین تھا اور آپؑ نے احسان کی تعلیم کو عام کیا تھا۔لیکن اب ان معلومات کی مصنوعی قلت کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ افرادِ ملّت خود اپنے مذہب سے کما حقہ واقف نہیں۔دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ بزرگوں کے قلمی مخطوطات کا یہ قیمتی سرمایہ بعد میں تلف ہوجاتا ہے۔یا بصد احترام پانی میں بہادیا جاتا ہے یا پھر تاجرانِ کتب قدیم کی نذر ہوجاتا ہے۔حتیٰ کہ وہ کتب جن میں آباء واجداد کے متنازعہ حالات کی نقاب کشائی کی گئی ہے وہ سب چار مینار کے قریب چوک میں کھلے عام دستیاب ہیں پھر ہم اغیار سے یہ توقع کیسے کر سکتے ہیں کہ وہ ہمارا احترام کریں گے۔

بعثتِ مہدیؑ کے ثبوت میں اور سیرت مہدیؑ پر بہت ساری کتابیں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوچکی ہیں۔اب شدید ضرورت اس بات کی ہے کہ جدید فکری رجحانات اور عصر حاضر کے تقاضوں میں تعلیماتِ امامناؑ کیا رہنمائی کرتے ہیں اور عبادات ومعاملات پر فرائض ولایت کے خصوصی اثرات کیا ہوتے ہیں ان کو عام فہم انداز میں پیش کیا جائے۔کیونکہ تعلیماتِ امامناؑ عین اسلام ہیں اور اسلام فطرت پر محیط ہے اور جس طرح اسلام کی عام تعلیمات ہر وقت اور ہر زمانہ میں کارآمد ہیں اسی طرح تعلیماتِ امامناؑ بھی کارآمد ہیں۔ان میں آج کے مسائل کا حل بھی موجود ہے۔صرف صحیح اور مناسب انداز میں دنیا کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

الحمدللہ ایک عرصۂ دراز کے بعد ہماری قوم میں جدید کتب کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا ہے جو خوش آئند بات ہے لیکن اس

کے چند پہلو غور طلب ہیں۔

دارالاشاعت کتب سلف الصالحین کے زیر اہتمام مطبوعہ کتب بیشک قیمتی اثاثہ ہیں۔ جو علماء و محققین و افرادِ ملت اسلامیہ کے لئے یکساں کارآمد ہیں۔ لیکن ان کتب کا قدیم ترجمہ عوام کے لئے کسی قدر نا قابل فہم ہے۔ اس لئے ان کا جدید ترجمہ یعنی قابل فہم اور آسان انداز بیان کی ضرورت ہے تا کہ عوام کے لئے بھی یکساں کارآمد ہو۔ نیز ان کتب کا انگریزی اور دوسری زبانوں میں ترجمہ بھی ضروری ہے۔ ان کتب کے متن میں مولف کی عبارت اور حدیث و آیت میں فرق و امتیاز کے لئے قوسین اور حوالہ جات کا استعمال بھی ضروری ہے۔ علاوہ ازیں غیر معیاری طباعت کی وجہ سے یہ اہم کتابیں اپنی افادیت کھو رہی ہیں۔ اس پہلو کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کیونکہ عام قاری کتاب کے سرورق کو دیکھ کر ہی پہلی رائے قائم کر لیتا ہے۔ آئندہ طباعت کے موقع پر اگر مولف کی مختصر سوانح بھی شامل کی جائے تو کتاب کی اہمیت و افادیت میں مزید اضافہ ہوگا۔

جمعیۃ مہدویہ زمستان پور کی کارکردگی کو بہتر اور موثر بنانے کے لئے چودہ اکابرِ قوم نے ماہ فبروری ۱۹۵۳ء میں ایک بیان جاری کیا تھا جس کی اشاعت ماہنامہ ''ملت'' بنگلور کے مارچ ۱۹۵۳ء کے شمارہ میں عمل میں آئی تھی۔ وہ بیان آج بھی قابلِ غور و فکر ہے۔ اس میں انہوں نے یہ مشورہ دیا تھا کہ ہر قومی کتاب کی اشاعت سے قبل مجلسِ علماء سے مشورہ ضروری ہے۔ اور نہ صرف سلف الصالحین کی کتب بلکہ علماء اور ذی علم حضرات قومی کے مقالہ جات بھی شائع کیا جانا چاہئے۔ نیز کسی قومی ارادہ کو قومی ادارہ کہلانے کے لئے قومی آواز کا اُس ادارہ میں موثر ہونا ضروری ہے۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جو ادارے اصحابِ خیر کے تعاون سے کتابیں شائع کر کے بلا ہدیہ تقسیم کرتے ہیں اُن کی کتابیں فوراً ختم ہو جاتی ہیں۔ لیکن جو کتابیں قیمتاً پیش کی جاتی ہیں وہ جلد فروخت نہیں ہوتیں۔ کیا یہ ہماری ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ کتابیں خرید کر شائع کنندگان کی حوصلہ افزائی کریں؟ جب ہم دنیاوی احوال سے واقفیت کے لئے اخبار و جرائد پر سینکڑوں روپئے خرچ کر سکتے ہیں تو اس کا عشر عشیر دینی ضروریات سے واقفیت اور اپنی اور اپنے بچوں کی ذہنی تربیت کے لئے کیوں نہیں خرچ کر سکتے۔ جبکہ اولاد کی ذہنی اور عملی تربیت بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ اور آج کے مصروف دور میں ذہنی تربیت کی غرض سے ان کیلئے مذہبی کتب کی فراہمی انتہائی ضروری ہے۔ اس طرح خریدی کتب سے اپنا فرض بھی پورا ہوگا اور قومی اداروں کی حوصلہ افزائی بھی ہوگی۔ اور وہ مزید کتب کی تالیف و طباعت کی طرف توجہ دے سکیں گے کیونکہ اکثر و بیشتر ادارے یہ کام غیر تجارتی انداز میں کرتے ہیں۔

کتب کی اہمیت و افادیت میں اضافہ کیلئے ضروری ہے کہ ان میں فہرست' عنوانات' آیات و احادیث اور دیگر اقتباسات کے صحیح حوالے شامل کئے جائیں۔ سیرت و سوانح کے ضمن میں مورخین کے اعتراضات پر بھی غور کیا جائے اور تحقیق کر کے تاریخی شواہد کی مدد سے ان کا جواب دیا جائے۔

کتابیں جو زیورطباعت سے آراستہ ہوتی ہیں انکی اطلاع عوام کونہیں ہوتی اس لئے قومی جرائد میں اس کی تشہیر ضروری ہے تا کہ جن کواللہ نے توفیق دی ہے وہ خرید سکیں۔علاوہ ازیں ہمارا کوئی مرکزی بک ڈپونہیں ہے۔ جہاں کوئی ضرورت مندرجوع ہو سکے۔ اس لئے مختلف مقامات پرعموماً تاجر حضرات اورخصوصاًایسی انجمنیں یاادارے جن کے مستقل دفاتر ہیں یہ ذمہ داری قبول کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ناشران پراعتماد کر کے اپنی کتابیں فروخت کے لئے دے اور کچھ کمیشن بھی فروخت کنندہ کو دے۔

کتب کی مستقل ومعیاری طباعت کے لئے ضروری ہے کہ ایک مستقل فنڈ یا ٹرسٹ کا قیام عمل میں لایا جائے اور نیم تجارتی انداز میں طباعت وفروخت کا انتظام ہو۔اسلاف کی بے شمار و بے بہا تصانیف محض مالی دشواریوں کی وجہ سے طباعت سے محروم ہیں بلکہ تلف ہورہی ہیں۔اس کے علاوہ ملّت کے معاصر علماءاورذی علم افراد کی تصانیف اور تحقیقی مقالے بھی اس تنگ دامانی کا شکار ہیں۔ اگرٹرسٹ قائم ہوجائے تو نہ صرف تبلیغی ومذہبی لٹریچر بلکہ دیگر مشاہیر مہدویہ کے بارے میں تالیفات ومقالات کی طباعت ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اپنی قوم کی قابل ترین شخصیتوں کو بلاتحفظ ذہنی دنیا کے سامنے پیش کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔علاوہ ازیں قوم کی جامع تاریخ' مہدوی مصنفین ومولفین کے احوال' مہدی اور مہدویوں کی تائید بھی لکھی گئی تمام تصانیف کی جامع فہرست' ملک کے دیگر طبقات پر مہدوی تحریک کا اثر اور ملک وقوم کی ترقی میں مہدویوں کا حصہ' جیسے عنوانات پرلٹریچر کی تیاری بہت ضروری ہے۔ یہ اُسی وقت ممکن ہے جب مالیہ فراہم ہواور منصوبہ بندطریقہ سے کام کیا جائے۔

محققین کی سہولت کے لئے ایک ایسی مرکزی ریسرچ لائبریری کی سخت ضرورت ہے جس میں حضرت مہدیؑ کی سیرت وتعلیمات اور مصدقین مہدی کے تعلق سے لکھی گئی ہرایک کتاب موجود ہو چاہے وہ موافقت میں ہو یا مخالفت میں اور چاہے وہ مخطوطہ ہو یا مطبوعہ۔ایسی غیر مطبوعہ یا نایاب کتابیں جو دوسرے سرکاری یا غیر سرکاری کتب خانوں میں موجود ہیں ان کی نقل حاصل کی جاسکتی ہے۔

مستقل نوعیت کی کتابیں اندرون وبیرونِ ملک کے مشہور کتب خانوں کو روانہ کرنا چاہئے۔اوراہم کتابوں کا دوسری زبانوں میں ترجمہ بھی شدید ضروری ہے۔

ہماری قوم میں کتابوں اور شخصیتوں پر تنقید وتبصرہ کی صلاحیت کافی قوی ہے۔تنقید بغرضِ تعمیر ہو اور اس کے پیچھے خلوص وللّٰہیت کارفرما ہوتو نہ صرف قابلِ اعتناء ہے بلکہ قوموں کی زندگی کی نشانی ہے۔لیکن اگر صرف عیب چینی اور ایک دوسرے کی تنقیص وتضحیک مقصود ہوتو یہ نفاق وعناد کی علامت ہے۔مذکورہ بالا مسائل پر سنجیدگی سے غور کرنے اور ٹھوس عملی اقدامات کے لئے لائحہ عمل مرتب کرنے کی آج سخت ضرورت ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''نورحیات'' فبروری ۱۹۹۳ء)

۵۴۰ویں جشن میلاد مہدیؑ پر ایک تبصرہ

عام طور پر جلسوں پر تبصرہ تو نہیں ہوتا لیکن میں نے وقت کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے ۵۴۰ ویں جشن میلاد مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے موقع پر کی گئی تقاریر کے چند اہم نکات تبصرہ کے لئے چن لئے ۔مقصد صرف یہی ہے کہ ان کی اہمیت کو مزید عوام کے سامنے پیش کیا جائے اور دورِ حاضر سے ان کا موازنہ کیا جائے تا کہ بیرون حیدرآباد کے مہدوی بھائیوں کو یہ معلوم ہو سکے کہ یہاں جشن کس نوعیت اور کس پیمانے پر منایا جاتا ہے اور کس قسم کی گفتگو یہاں ہوتی ہے ۔مبصر یا نقاد کی اہلیت تو مجھ میں نہیں البتہ اپنے محدود مطالعہ کی روشنی میں چند ایک نکات پر اظہار خیال کی کوشش کروں گا۔اگر کسی قسم کی لغزش میرے قلم سے سرزد ہو جائے تو معافی چاہتا ہوں اور میری اصلاح کی خواہش کرتا ہوں ۔حالیہ جشنِ میلاد مبارک کے موقع پر کی گئی ہر تقریر پر تبصرہ کے لئے ایک طویل مضمون درکار ہے اس لئے کچھ مقررین کے چند ایک خیالات پر تبصرہ اپنی دانست میں کروں گا۔ کچھ ہی روز قبل مرکزی انجمن مہدویہ کے زیر اہتمام حسب سابق جشنِ میلاد مہدیٔ موعودؑ کے ضمن میں سہ روزہ پروگرام ترتیب دیا گیا تھا جس کے پہلے روز تو ایک غیر طرحی نعتیہ مشاعرہ منعقد ہوا اور دوسرے روز ایک جلسۂ عام کا اہتمام کیا گیا جس میں ارباب علم وفکر نے بصیرت افروز تقریروں کے ذریعہ مسلمانوں خاص کر مہدویوں کو ۱۴ر جمادی المنور کی اہمیت سے روشناس کرایا اور بتلایا گیا کہ اسی دن تاریخ عالم میں ایک اہم باب کا اضافہ ہوا تھا۔اسی دن خدائے تعالیٰ نے تکمیل دینِ محمدیؐ کے لئے حضرت سید محمد جونپوری کو پیدا فرمایا تلاش حق کی جستجو میں سرگرداں مومنوں کے لئے آپ کو منزل مقصود ٹھیرایا یعنی تکمیل آرزوئے دیدارِ حق کے لئے آپ کو ذریعہ بنایا اور اپنا قانون جو عوام کی نظروں سے پوشیدہ تھا آپ پر عیاں کر دیا اور آپ نے بیان قرآن مجید کے ذریعہ عوام پر ظاہر فرما دیا۔

جشنِ میلاد کے موقع پر کی گئی پروفیسر عالم خوندمیری کی تقریر کا یہ نکتہ کہ ''مہدویت کوئی نیا مذہب یا نیا فرقہ نہیں البتہ نیا پیام ضرور ہے'' موضوع بحث بنا رہا۔حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ خاتم الانبیاء ﷺ تک مختلف پیامبروں کے توسط سے خدا نے ایک ہی پیغام توحید بندوں تک پہنچایا لیکن ان پیغمبروں کی مخالفت شدید سے شدید تر ہوتی گئی صرف گنے چنے صاحبِ ایمان بندے آخری لمحے تک خدا کے ان پیغمبروں کے مطیع رہے اکثر قومیں تو عذاب الٰہی کا شکار ہو کر نیست ونابود ہو گئی جیسا جیسا وقت گذرتا گیا لوگوں میں وہی قدیم رسم ورواج جڑ پکڑتے گئے پھر ایسا زمانہ آیا کہ ابراہیمؑ واسماعیلؑ کا تعمیر کردہ خانۂ خدا یعنی مکہ صنم کدہ میں تبدیل ہو گیا اور حضرت ابراہیمؑ کے مسمار شدہ بت از سر نو مکہ میں نصب کر دیئے گئے ۔پیغمبروں کی صدیوں کی جدوجہد جہالت کی تاریکی میں گم ہو گئی لیکن خدائے برتر جس نے صرف صدائے کُن پر ان سب کی تخلیق کی تھی وہ کیسے ان کی نافرمانبرداری پر خاموش رہتا۔ چنانچہ

ان کی اصلاح اور مشفقانہ رہبری کے لئے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔آپ نے حالات کا بڑی پامردی سے مقابلہ کیا اور پیغام توحید کو عام کیا۔عرب جاہل و ماسویٰ پرست ہو گئے تھے اور دختر کشی کو موافق شان سمجھتے تھے۔ذرا ذرا سی باتوں پر قبیلوں کی شمشیریں بے نیام ہو جاتی تھیں ایسے جاہل عربوں کو راہِ راست پر لانا کوئی معمولی کام نہ تھا۔چنانچہ حالات کی نزاکت کا اندازہ کرتے ہوئے رسول اللہ نے انہیں قرآن کے گہرے معنی و مطلب نہیں بتلائے آپ نے تکمیل دین محمدی کے لئے آمد مہدی کی بشارت دی۔چنانچہ ۸۴۷ھ میں سرزمین ہند پر سید محمد جونپوری نے جنم لیا جو بعد میں بحکم خدا مہدیٔ موعود ہوئے۔حضرت سید محمد مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعلیمات قرآنی بہ منشائے خداوندی بیان فرما کر دین محمدی کی تکمیل فرمادی۔اور انتہائی منزل دیدار خدا کی دعوت دی آپ نے دعویٰ فرمایا کہ ''مذہب ما کتاب اللہ واتباعِ محمدؐ رسول اللہ'' اس دعویٰ کی رو سے مہدویت کوئی نیا مذہب نہیں ہاں نیا اُن لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے اب تک مطالعہ نہیں کیا۔جب وہ اس کی حقیقت کو پالیں گے تو بے اختیار کہہ اٹھیں گے کہ یہ تو کلام الٰہی اور سنت نبویؐ کے عین مطابق ہے۔جب کوئی مذہب نیا نہیں تو پھر نئے فرقے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔صہیونیت' نصرانیت اور اسلامیت جیسا کہ بطور امتیاز پکارے جاتے ہیں حالانکہ سب کو ایک ہی پیغام خدا نے دیا۔یہودیوں کو چاہئے تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اتباع کر لیتے اور عیسائیوں کو چاہئے تھا کہ عیسیٰؑ کی پیش گوئی کے مطابق ظاہر شدہ حضرت محمد مصطفیٰ اور قرآن مجید پر ایمان لے آتے لیکن بدقسمتی سے ان میں کے صرف صاحب ایمان لوگوں نے اپنے علم و عقل کی روشنی میں حضرت محمد مصطفیٰؐ کو نبی تسلیم کر لیا۔اس طرح سے ایک ہی قوم تقسیم ہوتی چلی گئی اور یہودی' نصرانی اور مسلمان الگ الگ قومیں کہلائے۔ایسے ہی تعلیمات مصطفوی اور کلام الٰہی کے مجدد کی حیثیت سے مہدی موعودؑ کی بعثت ہوئی۔جن کے مقدر میں نور ایمانی سے منور ہونا لکھا تھا۔جنہیں نیک توفیق ملی تھی اور جنہوں نے جان لیا تھا کہ حضرت سید محمد جونپوری کی ذات ہی مہدی موعود ہے انہوں نے اپنی دھن دولت' گھر بار و دیگر کاروبار دنیاوی پر حضرت سید محمد مہدی موعودؑ کی اتباع کو ترجیح دی اور دائرہ مہدویت میں شامل ہونے کے لئے کشاں کشاں چلے آئے۔حضرت سید محمد مہدی موعودؑ کے مقلدوں نے خود کو مہدوی کہلوایا یا ان کے مخالفین نے ان سے امتیاز کی خاطر انہیں طبقہ مہدویہ کہا ہوگا۔بہرحال مختلف ناموں کے ذریعہ جس طرح دنیا کے مختلف مذاہب کی پہچان ہوتی ہے اسی طرح دیگر فرقہ جات ہائے اسلام میں سے شناخت کی خاطر فرقہ مہدویہ کہا جاتا ہے۔حالانکہ حضرت مہدی موعودؑ کی تعلیمات کلام الٰہی اور سنت نبویؐ کے عین مطابق ہے اور کسی مذہب میں مقید نہیں جو قرآن کا رسول خدا کا ہے وہی مذہب مہدی کا ہے۔حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو بوقت معراج دیدارِ حق کا شرف حاصل ہوا عربوں کی جہالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ نے یہہ نہیں بتلایا کہ اس منزل مقصود کو پانے کے لئے کن مراحل سے گذرنا پڑتا ہے۔صرف صحابہ کرام تک سلسلہ طریقت و بیعت جاری رکھا البتہ خلیفۃ الرحمٰن مہدیٔ مراد اللہ بحکم خدا عام مسلمانوں پر یہ راز فاش کر دیا۔قرآن پاک کا ہر وہ نکتہ کھول کر بیان کر دیا جسے رسول اللہؐ نے ظاہر نہیں فرمایا تھا اس طرح سے مسلمانوں کے سامنے ایک نئی چیز آئی اور ایک نیا پیام انہیں ملا۔

قرب الٰہی و دیدارِ الٰہی کے نئے نئے طریقے سامنے آئے۔ جنہیں تعلیمات قرآنی کہیں یا تعلیمات مہدی پیغام توحید تو تمام انبیاء کرام نے دیا۔ موسیٰؑ نے دیدار کی خواہش ظاہر کی خاتم الانبیاء نے دیدار کرلیا لیکن یہ راز کسی پر فاش نہ ہوسکا کہ کیسے اس خواہش کی تکمیل ہوسکتی ہے، کس قسم کے امتحان لئے جاتے ہیں۔ لیکن مہدیٔ برحق نے دیدار کیا اور دیدار کے لئے جو قانون اور شرطیں خدا نے بتلایا ہے انہیں عوام پر ظاہر فرمادیا۔ یعنی ترک دنیا، طلب دیدار خدا، ہجرت، عزلت از خلق، توکل اور صحبت صادقان وغیرہ۔

مولانا السید نصرت المجتہدی نے اپنی بصیرت افروز تقریر کے ذریعہ یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ تعلیمات امامناہی میں راہِ نجات پوشیدہ ہے۔ چند نقلیات کے ذریعہ فضیلت امامناؑ بیان کرتے ہوئے انہوں نے بتلایا کہ مہدی موعودؑ کے پیرو پر نار جہنم حرام ہے لیکن اس سے ہمیں یہ مطلب نہ لینا چاہئے کہ صرف قرآن و مہدی کی تصدیق کر لینے سے نجات مل جائے گی۔ ایک موقع پر حضرت امامناؑ نے فرمایا کہ اگر کوئی میری جلد مبارک بھی اوڑھ لے تو وہ عذاب سے نہ بچ سکے گا اگر وہ اس کا مستحق ہے اس لئے کرم الٰہی سے فیض یاب ہونے کے لئے عمل صالح کی ضرورت ہے۔ جلسہ، اجتماع وغیرہ تو بہت ہوتے ہیں جنہیں صرف ثبوت مہدیت وغیرہ پر تقریریں ہوتی ہیں لیکن بدقسمتی سے کوئی قوم کی موجودہ صورت حال کا جائزہ لینے کی زحمت گوارہ نہیں کرتا۔

جشنِ میلاد کے موقع پر حضرت مولانا ابوسعید سید محمود صاحب تشریف اللّٰہی نے اس کی زحمت گوارہ فرمائی۔ قوم کی فلاح و بہبودی کے لئے انہوں نے وقت کی ایک اہم ضرورت پر زور دیا ہے۔ یعنی اتحاد و اتفاق۔ انہوں نے قوم کے اتحاد کے لئے مرشدوں کے اتحاد پر زور دیا کیوں کہ بدقسمتی سے آج ملت کے ناخدا مرشدین کرام مختلف الخیال ہو چکے ہیں۔ ہر کوئی اپنے مریدوں کو اپنے رخ پر بہالے جارہا ہے۔ یہ انتشار کا ہی نتیجہ ہے کہ قوم میں تبلیغ اشاعت مذہب ناممکن سا بن گیا ہے۔ قوم کے ہیرے یعنی شاعر، ادیب و دیگر زعماء بھلا دیئے گئے ہیں۔ عوام استفادہ سے محروم ہیں۔ ان کے سوالات کے اطمینان بخش جوابات نہیں ملتے۔ ان کی تشنگیٔ علم میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

قوم چونکہ مرشدین پر تقسیم ہوکر رہ گئی ہے اس لئے سب سے پہلے مرشدین کرام کو متحد ہوجانا چاہئے۔ اس اتحاد کی راہ میں ان کے باہمی نظریاتی اختلافات ہوں گے یعنی کچھ نزاعی مسائل ایسے ہیں جن کے سبب بعض علماء میں ان بن رہتی ہے جو غیر ضروری ہے۔ دوستی اور دشمنی دونوں صرف اللہ کے لئے ہونا چاہئے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنے اختلافات کی یکسوئی کر لینا چاہئے۔ اور قوم کا شیرازہ منتشر نہ ہونے دینا چاہئے اور مرکزیت کا قیام بے حد ضروری ہے ذاتی مفاد پر قومی مفاد کو ترجیح دی جانی چاہئے۔ مرکزیت کے لئے اتفاق رائے کی ضرورت ہے جب مرشدین ایک ہوجائیں گے تو ان کے خیالات بھی یکساں ہوں گے اور پھر قوم بھی ایک ہوگی۔ ان کا علمی سرمایہ سب کچھ ایک ہی مقصد کے لئے صرف ہوں گے افراد ایک دوسرے کے قریب آجائیں گے۔ باہمی تعاون بڑھے گا پھر ایک دوسرے کی مدد سے قوم اپنی منزل مقصود کی طرف کوچ کرے گی۔ اب بھی وقت ہے علماء و قائدینِ ملت کو متحد ہوجانا

چاہئے۔ جہاں جاگ اٹھو وہیں سویرا سمجھو ورنہ اس انتشار کی ذمہ داری انہی پر عائد ہوگی۔ بیرون حیدرآباد کے مہدوی آجکل جن رسوم وبدعات کا شکار ہیں اور حال ہی میں اس تعلق سے نورحیات میں جو خبریں شائع ہوئی ہیں ان کی طرف علماء ومرشدین وقائدینِ ملت اور دیگر مہدویوں کو فوری متوجہ ہونا چاہئے۔ اس سے قبل بھی مختلف اضلاع کے باشندوں نے مرشدین کرام اور مرکزی انجمن مہدویہ سے اپیلیں کیں کہ یہاں کے باشندوں کو صحیح تعلیمات قرآنی سے واقف کرائیں۔ معاشی وعلمی پستی عام ہے امداد کیجئے لیکن خدا معلوم کہاں تک ان کی ضرورتوں کی تکمیل کی گئی۔ کچھ ہی عرصہ قبل جولائی' اگسٹ کے نورحیات میں ان علاقوں کی جو حالت زار بیان کی گئی ہے انہیں پڑھ کر افسوس ہوتا ہے کہ کہاں ہے وہ قوم جس سے دنیا اپنے علم کی پیاس بجھاتی تھی۔ جن کے اعمال دنیا کے لئے نمونہ تھے۔ جن کی کارکردگی کے اولیاء وشاہانِ وقت بھی معترف تھے۔ آج بھی وہی قوم ہے لیکن حالت تبدیل ہوچکی ہے۔ قوم کی تشنگی علم بڑھتی جارہی ہے مرشدین جن پر اتحاد یا نفاق کا دارومدار ہے باہمی اختلافات میں الجھے پڑے ہیں لیکن کوئی خدا کا بندہ خود کو مجاہد قوم کی حیثیت سے پیش نہیں کرتا۔ اگر مجاہد پیدا کرنا ہے تو قوم کو راہِ راست پر لانا ہے اور خدا کے محبوب بندوں کی فہرست میں شامل ہونا ہے تو باہمی سعیٔ پیہم' یقین محکم کی ضرورت ہے قومی فلاح وبہبود کے لئے خود انہیں پہل کرنا چاہئے کیوں کہ

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اصلاح قوم کے لئے جہاں یہ ذمہ داری علماء ومرشدین کرام پر عائد ہوتی ہے وہیں افرادِ ملت خاص کر صاحب استطاعت حضرات پر ان معلموں سے تعاون کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور مرکزی انجمن مہدویہ بھی اس سے بری نہیں۔

''ذاتیات'' کا منحوس تصور گھن کی طرح ہمیں کھائے جارہا ہے یہ سب چند کوتاہ اندیشوں کی تخلیق ہے۔ غرض یہ سب برائیاں ہم میں سے اس وقت دور ہوسکتی ہیں جبکہ ہم متحد ہوں۔ ہمارا نقطہ نظر ایک ہو ہماری منزل ایک ہو اور ہم خود کو دوسرے کا بھائی تصور کرتے ہوں اور جو ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے اس سے تغافل نہ برتتے ہوں۔ اصلاح حال کے لئے اگر ہم کمربستہ ہوجائیں اور ہر ممکنہ تعاون سے دریغ نہ کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم سدھر نہ سکیں۔

قوم کی موجودہ صورت حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمیں کوئی قدم اٹھانا چاہئے۔ اور ہر ممکنہ تعاون کے لئے آمادہ ہوجانا چاہئے۔ باہمی اختلافات کو پس پشت ڈالتے ہوئے متحد ہوجانا چاہئے۔

مہدوی بھائی جو مصائب کا شکار ہیں اور بے جا رسوم وبدعات سے مرعوب ہیں ان کی اصلاح وامداد کے لئے عوام اور خصوصاً علماء ومرشدین وارباب انجمن مہدویہ سے توجہ کی درخواست کی جاتی ہے اور جن حضرات کو خصوصاً متوجہ کیا گیا ہے ان سے میری گذارش مزید ہے کہ خستہ حال بھائیوں کی آواز پر لبیک کہیں اسی صورت میں خدا ہماری مدد کرے گا۔

تبصرہ چونکہ جشن میلاد پر ہو رہا ہے اس لئے جشن کا جائزہ لینا بے جا امر نہ ہوگا۔قومی مصنفین ومولفین کی حوصلہ افزائی اور قومی رسالوں کی ترقی ووسعت کے لئے ضروری ہے کہ ان کی تشہیر کی جائے اور نا آشنا عوام تک انہیں پہنچایا جائے۔بدقسمتی سے ہمارے قومی کتب عام بازاروں میں دستیاب نہیں ہوتے اور نوخیز نسل ان کے استفادہ سے محروم ہے۔اس لئے جشنِ میلاد مبارک کے موقع پر جلسہ گاہ کے قریب ایک بک اسٹال کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے جس پر قومی کتب کے علاوہ قومی رسالے اور مختلف المعیاد جرائد بھی ہوں۔ رسالے مستحکم بھی ہوں گے اور قوم کے لئے فائدہ بخش بھی ساتھ ہی کتب زیادہ تعداد میں فروخت ہوں گے اور شوقین حضرات کے لئے نادر موقع رہے گا۔

خدائے تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں جوش وجذبۂ ایمانی عطا فرمائے۔تبلیغ اسلام واصلاح عوام کا جو سلسلہ رسول اللہؐ نے شروع کیا تھا اسے جاری رکھنے کی سکت عطا فرمائے۔سرمایہ دارانِ قوم کو دولت کے صحیح استعمال کا طریقہ بتلائے۔علمائے کرام وقائدین ملت کو اپنے فرائض کی انجام دہی کی توفیق عطا فرمائے۔نوجوانانِ ملت کو غافل نہ بننے دے اور ہم سب مسلمانانِ عالم کو دین ودنیا میں سرخرو رکھ اور منصب خلافت جو تو نے بخشا ہے اس کی انجام دہی کی ہمت وقوت ہمیں عطا فرمائے۔(آمین ثم آمین)

(مطبوعہ ماہنامہ ''نورحیات'' ستمبر ۱۹۶۷ء)

رودادِ جلسہ سیرت امام علیہ السلام (رپورتاژ)

مخالفین کی جانب سے فتویٰ کفر کی اشاعت کے پیش نظر خاتم ولایت محمدیہ سید محمد جونپوری مہدی موعود علیہ السلام کے ۵۰۴ ویں عرس مبارک کے موقعہ پر مرکزی انجمن مہدویہ کی جانب سے جلسہ سیرت پورے احترام وعقیدت کے ساتھ ۱۹/ذیقعدہ م یکم مئی ۱۹۹۴ء کی شب شاندار طریقہ پر منایا گیا۔ساڑھے نو بجے شب جناب قاری محمد خواجہ صاحب نے تلاوت کلام پاک سے جلسہ کا آغاز کیا۔جس کے بعد معتمد استقبالیہ جناب محمود الحسن خاں صاحب صوفی نے حضرت ابوالعرفان سید خوندمیر صاحب منوری سے درخواست کی کہ وہ اپنے افتتاحیہ کلمات سے جلسہ کی کاروائی کا آغاز فرمائیں۔باوجود کبرسنی نقاہت وعلالت کے حضرت قبلہ نے بطور افتتاحیہ کلمات خاتم المرشدین حضرت بندگی میاں سید محمود سید نجی علیہ الرحمہ کے خلیفہ اور سیرت امام کی مشہور تالیف ''جنت الولایت'' کے مصنف میاں منصور خاں برہان پوری علیہ الرحمہ کی علمی خدمات پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ عام طور پر یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ افاغنہ کا طبقہ صرف فوجی خدمات انجام دے کر نام پیدا کیا ہے حالانکہ اس طبقہ کی علمی خدمات بھی اہم رہی ہیں۔جس کی ایک مثال جنت الولایت کی تالیف ہے۔تقریر جاری رکھتے ہوئے حضرت قبلہ نے امام علیہ السلام کے فرامین۔مذہب ما کتاب اللہ واتباع محمد رسول اللہ ﷺ اور

مایچ مذہب نو نیا ور دیم پر نہایت ہی عالمانہ اور بصیرت افروز تقریر فرمائی۔

افتتاحی خطاب کے بعد رکن پارلیمان جناب کے یم خاں صاحب صدر استقبالیہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ اسلامی تعلیم کا اصل اصول توحید باری تعالیٰ ہے اور یہی مہدویہ تعلیمات کا نقطۂ آغاز اور نقطۂ انتہا بھی کہ یہاں توحید اعتقادی سے گذر کر توحید افعالی پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ مہدویہ سوسائٹی میں ''اللہ نے دیا ہے'' کا فقرہ اس قدر عام ہے کہ وہ مہدویہ کی شناخت بن چکا ہے۔ مہدوی آٹھوں پہر اس شدت سے ذکر اللہ کرتے ہیں کہ بعض علاقوں میں انہیں ذاکرین کے نام سے پہچانا اور پکارا جاتا ہے۔ پھر حضرت مہدی علیہ السلام کی تعلیم و تربیت کی وجہ سے سارے مہدوی دن رات ولایت محمدیہ کے فیضان کی طلب میں رہتے ہیں اور یہی ان کا خاص امتیاز ہے۔ انہوں نے اس بات پر اظہار حیرت کیا کہ اس بیسویں صدی میں بعض لوگوں کے دل اور دماغ اس قدر تاریک ہیں کہ وہ مہدویوں کو خارج از اسلام قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ اس بات سے انکار کی جراءت نہیں کر سکتے کہ ایک موقعہ پر جب اسامہ بن زید جیسے صحابی کے ایک شخص کو باوجود اس کے کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ چکا تھا، قتل کر دینے پر نہایت ہی برہمی اور شدید غصہ کا اظہار کیا گیا تھا۔ اور اسامہ کا استدلال کہ اس نے صرف بچاؤ کے لئے یہ جملہ ادا کیا تھا قبول نہیں کیا اور بار بار یہ استمزاج فرما رہے تھے ''اسامہ کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا''۔ اور سیرت رسول کا یہ واقعہ صاف بتا رہا ہے کہ کلمہ شہادت کا پڑھنے والا حضور خاتم النبیینؐ کی نظر میں مسلم اور مومن تھا۔

جناب کے ایم خاں صاحب کے بعد معتمد استقبالیہ نے جناب مقصود علی خاں صاحب نائب مدیر ماہنامہ نور ولایت کو دعوت خطاب دی۔ موصوف نے اپنی تقریر کے دوران فرمایا کہ مہدوی نام ہے شریعت وطریقت پر عمل کرنے والے کا، اس لئے آج ہم سب کو متحد اور متفق ہونے کی اشد ترین ضرورت ہے۔ جلسہ سیرت سے خطاب کرتے ہوئے جناب بشیر الدین بابو خاں صاحب سابق وزیر نے فرمایا کہ ہم مہدوی ہوتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں کہ ہم نے نہ صرف رسول اللہ صلعم کی تعلیمات کو قبول کیا بلکہ حضرت مہدی علیہ السلام کی تعلیمات پر جس میں قرآنی ہدایات کو کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے، عمل پیرا ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے مسلمانوں میں موجود مختلف برائیوں کو دور کیا۔ آپ نے قرآن کے حوالہ سے بردباری، ضبطِ نفس اور تحمل و برداشت کی خصوصیات کو اپنانے پر زور دیا۔

مہمان مقرر جناب ونگ کمانڈر محمود خاں صاحب نے اپنے خطاب میں وجہ تخلیق انسانی پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ کا مقصود خود کی پہچان کروانا تھا جو اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ ہم اپنے نفس کو نہیں پہچانتے۔ جب تک ہم نفس کو نہیں پہچانیں گے ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جب ہم برا کام کرتے ہیں تو ہمارا ضمیر ہم کو آگاہ کر دیتا ہے۔ لیکن جو نفس کے تابع ہوں گے وہ اس کے اشارہ کو نظر انداز کر دیتے ہیں اگر ہم نماز اور ذکر دوام کی پابندی کر لیں تو خود بخود دوسری خوبیاں اور نیکیاں ہم میں پیدا ہو جائیں گی۔ میزباں

علماء کے زمرہ سے حضرت سید خدا بخش خوندمیری میاں جی میاں صاحب سجادہ دائرہ نو نے اپنے خطاب کو سورہ مائدہ کی آیت ۵۴ پر مرکوز کیا اور ارشاد فرمایا کہ مہدویوں کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کا تعلق اس جماعت سے ہے جو اللہ سے محبت کرتی ہے اور جن سے اللہ محبت کرتا ہے اور ایسی جماعت کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو یزید کی ذریت اور فطرت پر پیدا ہوئے ہوں۔ حضرت میانجی میاں صاحب کے بعد جناب مولوی سید افتخار اعجاز صاحب کو دعوت خطاب دی گئی۔ موصوف نے اپنی تقریر کو حضور سیدنا علیہ السلام کے وصال کے موقعہ پر جو ارشادات عالیہ فرمائے ان کو موضوع گفتگو بناتے ہوئے کہا کہ حضور امام علیہ السلام کے فرمان کے مطابق جب تک ہم ذکر کی پابندی کریں گے مہدی علیہ السلام ہم میں موجود ہیں اور رونے کا وقت وہ ہوگا جب ہم سے ذکر کی مداومت اٹھ جائے اس اعتبار سے ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم ذکر کی پابندی کریں۔

مولوی سید افتخار اعجاز صاحب کے بعد حضرت ابوالاشفاق سید عبدالحئ راشد منوری صاحب مدفیوضہم کو دعوت خطاب دی۔ حضرت قبلہ نے قرآن مجید کی سورہ حاقہ کی آیات کا سہارا لیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مہدی موعود اُس حقیقتِ کبریٰ کا نام ہے جس کی تشریف آوری کا مقصود اُمت محمدیہ کو ہلاکت سے بچانا تھا۔ جیسا کہ حضور رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہے۔ **کیف تھلک امتی انا فی اولھا عیسیٰ ابن مریمؑ فی آخرھا و مھدی من اھل بیتی فی وسطھا** ۔سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ امام الکائنات نے ہر وقت اور ہر مقام پر **لا الٰہ الا اللّٰہ** کو پیش کیا اور روح کی بیماری کا علاج رکھا۔ آخر میں آپ نے افرادِ ملت کو متنبہ کیا کہ ملی مفادات معاشرہ کو پاک اور صاف کرنے میں مضمر ہے اور اتحاد و اتفاق وقت کا تقاضا ہے۔

حضرت راشد منوری صاحب کے بعد مہمانِ خصوصی حضرت مولانا سید میرانجی عابد خوندمیری صاحب نے خطاب کیا اور فرمایا کہ مہدویت عین اسلام ہے۔ مظہر اسلام ہے اور مہدویت ہی نصرت اسلام ہے۔ آپ نے بتایا کہ کس طرح اور کن معنی میں بعثتِ امام سے قبل اسلام مظلوم تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کسی شعر میں حرف زائد آجائے تقریر اور تحریر میں بھرتی کے الفاظ آجائیں یا تکرار ہو تو وہ شعر، وہ کلام، وہ تقریر بلاغت سے فصاحت سے گر جاتی ہے۔ کیا یہ قرآن پر ظلم نہیں کہ لوگ قرآن میں جملہ معترضہ، جملہ مستانفہ سے قرآن کو پاک نہیں تصور کرتے تھے۔ آپ نے سوال کیا کہ جب قرآن کو غیر مربوط مان لیتے ہیں اس میں زائد حروف کو تسلیم کرتے ہیں تو پھر اس کا ترجمہ یا تفسیر کس حد تک درست اور صحیح ہو سکتی ہے۔ اور یہی حال حدیث کا تھا جب وہی حدیث صحیح سمجھی جا رہی تھی جو بخاری اور مسلم کی شرائط پر پوری اتر رہی ہو۔ کیا یہ حدیث کے ساتھ ظلم نہیں جب کہ امام بخاری اور امام مسلم کسی کے پاس بھی معصوم عن الخطا نہیں بجز امامنا مہدی علیہ السلام کے جن کے معصوم ہونے پر حدیث **یقفوا اثری و لا یخطی دلیل** ہے۔ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے حضرت عابد خوندمیری صاحب نے ارشاد فرمایا کہ ایسے وقت جب کہ صوفیاء ضبط نفس کے مختلف طریقے استعمال کر چکے تھے۔ آپ نے تلقین کی کہ

نفس کو مارو نہیں اس کو باقی رکھو اس کو اپنے قابو میں رکھو پھر نفس امّارہ کو نفس مطمئنہ بنادو کہ قرآن کہتا ہے ''یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ O ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً O (سورہ الفجر آیت ۲۷، ۲۸) یہ اسی وقت ممکن ہے جب آپ بندہ بن کر زندگی گزارنے کی کوشش کریں۔ اپنا اختیار خدا کے حوالے کردو اور بے اختیار ہو جاؤ کہ یہی ترک دنیا ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں ارشاد ہوتا ہے'' **ورائے ترک دنیا ایمان نیست** ''فتویٰ کفر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے بڑی بلیغ بات فرمائی کہ اگر کوئی ہمیں کافر کہتا ہے تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں اس لئے کہ ہم کافر ضرور ہیں ہم اللہ کے کافر نہیں ہیں بلکہ ہم کافر ہیں شیطان کے' کافر ہیں طاغوت کے' ہم کافر ہیں رسم ورواج کے۔

اب جلسہ آخری منازل پر پہنچ رہا تھا شب تاریک کی زلفیں دراز ہوگئی تھیں وقت کی سوئیاں دھیرے دھیرے بڑھ رہی تھیں۔ اس سے پہلے کہ مجمع میں اضطراب پیدا ہوتا معتمد استقبالیہ نے فہرست مقررین کے آخری مقرر حضرت مولانا سید نصرت الجتہدی صاحب رکن مسلم پرسنل لا بورڈ سے درخواست کی کہ وہ جلسہ سے خطاب فرمائیں۔ حضرت نے مائک سنبھالا اور اپنی تقریر کا محور قرآن شریف کی اس آیت کو قرار دیا جہاں ارشاد ہوتا ہے'' اللہ کا رسولؐ تمہیں جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیتا ہے انہیں بجالاؤ اور جن چیزوں سے منع کرے اُن سے دور رہو'' آپ نے اپنی تقریر کی بنیاد امام علیہ السلام کی ان دو پیشین گوئیوں پر رکھی جن کو آپ نے مہدیت کی نشانی فرمایا تھا۔ اور کہا تھا کہ بوقت دفن اگر لحد میں اتارنے کے بعد لفافہ میں آپ کا جسم اطہر نہ پاؤ تو جان لو کہ بندہ کی ذات مہدی کی ذات ہے اسی طرح اگر پہلے دن حضرت سید خوندمیر سراج منیرؒ کی فتح اور دوسرے روز ان کی شہادت واقع ہو تو جان لو کہ بندہ کی ذات مہدی موعود ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مہدی کے اخلاق عالیہ' معجزات اور مہدی کی صداقت کسی قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ مہدویوں پر لازم ہے کہ مہدی کے اسوہ طیبہ کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں۔

دوران جلسہ جناب نثار مہدی علی خاں طالبؔ ساندوزئی اور جناب سید محمود طالب خوندمیری نے بارگاہ ولایت مآب میں منظوم نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ اس کے ماسوا دو کتابوں'' مباحثہ عالمگیری'' اور'' تعلیم الاسلام'' کی رسم اجراء علی الترتیب صدر مرکزی انجمن مہدویہ جناب مرزا سمیع اللہ بیگ صاحب اور مہمان خصوصی حضرت الحاج مولانا سید میرانجی عابد خوندمیری صاحب مدظلہ کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ جناب مرزا سمیع اللہ بیگ صاحب صدر مرکزی انجمن مہدویہ ونگران کار جلسہ کے خطاب کے بعد معتمد استقبالیہ کے شکریہ اور تسبیح کے بعد یہ نورانی محفل جو زائد از ۵ گھنٹے تک نہایت ہی نظم وضبط کے ساتھ جاری رہی۔ شب کے ڈھائی بجے برخواست ہوئی۔ اس پرنور محفل کے انعقاد کے لئے جناب صادق محمد خاں صاحب معتمد عمومی' جناب محمود الحسن خاں صاحب صوفی معتمد استقبالیہ اور ان کے رفقاء کار بجا طور پر قوم کی متفقہ مبارک باد اور شکریہ کے مستحق ہیں۔

(مطبوعہ ''نور حیات'' مئی ۱۹۹۴ء)

تبلیغ واشاعت مذہب۔مسائل اورحل

مرکزی انجمن مہدویہ حیدرآباد کے زیراہتمام منائے جانے والے ۵۵۱ ویں جشن میلاد امام آخرالزماں خلیفۃ الرحمٰن سید محمد مہدی موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ضمن میں ۲۳؍اپریل ۱۹۷۸ء بروز یکشنبہ ایک سمپوزیم بعنوان ''تبلیغ واشاعتِ مذہب' مسائل اور حل'' منعقد ہوا جس کی صدارت جناب محمد ناصرالدین صاحب نے فرمائی۔اوراس میں حسبِ ذیل اصحاب نے حصہ لیا۔

حضرت مولانا ابوالہادی سید محمود صاحب اکیلوی مولوی کامل' جناب مولوی سید افتخار اعجاز صاحب' جناب ابوالفتح سید جلال الدین صاحب' جناب سید علی یداللّٰہی صاحب' جناب سید زین العابدین یداللّٰہی صاحب' حضرت سید عبدالحیٰ صاحب اہل چن پٹن' جناب مقصود علی خاں صاحب اور جناب سید محمد طاہر کمال خوندمیری صاحب

سمپوزیم کے انعقاد کا مقصد یہ تھا کہ مرکزی انجمن مہدویہ اور دیگر قومی اداروں کے لئے جو اصلاح معاشرہ اور تبلیغ واشاعت مذہب کا عزم رکھتے ہیں کچھ رہنمایانہ اصول مدون کئے جائیں جن کی مدد سے کام کو آگے بڑھایا جاسکے۔عنوان کی وسعت وگہرائی کا لحاظ کرتے ہوئے یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ تنگی وقت کی وجہ سے عنوان پر سیر حاصل بحث نہ ہوسکی پھر بھی مباحث کی روشنی میں کئی ایک مسائل اوران کے حل سامنے آئے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مذہب مہدویہ کوئی نیا دین نہیں ہے۔ بلکہ خالص اسلام کی ایک شکل ہے۔ جسے دیکھنے کے لئے دنیا بے چین ہے۔لیکن انقلاباتِ زمانہ نے اسے گردآلود کررکھا ہے۔جیسا کہ بعثت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بعثت مہدی موعودعلیہ السلام سے قبل ہوا تھا۔اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اس گرد کو صاف کیا جائے۔ اوراس کے اصل خدوخال کو نمایاں کرکے پیش کیا جائے۔یہ ذمہ داری علماء ومشائخین کے ساتھ ساتھ دیگر افرادملت پر بھی عائد ہوتی ہے۔تبلیغ واشاعتِ مذہب ایک ایسی گراں بہا ذمہ داری ہے جسے کسی قیمت پر نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔بفضلِ خدا ملتِ مہدویہ میں نہ صاحبانِ علم کی کمی ہے اور نہ صاحبانِ ثروت کی۔صرف ان ذرائع ووسائل کے منظم اور صحیح استعمال کی منصوبہ بندی کی کمی ہے۔ یہ کام کسی فردِواحد کی بس کی بات نہیں بلکہ ایک مستقل ومستحکم تنظیم کی ضرورت ہے۔

مقررین نے ایسی تنظیم کی مرکزیت اور لائحۂ عمل کی ضرورت پرزوردیا ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ تمام مقررین کے خیالات کو مختصراً پیش کرتے ہوئے آخر میں ان کا خلاصہ پیش کروں۔انشاءاللہ

حضرت مولانا سید محمود صاحب اکیلوی مولوی کامل (ناگپور) نے عنوان پراظہارخیال کرتے ہوئے فرمایا کہ اخلاقِ حسنہ تبلیغ

کا بہترین ذریعہ ہوتے ہیں۔ نیز اعتقادات کی درستگی اور پختگی اور معاملات کی درستگی نہایت ضروری ہے۔ مہدویت کے ماضی پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ ہجرت تبلیغ واشاعت کا اہم ذریعہ تھا۔ اوراس وقت بندگانِ خدا کے دل خوفِ خدا سے معمور تھے۔ عشر کا نظام مکمل طور پر رائج تھا۔ اور مہدویوں کا توکل اپنی مثال آپ تھا۔ امامنا میراں سید محمد مہدی موعودؑ نے جب راہِ خدا میں جونپور سے ہجرت کی تو ہزاروں میل کا سفر کیا اور لاکھوں انسانوں کو مومن بنایا لیکن پلٹ کر اپنے وطن کی صورت نہیں دیکھی۔ ہجرت فی سبیل اللہ کی ایسی مثال پیش کرنے سے تاریخِ عالم قاصر ہے۔

مولانا نے تجاویز پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ سب سے پہلے گھر کی اصلاح ہو۔ اپنے بچوں کا ذہن بنایا جائے۔ ان کی ایسی تربیت کی جائے کہ ایک طرف تو وہ صالح کردار کا نمونہ پیش کریں اور دوسری طرف اپنے برجستہ جواب سے معترض کو قائل کردیں۔ بچوں کی تربیت کے لئے ہر مسجد میں دینی مدرسہ قائم کیا جائے۔ علماء کی رائے کے ساتھ کتب کی اشاعت عمل میں لائی جائے۔ مزدور پیشہ لوگوں اور دیگر افراد کو نماز کی عملی تربیت دی جائے۔ اضلاع کو جانے والے مبلغین کے لئے شرائط پیش کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ہر مبلغ پر یہ امر لازم ہوگا کہ وہ حکمت، مصلحت، حلم و بردباری، علم وفراست اور اخلاق حسنہ کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھے، نیز حتی الامکان قومی واختلافی مسائل وامور سے اجتناب برتے اور مقامی مشائخین کی قدر ومنزلت کرے۔ انجمن مہدویہ ایسے طلباء کی سرپرستی قبول کرے جو مبلغین کی ترغیب کی وجہ سے علم دین حاصل کرنے کے لئے حیدرآباد آنا چاہیں۔ انجمن مہدویہ خود ایک دارالتبلیغ قائم کرے اور بیت المال کا قیام عمل میں لایا جائے۔

جناب مولوی سید افتخار اعجاز صاحب نے کہا کہ مذہب سے ناواقفیت سے لوگوں کی حالت دگرگوں ہے اور مذہب کا انحصار صرف چند مخصوص افراد پر رہ گیا ہے گویا مذہبی فرائض کی پابندی صرف چند افراد ہی کے ذمہ ہے اور عوام خود کو بری الذمّہ سمجھنے لگے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ ہر مہدوی کو مذہب سے کماحقہ واقف ہونا چاہئے۔ ماضی میں مہدویت کے تیزی سے پھیلنے کا یہ سبب تھا کہ ہر مہدوی مبلغ تھا اور شریعت کا محافظ تھا۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر موقع ومحل پر تبلیغ کی جائے۔ آپسی اختلافات اور بیجا تنقید کے سلسلہ کو ختم کردیا جائے۔

جناب ابوالفتح سید جلال الدین صاحب نے کہا کہ سابق میں تبلیغ واشاعت بلامنصوبہ ہوتی تھی جس کی وجہ مبلغین یا افرادِ ملت کی باعمل زندگی تھی اور دعوتِ امام آخرالزماں کا صرف اقرار باللسان نہیں کیا بلکہ اعتقاد بالقلب بھی رکھا۔ آج بھی تبلیغ واشاعت کے لئے ذرائع اور وسائل کی کمی نہیں ہے لیکن تبحر علمی کا فقدان ہے۔ مذہبی ذوق انحطاط پذیر ہے۔ خلوص اور للّٰہیت کے ساتھ استقلال سے کام لیا جانا چاہئے۔

جناب سید علی یداللّٰہی صاحب نے تبلیغ واشاعت کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ مذہب سے بیزارگی، عشق

وعقیدت کا فقدان، دینی تعلیم وتربیت کا فقدان، معاشی پسماندگی، دائروں کا عدم وجود، سیرت وتعلیمات امامؑ پر جدید لٹریچر کی عدم دستیابی اہم مسائل ہیں۔ان کا حل پیش کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ صحبت صادقاں وذکر الٰہی مساجد میں دینی تعلیم کا اہتمام بنیادی باتوں سے آگاہی، نظام عشر کی ترویج دائروں کے نظام زندگی کا احیاء اور قومی لٹریچر کا مختلف زبانوں میں ترجمہ واشاعت ضروری امور ہیں۔تحریر وتقریر میں مہدویت کو کسی نئے مذہب کے طور پر پیش نہیں کرنا چاہئے بلکہ یہ بتلانا چاہئے کہ مہدویت ہی مکمل اور خالص اسلام ہے۔جو عصری تقاضوں سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہے۔

جناب سید زین العابدین یداللّٰہی صاحب نے عنوان پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ پہلے سے زیادہ آج تبلیغ واشاعت مذہب کی سخت ضرورت ہے۔ترکِ ہجرت اور ربط وضبط کی کمی سے بہت بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے۔انہوں نے کہا کہ ہر علاقہ کے مسائل الگ الگ ہیں۔لہٰذا اسی مناسبت سے تبلیغ کی منصوبہ بندی ہونا چاہئے۔آج دنیا سکون کی تلاش میں سرگرداں ہے یہ سکون واطمینان قلب انہیں مہدویت میں مل سکتا ہے۔اب یہ مہدویوں کا فرض ہے کہ تعلیماتِ امامؑ کو مناسب انداز میں عوام کے سامنے پیش کریں۔ اور یہ اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ ہم اسلام کا کوئی فرقہ نہیں بلکہ اصل ہیں اور مہدویت نام ہے اسلام کی صداقت کا۔تجاویز پیش کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اخوان المسلمین کی طرح ہمیں ہر مقام پر عوام سے ملاقات اور دعوت کی کوشش کرنا چاہئے۔آج کل جو زائرین کے قافلے جارہے ہیں ان کے ساتھ مبلغین کو روانہ کیا جائے، مدرسہ سجادگان کی طرح مرکزی انجمن مہدویہ کے زیر اہتمام ایک مرکزی مدرسۂ دینیات قائم کیا جائے اور تعلیم عام کی طرح تعلیم دینی کے طلباء کو بھی وظائف دیئے جائیں۔مختلف زبان میں لٹریچر تیار کرایا جائے اور تقسیم وفروخت کا انتظام کیا جائے۔

جناب سید عبدالحئی صاحب نے پرجوش انداز میں اظہار خیال کیا کہ ہمارے پاس متحرک جماعتوں کے فقدان سے نوجوان طبقہ دوسروں کی جانب مائل ہوتا جارہا ہے۔ہم غیروں سے تعلیم پاکر مرعوب ہوجاتے ہیں۔جس کی وجہ سے تعلیمات امامؑ کو پیش کرتے ہوئے پس وپیش محسوس کرتے ہیں۔تنظیم وتبلیغ کے بغیر قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔ضرورت اس بات کی ہے کہ پیام امام آخرالزماں پر پہلے ہم خود عمل پیرا ہوجائیں اور انبیاء کا طریقہ بھی یہی رہا ہے کہ پہلے عمل کرکے ہی لوگوں کو دعوت دیتے تھے۔اسی لئے ان کی دعوت میں تاثیر تھی۔انبیاء نے عوام میں پہنچ کر تبلیغ کی تھی اور مصائب کو مسکرا کر برداشت کیا تھا۔عوم میں گھل مل کر نہایت انکساری سے کام لیا تھا۔ہمیں بھی چاہئے کہ داعی کی حیثیت سے قوموں کے درمیان پیش ہوں اور اسلاف کا طریقۂ تبلیغ اپنائیں اپنے طرز عمل سے لوگوں کو قریب کریں۔مذہب کی جو بھیانک تصویر لوگوں کی نظروں میں ہے اسے مٹائیں۔اور مذہب کے حقیقی خوشگوار روپ کو پیش کردیں۔

نیز موصوف نے کہا کہ عصری تقاضوں کے مطابق لٹریچر تیار کرایا جائے نیز پیر ومرید کے تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے کہا کہ طالب کو چاہئے کہ اپنی اصلاح ورہنمائی کے لئے پیرانِ طریقت کے پاس رجوع ہوں یا اگر حالات ناموافق ہوں تو

پیران طریقت کو چاہئے کہ ابرِ رحمت کی طرح خزاں رسیدہ مقامات پر جائیں اور اپنے فیوض و برکات کی بارش برسائیں۔

جناب مقصود علی خاں صاحب نے اتحاد و اتفاق اور علاقائی تنظیموں کے قیام و استحکام پر زور دیا۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ تعلیمات امامؑ پر تقاریر کے لئے مجالس کا انعقاد عمل میں لایا جاتا رہے۔ اور ایسے ہفتہ وار یا ماہانہ مجالس ہر مقام پر ہوں تو تعارف و تبلیغ مہدویت کا کام بخوبی انجام پا سکتا ہے۔

جناب طاہر کمال خوندمیری صاحب نے کہا کہ ساحلی آندھرا کے طوفان زدہ علاقوں کے دورہ سے انہوں نے یہ محسوس کیا ہے کہ اضلاع کی آبادیوں میں ربط و ضبط کا انقطاع علاقائی زبانوں میں لٹریچر کی عدم دستیابی اور علماء کی بے توجہی سے حالات تشویشناک بنتے جارہے ہیں۔

یہ تو مقررین کے خیالات تھے جن سے تبلیغ و اشاعت کے مختلف مسائل اور حل ہمارے سامنے آئے ہیں۔ اب سہولت کی خاطر ان کی تلخیص پیش کرنے کی کوشش کروں گا تا کہ تبلیغ و اشاعت کا عزم رکھنے والی تنظیمیں اپنا لائحہ عمل تیار کرسکیں۔

مسائل:

(۱) عام لوگوں کی مذہب سے ناواقفیت، عدم دلچسپی اور بے عملی

(۲) مذہبی فرائض اور واجبات کی ادائی کے لئے چند مخصوص افراد پر انحصار یا محتاجی۔

(۳) فریضہ ہجرت سے پہلوتہی یا ترکِ ہجرت اور علماء سے عوام کی دوری۔

(۴) دینی تعلیم و تربیت سے لاپرواہی۔

(۵) تبلیغی کام میں خلوص وللّٰہیت کا فقدان۔

(۶) علاقائی تنظیموں کی کمی، مرکزیت کا فقدان اور ربط و ضبط کی کمی۔

(۷) مذہب اور اس کی افادیت پر مشتمل مختلف زبانوں میں لٹریچر کی عدم دستیابی۔ افرادِ قوم کی دولت اور علم کا بیجا استعمال

(۸) تبلیغ و اشاعت کے لئے منصوبہ بندی اور عمل آوری کے لئے وسائل کی فراہمی۔

حل:

(۱) پہلے مسئلہ کے تعلق سے یہ عرض کروں گا کہ مذہب بیزاری اور بے عملی کے تعلق سے سب کو اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہئے کہ سب اپنے اپنے اعمال کے لئے خدا کے پاس جوابدہ ہوں گے۔ اس وقت کوئی قائد قوم یا مشائخ کسی کی شفاعت کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ ایمان کی تعریف صرف اقرار باللسان ہی نہیں بلکہ اعتقاد بالقلب بھی ہے۔ اُمّتِ محمدی میں رہ کر بے عملی قابلِ افسوس بات ہے۔

مذہب بیزاری اور بے عملی کا یہ خطرناک مسئلہ مبلغین و علمائے امت کو دعوتِ فکر و عمل دے رہا ہے۔

(۲) اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ مذہبی فرائض اور واجبات کی ادائی کے لئے چند مخصوص افراد پر تکیہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً ایصالِ ثواب' بکرے یا مرغ کا ذبح' اور چھوٹے چھوٹے فقہی مسائل وغیرہ سے لوگ بالکل ناواقف رہتے ہیں۔ اور محلّہ کے مخصوص افراد کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔

دراصل روزانہ زندگی میں پیش آنے والے مسائل سے گھر کے ہر فرد کو واقف رہنا چاہئے۔ صرف خواہشات کی تکمیل ہی مقصدِ حیات وتخلیق نہیں ہے۔

تبلیغی مشن پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ لوگوں کو مذہب کی اہمیت اور افادیت بتلا کر قریب کرنے کی کوشش کریں۔ انکے اعتقادات کی درستگی اور پختگی کے لئے اپنی قوت صرف کرے۔ فرائض وسنن کی باضابطہ تربیت کا انتظام کریں اور چھوٹے چھوٹے فقہی مسائل کے تعلق سے ان کی تربیت کر کے خود اعتمادی پیدا کریں۔

(۳) عام تاثر یہ ہے کہ ترکِ ہجرت کی وجہ سے تبلیغ مذہب کا کام بُری طرح متاثر ہوا ہے۔ رسول اللہؐ کی طرح خلیفۃ اللہ نے بھی ہجرت ہی کے ذریعہ اسلام کو پھیلانے' مسلمانوں کو رسوم وعادات وبدعات سے چھٹکارا دلانے کا فرض انجام دیا۔ معرفتِ حق کی راہوں کو آسان ترین بنا دیا۔ مختصر یہ کہ دنیا کو حقیقی اسلام سے روشناس کروایا۔ یہ سب کچھ کرنے کے لئے آپ نے صرف ایک گوشہ میں بیٹھ کر دنیا والوں کا انتظار نہیں کیا۔ مخالفین سے گفتگو کرنے سے انکار نہیں کیا بلکہ ہزاروں میل کا سفر کر کے سارے بندگانِ خدا کو دعوت الی اللہ دی۔ عام بیانِ قرآن کے ذریعہ لوگوں کے قلب وذہن کو بدل ڈالا۔ آبادیوں اور مسجدوں میں جا کر مذہب کی تبلیغ کی۔ تلخ گفتگو کا جواب مسکراہٹ سے دیا۔

آج اگر تبلیغ واشاعتِ مذہب مسدود ہے تو اس کے ذمہ دار ہم ہیں۔ ہمارے نوجوان اگر غیروں کی طرف مائل ہو رہے ہیں تو صاحبانِ علم ودولت اس کے ذمہ دار ہیں۔ شہروں میں علم ودولت کے چشمے اُبل رہے ہیں تو اضلاع خشک سالی کا شکار ہیں۔ کئی مقامات پر مذہبی رہنماؤں کی غیر موجودگی سے لوگ گمراہ ہو رہے ہیں۔ اضلاع کے لوگ ہر قسم کی سہولیتیں بہم پہنچانے کے لئے تیار ہیں لیکن کوئی بندۂ خدا شہر چھوڑ کر وہاں ٹھہرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہاں شہری آسائشیں میسر نہ ہوں یا لوگ پسند نہ ہوں۔ ایسی صورت میں اسوہ رسولؐ ومہدی علیہ السلام پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے ناموافق لوگوں کو ہی موافق بنایا تھا۔ جانی دشمنوں کو اپنے اخلاقِ حسنہ سے زیر کیا۔ آج تو حالات اتنے خطرناک نہیں ہیں ہر شخص ٹھنڈے دل ودماغ سے غور کرے تو بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے گی۔

(۴) دینی تعلیم وتربیت سے لاپرواہی معاشرہ کے بگاڑ کی اہم وجہ ہے۔

جو کچھ مدارس چل رہے ہیں وہاں بلا کسی نصاب تعلیم کے صرف قرآن ناظرہ خوانی کو ہی منزل ومقصد سمجھ لیا گیا ہے۔ بچہ کا

قلب وذہن ایک لوحِ سادہ کی طرح ہے۔اس پر اگر پہلے ہی توحید کا انمٹ نقش بنادیا جائے تو پھر کبھی مٹ نہیں سکتا۔

لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ جہاں مسلمانوں کے پاس خواہشات نفس یا ضروریاتِ زندگی کے لئے بجٹ موجود ہے وہاں دینی تعلیم کے لئے ان کے پاس کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جہاں سینکڑوں روپئے بچوں کی دنیاوی تعلیم کے لئے خرچ کئے جاسکتے ہیں وہاں دینی تعلیم وتربیت کے لئے ایک فیصد بھی خرچ کرنے کے لئے تیار نہیں۔اب اگر اولاد بدکردار نکلتی ہے تو کیا تعجب ہے۔حتی کہ اپنی سرمایۂ حیات خرچ کردینے والے باپ کی قبر پر وہ گل چڑھانے اور فاتحہ پڑھنے سے عاجز ہوتی ہے۔سوچئے اس کا ذمہ دار کون ہے؟

تبلیغی مشن کا یہ فرض ہوگا کہ ہر محلّہ میں دینی تعلیم کے مدارس قائم کروائے۔مقامی لوگوں کی تربیت کرے اور جہاں تک اعلیٰ تعلیم کا سوال ہے تو دین کی اعلیٰ تعلیم کے خواہشمند طلباء کی سرپرستی کے لئے نہ صرف مرکزی انجمن مہدویہ' دیگر قومی ادارے بلکہ اصحابِ خیر کو بھی آگے آنا چاہئے۔ایسے مقامات جہاں مذہبی رہنماؤں کی کمی یا نایابی ہے وہاں تبلیغی مشن کو چاہئے کہ کم ازکم ایک نوجوان کو اپنے ساتھ لے لیں۔دورانِ سفر اس کی تربیت کریں اور حیدرآباد لاکر اس کی اعلیٰ تعلیم کا انتظام کریں۔

عموماً ہمارے نوجوان اور رہنما اس مقصد کے لئے غیر مہدوی مدارس کا رخ کرتے ہیں۔کیونکہ ہمارے پاس کوئی مرکزی مدرسۂ جامعہ یا درسگاہ نہیں۔نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ سادہ لوح طلباء غیروں سے مرعوب ہوجاتے ہیں۔اور کسی تحریر وتقریر میں اسلافِ مہدویہ کے حوالہ وذکر کے بجائے غیروں کا نام لینا' قابل فخر سمجھنے لگتے ہیں۔غیر مہدویوں سے اکتسابِ علم کوئی شئے ممنوعہ نہیں بلک یہ ہونا چاہئے کہ ہمارے طلباء علم وادب سے بہرہ ور ہوکر اپنے مذہبی کتب میں غور وفکر کریں۔اپنی صلاحیتوں سے دنیائے انسانیت کی رہنمائی کریں۔

اس سلسلہ میں اگر ایک مرکزی جامعہ قائم کی جائے تو مناسب ہوگا۔نیز موجودہ دینی مدارس کے لئے مشترکہ نصاب کی تدوین اور تعلیم کا منظّم انتظام نہایت ضروری ہے۔

(۵) تبلیغی کام کی موجودہ صورت حال کو یوں بدلنا چاہئے کہ اس میں خلوص' استقلال اور للّٰہیت آجائے۔اس کام کو رسولؐ ومہدیؑ کی اتباع سمجھ کر کیا جائے اور رضائے الٰہی کو پیش نظر رکھا جائے' مقامی مسائل سے واقفیت حاصل کی جائے۔لیکن فتنوں کو ہوا نہ دی جائے۔ہر معاملہ میں کسی کی ذات کو نشانِ ملامت بنانے کے بجائے قرآن وحدیث کے حوالے سے مسئلہ حل کیا جائے۔مقامی مشائخین کا احترام کیا جائے بلکہ انہیں ساتھ لے کر کام کیا جائے۔

(۶) کئی مقامات پر کسی تنظیم یا انجمن کے نہ ہونے سے بھی نقصان پہنچ رہا ہے۔دراصل یہ انتشار کی علامت ہے جو تباہی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔اس بات کی کوشش کی جانے چاہئے کہ ہر آبادی میں اتحاد پیدا ہوجائے اور کم ازکم ایک انجمن وجود میں آجائے جو مقامی دینی ودنیاوی مسائل کو حل کرسکے۔بشرطِ ضرورت وہ لوگ قوم کی بڑی بڑی تنظیموں سے رہنمائی بھی حاصل کرسکیں۔ملت میں ربط وضبط کی کمی

اورمرکزیت کے فقدان نے زبردست دھکا پہنچایا ہے۔تمام اداروں کا آپس میں ربط وضبط ہونا چاہئے۔یہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔

(۷) یہ ایک حقیقت ہے کہ ملت مہدویہ میں نہ علم کی کمی ہے اور نہ دولت کی۔البتہ ان کے بے جا استعمال کی بے شمار مثالیں دیکھنے میں آتی رہتی ہیں۔اصحاب علم کی صلاحیتوں سے استفادہ کا کوئی منصوبہ ہمارے پاس نہیں۔آپسی تنقید وتبصرہ کے لئے سینکڑوں صفحات سیاہ ہوسکتے ہیں اور شائع ہوکر مفت تقسیم ہوسکتے ہیں لیکن کتنا بڑا المیہ ہے کہ سیرت وتعلیمات امامؑ پر محققانہ انداز میں قلم اٹھانے' مذہب کو دنیائے انسانیت کا مرکزِ توجہ بنانے اور اصلاح معاشرہ کے لے وقت اور دولت کی شدید قلت محسوس کی جاتی ہے۔اب ان اختلافات اور غلط فہمیوں کو ختم ہوجانا چاہئے۔زمانہ کے حالات بدل چکے ہیں۔اب صرف پند ونصائح کی طویل محفلوں پر اکتفا نہیں کیا جاسکتا۔لوگوں کی مصروفیات میں اضافہ ہوچکا ہے۔ایسی صورت میں مذہب پر مختلف زبانوں میں لٹریچر کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔مرکزی انجمن مہدویہ یا کوئی اور ادارہ اس ذمہ داری کو اپنے سر لے تو مناسب ہوگا۔برسوں سے ہم لوگ غافل رہے ہیں اس لئے اس کام کو اب ایک پروجکٹ کے طور پر شروع کرنا چاہئے یعنی مختلف عنوانات پر علماء کو زحمت دینا اور مختلف زبانوں میں اشاعت کا اہتمام کرنا چاہئے۔

خیال اس بات کا رہے کہ مہدویت کو اسلام سے ہٹ کر کوئی نیا مذہب بنا کر پیش نہ کیا جائے۔اور نہ تعلیمات کو بھیانک انداز میں پیش کیا جائے۔بلکہ منقول کے ساتھ معقول سے بھی کام لیا جائے۔مذہب کی آسان انداز میں تفہیم کی جائے۔جارحانہ اور مناظرانہ اندازِ تحریر سے پرہیز کیا جائے۔

ایک اور تجویز یہ بھی ہے کہ لوگوں کے استفادہ کے لئے مہدویت کے متعلق مراسلاتی کورس شروع کیا جائے۔یہ عصر حاضر کا مقبول ترین طریقہ ہے۔نیز مختلف زبانوں میں مذہب کے متعلق تقاریر کو کیسٹ میں محفوظ کر کے مختلف مقامات کو پہنچایا جائے۔یہ طریقہ بھی بہت کارآمد رہے گا۔مختلف المعیار مجالس کا انعقاد بھی عمل میں لایا جاسکتا ہے۔

(۸) تبلیغ واشاعت کے مختلف مراحل کی منصوبہ بندی نہایت ضروری ہے۔انہیں حسب موقع اور حسب سہولت طئے کیا جاسکتا ہے۔لیکن ایک مستقل لائحہ عمل کی تدوین نہایت ضروری ہے۔نیز منصوبوں کی عمل آوری کے لئے وسائل کی فراہمی بھی قابل توجہ ہے۔صرف کسی ایک انجمن یا ادارہ پر تکیہ کرنا نادانی ہوگی۔مختلف اسکیموں کو مختلف ادارے اپنا سکتے ہیں۔البتہ ربط وضبط رکھنے اور تضیع وسائل سے بچنے کے لئے کسی ایک انجمن کو مرکز بنایا جاسکتا ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''نورحیات'' بابتہ جولائی ۱۹۷۸ء)

☆☆☆☆☆☆☆

دعوت وتبلیغ اور ہماری ذمہ داریاں

مرکزی انجمن مہدویہ حیدرآباد کے زیر اہتمام جشن میلاد امامؑ مورخہ ۱۴؍ جمادی الاول ۱۴۱۸ھ م سپٹمبر ۱۹۹۷ء کے ضمن میں منعقدہ سمپوزیم میں یہ مقالہ پیش کیا گیا۔

تبلیغ اسلام ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلعم نے یہ ذمہ داری اُمت مسلمہ کو سونپی ہے اور اُمت مسلمہ میں ملت مہدویہ کو خیر امت سے موصوف کیا گیا ہے حتیٰ کہ آیت قرآنی' **فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ** (یعنی عنقریب اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم کو لائے گا جو اس سے محبت کرے گی اور اللہ ان سے محبت کرے گا) کے تعلق سے بیان کیا جاتا ہے کہ یہ قوم مہدویہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اس طرح تبلیغ واشاعت مذہب کی زیادہ ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے کیونکہ عامۃ المسلمین کی حد صرف اسلام اور ایمان تک ہے۔ لیکن ہمیں احسان کی تعلیم بھی ملی ہے۔ اُن کا مقصد عبادت صرف دخول جنت ہے جبکہ ہمارا مقصد عشق ودیدار الٰہی ہے۔ اس لئے ہم صحیح، مکمل اور خالص اسلام کو پیش کر سکتے ہیں۔ لیکن آج کے مادی دور میں تبلیغ واشاعت مذہب کے معاملہ میں ہم سب سے پیچھے ہو گئے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم کھلے ذہن سے اس کے اسباب وعلل پر غور وخوض کر کے ایک لائحہ عمل بنائیں ورنہ یاد رہے۔'' **ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم** '' (اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ خود قوم اپنی حالت نہ بدلے)

ہر مومن کا مقصد حیات رضائے الٰہی کا حصول ہے جو اطاعت وبندگی' تقویٰ اور صالح معاشرہ کی تشکیل کے ذریعہ حاصل کی جاسکتی ہے۔ صالح معاشرہ کی تشکیل کے لئے کسی فرد کا متقی وپرہیزگار ہونا کافی نہیں ہے بلکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر بھی ضروری ہے۔ یعنی خود صالح بننا اور دوسروں کو صالح بنانا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔'' **کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ** (سورہ آل عمران آیت ۱۱۰) (تم ہو سب امتوں سے بہتر جو پیدا ہوئے ہیں لوگوں میں حکم کرتے ہو اچھی بات کا اور منع کرتے ہو ناپسند سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر) یعنی ایمان والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے قول وفعل کے ذریعہ اسلامی تعلیمات کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچائیں۔ ایمان کے اعلیٰ اقدار اور اللہ کے انعامات سے لوگوں کو واقف کرائیں۔ انبیاء کی آمد کا مقصد یہی تھا۔ اور خاتم الانبیاء وخاتم الاولیاء کا مقصود بعثت بھی یہی تھا۔ وہ دعوۃ الی اللہ کے لئے مامور من اللہ تھے۔ یہ سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ ان مقدس ہستیوں نے اپنے اقوال وافعال واحوال کے ذریعہ اسلام کا مکمل نمونہ پیش کر دیا۔ ان کا اسوہ حسنہ ہی تبلیغ کا ذریعہ تھا۔ اُن کے صحابہ کرامؓ اور تابعین کے ذریعہ اسلام پھیلا۔ اب یہ ذمہ داری تمام مومنوں پر عائد ہوتی ہے کہ خود اپنی اور عالم

انسانیت کی فلاح ونجات کے لئے اس اہم فرض کی تکمیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ اپنے قول وفعل کو تعلیمات اسلامی کے مطابق بنائیں اور عملی نمونہ کے ساتھ ساتھ زبان وقلم سے بھی لوگوں کو صحیح اسلام سے روشناس کرائیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''**ولتکن منکم امۃیدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر و اولئک ھم المفلحون** (اور چاہئے کہ رہے تم میں ایک جماعت جو بلائے نیک کام کی طرف اور حکم کرتے رہے نیکی کا اور منع کرتے رہے برائی سے' اور وہی لوگ مراد کو پہنچے)

تبلیغ اسلام یا دعوۃ الی اللہ کسی خاص ملک یا قوم تک محدود نہیں ہے بلکہ ہر مومن کا فرض ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق اس میں حصہ لے چاہے زبان سے ہو یا قلم سے یا ترغیب کے ذریعہ۔ ہر مومن اپنے ایمان کی نسبت سے مبلغ اسلام ہے اس لئے چاہئے کہ تقویٰ اختیار کرے' علوم دین سیکھے اور اسلام وانسانیت کی خدمت کے لئے خود کو ذہنی طور پر تیار کرے۔ تبلیغ کا کام اس بات کا متقاضی ہے کہ مبلغ اپنے قول وفعل دونوں میں مطابقت پیدا کرے اور خود کو عملی نمونہ بنا کر پیش کرے۔

تبلیغ کے دو پہلو ہیں۔ (۱) غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ (۲) مسلمانوں میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر

غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ کے لئے یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ مسلمانوں کی حیثیت داعی کی ہے اور غیر مسلموں کی حیثیت مدعو کی ہے لہٰذا داعی کو مدعو سے محبت وہمدردی ہونا چاہئے نہ کہ عداوت ونفرت۔ بہت سے مسلمان عام طور پر غیر مسلموں کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں اور انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر ٹکراؤ کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ حالانکہ سنت نبوی' فطرت انسانی اور عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ غیر مسلموں کی عزت نفس کا لحاظ رکھا جائے' حسن اخلاق' حسن سلوک' صبر وتحمل' عفو ودرگذر اور رواداری کے ذریعہ انہیں متاثر کیا جائے اور اپنے اقوال وافعال کے ذریعہ اسلام کا ایسا پرکشش نمونہ پیش کیا جائے کہ وہ خود اسلام کی طرف متوجہ ہوجائیں۔

مسلمانوں میں تبلیغ کے تعلق سے سوال یہ پیدا ہوگا کہ پہلے سے جو مسلمان ہیں انہیں تبلیغ کی کیا ضرورت ہے؟ اگر آپ عالم اسلام پر اور اپنے حال وماحول پر نظر ڈالیں تو پتہ چلے گا کہ مسلمان بھی کئی قسم کے ہیں۔

(۱) ایسے مسلمان جن کے آبا واجداد مسلمان تھے اس لئے یہ بھی مسلمان ہیں۔ لیکن اسلام کے معنی ومفہوم سے ناآشنا ہیں حتی کہ بنیادی باتوں مثلاً نماز' روزہ اور حلال وحرام سے بھی ناواقف ہیں۔

(۲) ایسے مسلمان جو دین سے اچھی طرح واقف ہیں اور صوم وصلواۃ کے پابند بھی ہیں لیکن اپنے غیر اسلامی ماحول سے مرعوب اور مادہ پرست دنیا کی چمک دمک سے متاثر ہیں یعنی حُبِّ دنیا ان پر غالب ہے۔ ایسے کمزور عقیدہ کے لوگ اسلام کی پوری طرح نہیں بلکہ کسی قدر اتباع کرتے ہیں یعنی اسلام میں جو چیز ان کے لئے موزوں' مناسب اور سہولت بخش ہے اس کو قبول کرلیتے ہیں اور جو چیز مشکل یا مفاد کے خلاف نظر آئے اس کو چھوڑ دینے میں قباحت نہیں سمجھتے۔

(۳) ایسے مسلمان جو سیاسی یا سماجی طور پر ممتاز اور با اثر ہیں یا مغربی تعلیم یافتہ اور مغربی ماحول کے پروردہ ہیں وہ حلال وحرام میں تمیز کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ اپنے وسیع روابط' سماجی اختلاط یا بین مذہبی رشتۂ ازدواج کی وجہ سے عمداً یا مصلحتاً اسلام کا دفاع نہیں کر سکتے اور خود کو مذہبی سانچہ میں ڈھالنے کے بجائے مذہب میں تبدیلی کی بات کرتے ہیں کیونکہ زر یا زن ان کے پیچھے ہوتے ہیں لہٰذا وہ اپنے ذوق کی تسکین اور عادتوں کی تکمیل میں مشغول ہوتے ہیں۔ اسلام سے ناواقف اور حرارت ایمانی سے محروم ایسے نام نہاد روشن خیال'' اور ''انقلابی'' مفکر بالآخر مخالف اسلام عناصر کے آلۂ کار بن جاتے ہیں۔ مثلاً حقوق نسواں ومساوات کے ایسے علمبردار جن کے مذہب میں عورت کا کوئی مقام نہیں' کوئی حق نہیں' جائیداد میں کوئی حصہ نہیں' جن کے پاس عورت صرف جنسی تسکین کا ذریعہ ہے۔ اور لباس کی طرح بیویوں کو بدلنا معیوب نہیں ہے۔ ایسے ''روشن خیال مفکر'' اور حقوق نسواں کے علمبردار یہ نعرہ بلند کرتے ہیں کہ اسلام میں عورت کا کوئی مقام نہیں ہے اور اس پر ظلم کیا جاتا ہے۔ لہٰذا قانون شریعت میں بلکہ (نعوذ باللہ) قرآن مجید میں تبدیلی ضروری ہے تو ہمارے روشن خیال اور انقلابی ذہن کے حامل افراد ان کے ہمنوا بن جاتے ہیں۔ اسلام کا گہرائی سے مطالعہ کرنے اور مذاہب کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بجائے عدوان اسلام کے آلۂ کار بن جاتے ہیں حتیٰ کہ خود اپنے آباء واجداد کو گمراہ اور بے دین کہنے سے نہیں جھجکتے۔

(۴) ایسے مسلمان جو خود عابد وزاہد ہیں لیکن دوسرے مسلمانوں کو اصلاح اور عمل صالح کی ترغیب دینے میں انہیں دلچسپی نہیں۔

مختصر یہ کہ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں بھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی سخت ضرورت ہے۔ ہر مسلمان اپنے عقیدہ کے لحاظ سے خود ایک مبلغ ہوتا ہے۔ اُسے چاہئے کہ خود پکا مسلمان بنے اور اپنے قول وفعل کے ذریعہ تبلیغ کرے۔ یہ اس وقت ممکن ہے جب مسلمانوں کے اندر دعوتی ذہن ہو لیکن آج کل مسلمانوں میں خیر امت ہونے کا احساس باقی نہیں ہے۔ اپنی بد دیانتی' مکر وفریب' جھوٹ' دھوکہ بازی اور جارحانہ طرز عمل کی وجہ سے اسلام کی شکل بگاڑنے کے وہ خود ذمہ دار ہیں۔

تبلیغ یا دعوت محض کسی جماعت یا کسی ادارہ یا انجمن کے ذیلی شعبہ کے ذریعہ پوری طرح انجام نہیں دی جاسکتی اس کے لئے ہر فرد ملت کا تعاون ضروری ہے۔ انبیاء کرام واولیائے عظام کی جانب سے انفرادی طور پر تبلیغ کی کامیابی فضل الٰہی اور اسوہ حسنہ پر منحصر تھی۔ اور عام مسلمان بھی اعمال حسنہ کے ذریعہ یہ کام کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اجتماعی طور پر سب کی یہ ذمہ داری ہے کہ حسب استطاعت اس کار خیر میں حصہ لیں۔ مثلاً کسی دواخانہ میں کئی ڈاکٹر' سرجن اور ان کا مددگار عملہ ہوتا ہے اور مریضوں کے صحیح علاج کے لئے ان سب کا تعاون اور فرض شناسی ضروری ہے۔ کیونکہ ان سب کا مقصد ایک ہی ہے۔ اب اگر نیم طبی عملہ اپنے فرائض سے غفلت برتے' ڈاکٹر کے ساتھ تعاون نہ کرے یا ڈاکٹر کی ہدایات کی خلاف ورزی کرے یا ڈاکٹر نیم طبی عملہ پر حد سے زیادہ انحصار کرتے ہوئے اپنے فرائض سے غفلت برتے تو مریض کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ یعنی جس طرح کامیاب علاج کے لئے دواخانہ کے سارے عملہ کا تعاون ضروری ہے اسی طرح تبلیغ یا دعوت کے لئے بھی تمام مسلمانوں کا تعاون ضروری ہے۔ یہاں ڈاکٹر اور اس کا طبی عملہ مسلمان ہیں تو

اغیار مریض ہیں۔جس طرح معالج کے لئے احساس ذمہ داری اور فرض شناسی ضروری ہے اسی طرح مسلمانوں میں دعوت وتبلیغ کے ضمن میں احساس ذمہ داری اور فرض شناسی ضروری ہے۔

اصول تبلیغ:

دعوت وتبلیغ کا کام انتہائی صبر آزما ہوتا ہے۔انبیاء کرام خاتم الانبیاءء اور خاتم الاولیاء علیہا السلام بھی دعوت الی اللہ کے لئے مامور من اللہ تھے۔ان پر جو ظلم وستم ڈھائے گئے لیکن جس صبر وتحمل کا انہوں نے مظاہرہ کیا اور جس ثابت قدمی سے اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے وہ مثالیں داعی کے پیش نظر رہنا ضروری ہے۔دعوت وتبلیغ کی راہ میں مخالفین کی جانب سے رکاوٹوں اور تکلیف دہ اشتعال انگیزی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ایسے وقت داعی کو صبر وتحمل کا مظاہرہ کرنا پڑے گا۔دوسری اہم چیز یہ ہے کہ دعوت کے لئے حکمت ضروری ہے۔یعنی موقع ومحل، حالات اور مدعو کے معیار وقابلیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس طرح مناسب انداز میں دعوت دے کہ مدعو کے دل ودماغ پر اس کا اثر ہو۔اور اس کے احساس کو ٹھیس پہنچے بغیر وہ محسوس کرنے لگے کہ داعی کی بات سچ ہے۔داعی کو اپنی فصاحت وبلاغت کا سکہ جمانے کی کوشش نہیں کرنا چاہئے بلکہ سلجھے ہوئے اور آسان انداز میں دین کو پیش کرنا چاہئے۔اور بیک وقت تمام فرائض، اصول وفروع سمجھانے کی کوشش کرنے کے بجائے مدعو کی صلاحیت کے مطابق آہستہ آہستہ سمجھانا چاہئے۔مثلاً اگر غیر کو دعوت دی جارہی ہے تو پہلے توحید کا مفہوم سمجھا کر مسجد تک آنے کی ترغیب دی جائے۔داعی کی باتیں اسی وقت اثر انداز ہوں گی جب وہ اپنے قول وفعل میں یکسانیت پیدا کرے اور شفقت، محبت اور حکمت کے ساتھ دعوت کو پیش کرے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (سورہ النحل آیت ۱۲۵)

''دعوت دو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور ان سے بحث کرو بہتر انداز کے ساتھ''

مختصر یہ کہ ہر داعی یا مبلغ پر لازم ہے کہ اپنے قول وفعل کے ذریعہ اسلام کا بہترین نمونہ پیش کرے، حکمت، مصلحت، حلم وبردباری، علم وفراست اور اخلاق حسنہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھے۔آسان انداز میں دین کو پیش کرے۔اور حتی الامکان اختلافی ونزاعی امور سے اجتناب برتے۔موجودہ دور میں انفرادی کوشش کے علاوہ عصری ذرائع ابلاغ کا استعمال بھی کیا جاسکتا ہے۔

خواتین وحضرات! غیر مسلموں کو دعوتِ اسلام اور عام مسلمانوں میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ضرورت، اہمیت وافادیت اور اصول تبلیغ پر اظہار خیال کے بعد ملت مہدویہ کی حالت زار اور انہیں دعوت وتبلیغ کی ضرورت اور اس راہ میں درپیش چند مسائل پر اظہار خیال کرنا چاہوں گا۔

''تاریخ ظفر الوالہ'' میں لکھا ہے کہ ''مہدویوں میں کا ہر شخص اپنے مذہب کی نصرت میں ایک جماعت کا قائم مقام تھا اور اپنی جان دینے کو خدا کے قرب کا سبب سمجھتا تھا''

آج کیا وجہ ہے کہ مذہب کی نصرت سے ہمیں دلچسپی نہیں رہی؟ ہم مذہب کی سطحی پابندی اور رسمی تصدیق واقرار پر مطمئن ہیں؟ دل تو چاہتا ہے لیکن دماغ قبول نہیں کرتا۔ اس مرض کے اسباب وعلل کا پتہ چلانا اور اس کا علاج آج خصوصاً ملت مہدویہ اور عموماً عالم انسانیت کی فلاح ونجات کے لئے نہایت ضروری ہے۔

پچھلی سطور میں عام مسلمانوں کے حوالہ سے تبلیغ کے مفہوم' اصول اور افراد ملت کے فرائض کے تعلق سے جو کچھ کہا گیا ہے ان سب کا انطباق ملت مہدویہ پر بھی ہوتا ہے۔ کمزور عقیدہ' سہل پسندی اور نام نہاد روشن خیالی کا مرض ہم میں بھی موجود ہے لیکن یہ مرض لا علاج نہیں ہے۔ ضرورت ہے خود احتسابی کی' دعوتی فکر وذہن کی اور فی سبیل اللہ سنجیدہ کوشش کی۔

اگر ہم تاریخ مہدویہ پر نظر ڈالیں تو پتہ چلے گا کہ ہجرت' للّٰہیت' استغناء اور اُسوۂ حسنہ ہی تبلیغ کا ذریعہ تھا۔ بڑے بڑے علماء بیان قرآن سن کر یا نظر سے نظر ملتے ہی تصدیق سے مشرف ہو جاتے تھے۔ شریعت پر سختی سے عمل پیرا ہونا گروہ مقدسہ کا امتیازی وصف تھا۔ اور دائرے تعلیم وتربیت کا مرکز ہوا کرتے تھے۔ جہاں احکام شریعت وفرائض ولایت کی پابندی کی عملی تربیت دی جاتی تھی اور مقصد صرف طلبِ خدا تھا۔ ساکنانِ دائرہ' طالبانِ خدا یعنی مریدوں میں بھائی وبرادر کا رشتہ تھا۔ دائرہ سے باہر مقیم کا سب عشر کی ادائی کے پابند تھے۔ مختصر یہ کہ دائرے ایسے تربیتی کیمپ ہوا کرتے تھے جہاں صلاح واصلاح کا نظام کارفرما تھا اور جسمانی طور پر انسان یعنی اشرف المخلوقات کو روحانی طور پر انسان یعنی حقیقی اشرف المخلوقات بنایا جاتا تھا۔ لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ جب دائرہ کا نظام ختم ہو گیا اور ہجرت کا سلسلہ بند ہو گیا تو صلاح واصلاح کا سلسلہ بھی بند ہو گیا۔ تعلیم وتربیت کا یہ نظام جب ٹوٹا تو مقصود ومطلوب عبادت بھی بدل گیا۔ علم وعمل دونوں سکڑ گئے۔ فروعی مسائل اُصولِ دین پر غالب آ گئے۔ رشد وہدایت کا مفہوم بدل گیا۔ امام آخر الزماں نے رسم وعادت وبدعت کو مٹانے کا حکم دیا تھا لیکن ہم نے رسم وعادت وبدعت کو شدت سے جاری وساری کیا' اتفاق پر نفاق کو ترجیح دی جانے لگی ہمارے قول وفعل میں للّٰہیت باقی نہیں رہی۔ امام ناعلیہ السلام نے ضبط نفس اور تزکیہ نفس اور تصفیۂ قلب کی تعلیم دی لیکن تفریح نفس ہمارا مشغلہ بن گیا۔ یعنی مختصر الفاظ میں مقصد بعثتِ مہدیؑ' تعلیمات مہدیؑ اور اُسوہ مہدیؑ کو ہم نے یکسر بھلا دیا۔ نتیجہ آپ دیکھ رہے ہیں۔

گروہ مہدویہ کی مخصوص اصطلاحات والفاظ اپنی جگہ باقی ہیں لیکن ان کے معنی ومفہوم' موقع ومحل بدل گئے ہیں۔ لفظ ''دائرہ'' آج بھی باقی ہے لیکن اس کا طبعی وجود نہیں ہے اور نہ اس کا مقصد باقی ہے۔ پہلے دائرے شہروں کے باہر آبادی سے دور ہوا کرتے تھے تاکہ سکونِ قلب وذہن کے ساتھ عبادت کی جا سکے۔ اور تربیت وتلقین کا انتظام ہو سکے۔ لیکن آج مفہوم ومقصد بدل گیا ہے' موقع ومحل بھی بدل گیا ہے اور آج سارے دائرے شہروں میں منتقل ہو گئے ہیں۔ دائروں کا طبعی وجود نہیں ہے بلکہ صرف دائرہ کا تصور باقی ہے۔

دائروں کی شہروں میں منتقلی کے اس رجحان کی وجہ سے ارتداد وانحراف کی فضاء ہموار ہوگئی۔ اضلاع کی مہدویہ آبادیوں کو تو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا۔ لیکن شہروں میں بھی اس رجحان کے کچھ مثبت اثرات نظر نہیں آتے۔ بیعت رسمی رہ گئی صرف ''اذان' وقت ولادت' نماز بعد وفات' تسمیہ خوانی' عقد نکاح اور سال میں ایک بار دوگانہ لیلۃ القدر۔ صرف اسی حد تک مرشد اور مرید میں رشتہ باقی رہا جبکہ نظام دائرہ میں لوگ طلب خدا میں اسباب دنیا کو چھوڑ کر اپنی جان ومال کو مرشد کے حوالے کر دیتے تھے۔ آج نہ کوئی مرید خدا تک پہونچنے کا راستہ پوچھنے کے لئے اپنے مرشد کے پاس جاتا ہے اور نہ کوئی انہیں اس کی دعوت دیتا ہے۔ مختصر یہ کہ ہجرت ودعوت کا سلسلہ جب بند ہوا' عالیت وعزیمت پر رخصت کو ترجیح دی جانے لگی۔ تاویل کا سہارا لیا جانے لگا تو ہماری وہ امتیازی خصوصیات بھی ختم ہوگئیں جنہیں دیکھ کر مصدقین مہدیؑ کو ملاء اعلیٰ کے مقدس فرشتے' عاشقانہ ووالہانہ طور طریق رکھنے والے' اور صحابہ کرام کے خصائص ایمانی کی یاد تازہ کرانے والے' کہا گیا تھا۔ شریعت کی سخت ترین پابندی مہدویوں کی شناخت تھی۔ لیکن آج

رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی

میں اپنی بات کو مختصر کرتے ہوئے موجودہ حالات اور ان کے تدارک کے لئے کچھ تجاویز پیش کرنا چاہتا ہوں۔ موجودہ حالات اس طرح ہیں۔

(۱) شہروں اور اضلاع میں ارتداد وانحراف کی فضاء ہموار ہو رہی ہے۔

(۲) اکثر اضلاع کے مہدوی بھائی بے یار ومددگار ہیں ان کی رہنمائی وہدایت کا کوئی انتظام نہیں ہے۔

(۳) افراد قوم کی بے اعتنائی اور نوجوان نسل کی بے رغبتی

(۴) احکام شریعت اور فرائض ولایت سے عدم واقفیت

(۵) دعوت وتبلیغ میں ہمارا تساہل

(۶) لٹریچر کی عدم دستیابی اور دینی تعلیم سے دوری۔

غرض مسائل لاتعداد ہیں۔ اب سوچنا یہ ہے کہ حالات کو سدھارنے کے لئے کیا کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ میں نے ابتداء میں عرض کیا ہے تمام افراد ملت کی یہ ذمہ داری ہے کہ دعوت وتبلیغ یا صلاح واصلاح کی اس مہم میں حسب استطاعت حصہ لے۔

اضلاع میں تبلیغ کے تعلق سے یہ دیکھا گیا ہے کہ اغیار بلا روک ٹوک داخل ہوکر ہمارے بھائی بہنوں کو ورغلا رہے ہیں لیکن کسی مہدوی کا بغرض تبلیغ ہماری ہی آبادیوں میں ''بلا اجازت داخلہ ممنوع ہے''۔ نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ لوگ منحرف ہو جا رہے ہیں لیکن ہم یہ کہکر مطمئن ہیں کہ ''خس کم جہاں پاک'' اس ضمن میں میری ایک تجویز یہ ہے کہ جب بھی اضلاع میں تبلیغی وفود روانہ کرنے کا منصوبہ بنے اور اس میں اہل ارشاد حضرات بھی شامل ہوں تو ایک اصول یہ طئے کرلیں اور اس کا اعلان بھی کریں کہ وہاں کسی کو مرید نہیں بنایا

جائے گا اور نہ اس کی ترغیب دی جائے گی۔ اس طرح جب کوئی خدشہ باقی نہیں رہے گا تو داخلہ کی اجازت بھی مل جائے گی اور کم از کم لوگوں کو گمراہی سے بچایا جا سکے گا۔

اضلاع میں تبلیغ کے لئے پہلے وہاں کے مذہبی وسماجی حالات وروایات اوران کے معیار وصلاحیت کا جائزہ لینا ہوگا۔ پھران کے مخصوص مسائل کا حل پیش کرنا ہوگا۔ بعض اضلاع کا اتنابُرا حال ہے کہ لوگ اذاں' نماز' روزہ' زکواۃ' قربانی وغیرہ کے مسائل سے بالکل نا آشنا ہیں جب نماز نہیں تو کیسا مسلمان اور کیسا مہدوی؟

نوجوان نسل کی بے رغبتی کی ایک عام وجہ تو آج کا مادہ پرست ماحول' جدید آلات سمعی وبصری ہیں۔ دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ گھروں میں دینی ماحول نہیں ہے۔ جتنی توجہ دنیاوی تعلیم پر دی جاتی ہے اس کا عشر عشیر بھی دینی تعلیم پر نہیں۔ اس ماحول کا پروردہ نوجوان جب کسی محفل میں جاتا ہے یا اغیار کی مجلس میں بیٹھتا ہے تو اسے کفر اور اقتداء کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جب وہ جواب کی تلاش میں اپنوں کے پاس آتا ہے تو اسے خاطر خواہ جواب دینے یا کسی موزوں شخص یا عالم کے پاس بھیجنے کے بجائے اسے دھتکارا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں اس کے شکوک وشبہات مزید تقویت پاتے ہیں۔ مناسب تو یہ ہوگا کہ اُسے سوال کرنے دیا جائے یہ اس کی تلاش حق وجستجو کی علامت ہے اگر وہ سچے دل سے حق کی تلاش میں آیا ہے تو ہدایت پائے گا ہمارا کام صرف پیام پہنچانا ہے ہدایت اللہ کی مرضی ومنشاء پر منحصر ہے۔

دینی تعلیم اور تفہیم مذہب کی ضرورت ہر دور میں رہی ہے۔ آج کل جتنے دینی مدارس ہماری مساجد میں قائم ہیں وہ صرف قرآن ناظرہ تک محدود ہیں۔ اس کے آگے دینی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ بچوں کے لئے گھر میں اور گھر کے باہر دینی ماحول کی فراہمی نہایت ضروری ہے بچوں کی عمر کے لحاظ سے نصاب کی تیاری اور تعلیم وتربیت ضروری ہے۔ ہمارے ماحول میں جب بھی بات کی جاتی ہے تو راست طلب دیدار خدا اور ترک دنیا پر گفتگو ہوتی ہے لیکن کیا نماز کی پابندی کی طرف توجہ دلانا ضروری نہیں۔ احکام شریعت کو سمجھے اور عمل کئے بغیر فرائض ولایت کو سمجھنے کی استطاعت کس طرح پیدا ہوگی۔ بعض مقامات تو ایسے ہیں جہاں دینی تعلیم کا انتظام یا تو ممنوع ہے یا متروک۔ ان جاہل گاؤں والوں کو کلمہ سکھانے یا نماز سکھانے کی کبھی کوشش نہیں کی جاتی ۔ اگر کسی نے جراءت کی تو اس کو روک دیا جاتا ہے۔ لازماً نوجوانوں پر اس کے منفی اثرات مترتب ہو رہے ہیں۔ لہٰذا ہر مقام پر دینی تعلیم کا انتظام یا بامعنی وبامقصد محافل کے انعقاد اور عصری ذرائع ابلاغ کے استعمال کے ذریعہ اس کو دور کیا جا سکتا ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے ایک جامعہ کا قیام بھی ضروری ہے۔ جہاں نوجوانوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کیا جا سکتا ہے۔ انہیں روایتی علوم دین واحکام شریعت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ فرائض ولایت کی تعلیم بھی دی جا سکتی ہے اور نظام دائرہ کی عملی تربیت کا انتظام بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح علم دین سے آراستہ جو نوجوان تیار ہوں گے وہ مستقبل کے لئے نہایت کارآمد ثابت ہوں گے۔ ہمیں صرف موذن یا پیش امام تیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے

بلکہ ایسے نوجوان عالموں کی ضرورت ہے جو پیام امامؑ کو قولاً وفعلاً پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

عام جلسوں اور محفلوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ تقاریر صرف ثبوت مہدیؑ یا سیرت مہدیؑ تک محدود ہوتی ہیں۔اور ہر مقرر رائے دلپت کے قتل اور میرذوالنون کی تلوار کا ذکر ضرور کرے گا اس کے آگے پیام وتعلیمات امامؑ پر فکرانگیز اور معلومات آفریں تقریر کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں۔آخر ایسا کیوں ہے؟ ثبوت مہدیؑ پانچ سو سال سے پیش کرتے آرہے ہیں آج دنیا کو تعلیمات امامنا مہدیؑ کی ضرورت ہے۔اس لئے علماء کرام ودیگر مقررین سے ادباً التماس ہے کہ تقریر یا تحریر سے قبل اچھی طرح غوروفکر کریں، سامعین یا ناظرین کی ضروریات اوران کے معیار کو پیش نظر رکھ کر تیاری کریں اور ایسی فکر دیں کہ وہ کچھ حاصل کر سکے۔ذہن سازی کے بغیر صالح معاشرہ کی تشکیل ناممکن ہے۔

ذہن سازی کے لئے دیگر تدابیر میں عصری ذرائع ابلاغ کا استعمال، چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی اشاعت، مختلف زبانوں میں کتب کی اشاعت، مختلف زبانوں میں کتب کا ترجمہ، توسیعی تقاریر، دینی تعلیم وتربیت کا اہتمام وغیرہ شامل ہیں۔دارالاقامہ کے ساتھ دینی جامعہ یا اقامتی درسگاہ کے قیام کی جب بھی تجویز پیش ہوتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ آپسی اختلافات یا سرد جنگ کی نذر ہوجاتی ہے۔بہتر تو یہ ہوگا کہ اس مسئلہ سے دلچسپی رکھنے والے دانشورانِ قوم اور علمائے کرام مل بیٹھ کر بلاتحفظ ذہنی اس کے تمام پہلوؤں پر تبادلہ خیال کریں اور کسی نتیجہ پر پہنچیں۔کیونکہ مستقبل کو تابناک بنانا ہے اور انحطاط پذیر حالات کا تدارک کرنا ہے تو ابھی سے منصوبہ سازی اور لائحہ عمل مرتب کرنا ضروری ہے۔ورنہ اس انحطاط کے لئے خدا کو جواب دینا پڑے گا۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے تبلیغ کے لئے حکمت، فہم وفراست اور صبر وتحمل ضروری عناصر ہیں۔چاہے تبلیغ زبان سے ہو یا قلم سے موقع ومحل، حالات، مدعو کی سمجھ بوجھ کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔کسی سے گفتگو یا مباحثہ کی نوبت آئے تو جارحانہ انداز اختیار کرنے کے بجائے صبر وتحمل کا مظاہرہ کریں۔اور سلجھے ہوئے انداز میں جواب دیں۔لیکن آج ہمارا جو انداز ہے وہ اس کے برعکس ہے۔ہم دعوت دینے سے قبل سب سے پہلے کفر کا حکم سناتے ہیں اور جس انداز میں گفتگو کرتے ہیں اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ مہدویت اسلام سے ہٹ کر کوئی دوسرا مذہب ہے حالانکہ امامنا علیہ السلام نے فرمایا کہ ''مذہب ما کتاب اللہ واتباع محمد رسول اللہؐ'' آپ نے تو اسلام ہی کو خالص شکل میں پیش کیا ہے۔شریعت کی مکمل پابندی کا نہ صرف حکم دیا ہے بلکہ عملی نمونہ بھی پیش کیا ہے اس کے ساتھ دعوت بصیرت بھی دی ہے۔مہدویہ عقائد کے تعلق سے جناب آئی۔اے۔ترمذی کا ایک مقالہ بعنوان ''گجرات میں مہدوی تحریک'' سہ روزہ ''دعوت'' میں شائع ہوا تھا۔وہ لکھتے ہیں۔

> ''مہدویوں نے یقیناً اس کا دعویٰ نہیں کیا کہ وہ کوئی نیا مذہب بنا رہے ہیں یا وہ مسلمانوں سے الگ کسی مذہب کے ماننے والے ہیں۔ان کا عقیدہ صرف یہ تھا کہ مہدی موعود آچکے

اورانہیں ماننا چاہئے۔وہ غیروں سے یا غیر مسلموں سے نفرت کا پرچار نہیں کرتے تھے۔
ان کا کہنا یہ تھا کہ مہدی موعودؑ کی آمد کے بعد قیامت بہت نزدیک ہے۔ ہر وقت اس کا
انتظار کرنا چاہئے۔دنیا بہت ناپائیدار ہے اس لئے اُس سے دل لگانے کے بجائے اسے
ترک کر دینا چاہئے۔شرعی احکامات کی سختی سے پابندی کرنی چاہئے خلاف شرع کام کو
زبردستی روک دینا چاہئے۔'' (سہ روزہ ''دعوت'' مورخہ ۲۲/ڈسمبر ۱۹۶۷ء)

مختصر یہ کہ ہمیں غیر مسلموں یا غیر مہدویوں سے نفرت اور ٹکراؤ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ اور خلیفۃ اللہ امامنا سید محمد مہدی موعود علیہ السلام کی حیات طیبہ کا مطالعہ کریں تو پتہ چلے گا کہ ان پر کیسے کیسے ظلم ڈھائے گئے' کیسے کیسے کج فہم لوگوں نے سوال جواب کئے۔لیکن کبھی انہوں نے ٹکراؤ کا ماحول پیدا ہونے نہیں دیا اور ہمیشہ صبر وتحمل سے کام لیا۔دعوت کو منوانے کے لئے کبھی جبر وتشدد سے کام نہیں لیا۔کیونکہ ہدایت اللہ کی مرضی پر منحصر ہے۔صرف پیام پہنچانا ان کی ذمہ داری تھی اور ہماری ذمہ داری بھی یہیں تک محدود ہے۔خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فانما علیک البلاغ وعلینا الحساب (تمہاری ذمہ داری پیام پہنچانا ہے اور حساب کتاب لینا ہماری ذمہ داری ہے)

میں اپنے مقالہ کو اختتامی منزل کی طرف لے جاتے ہوئے کچھ تجاویز بغرض غور وخوض پیش کرنا چاہوں گا۔

(۱) دینی تعلیم کا انتظام اور جامعہ کا قیام وانصرام

(۲) لٹریچر کی تیاری' ترجمہ اور عصری ذرائع ابلاغ کا استعمال۔سیرت وتعلیمات امامنا کو پیش کرنے پر خصوصی توجہ۔

(۳) اضلاع پر خصوصی توجہ اور انحراف کا تدارک

(۴) نظام دائرہ کے احیاء وتعارف کے لئے تربیتی کیمپ جس میں تعلیمات مہدویہ کی تفہیم کے ساتھ ساتھ حدود دائرہ کی عملی تربیت کا اہتمام

(۵) کتب کی اشاعت کے لئے ایک مستقل فنڈ یا ٹرسٹ کا قیام

(۶) دعوت وتبلیغ کی حکمت عملی کو قطعیت دینے اور لائحہ عمل تیار کرنے کے لئے ایک ورک شام کا انعقاد۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں فکر صحیح عطا فرمائے۔ہمیں نفس وانا کی غلامی سے بچائے اور ہمارے ہر کام میں رفتار وگفتار میں للّٰہیت کی توفیق عطا فرمائے۔آمین یارب العالمین

☆☆☆☆☆☆☆

تعلیمات امامؑنا اور اُمّت مسلمہ کی شیرازہ بندی

مرکزی انجمن مہدویہ حیدرآباد کے زیر اہتمام ستمبر ۱۹۹۶ء میں منعقدہ
جشن میلاد امامؑنا کے موقع پر علمی مباحث میں پیش کردہ مقالہ پر تبصرہ کی تلخیص

تاریخ شاہد ہے کہ امت مسلمہ میں اختلافات کا آغاز نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد ہو چکا تھا۔ خلافت راشدہ، شہادت عمرؓ شہادت عثمان غنیؓ شہادت علی کرم اللہ وجہہ، خلافت معاویہ، معرکہ کربلا وغیرہ کئی واقعات پیش آئے جن سے امت مسلمہ مختلف فرقوں میں بٹتی چلی گئی۔ قرآن حکیم کی تاویل تفسیر، جمع احادیث اور فقہاء کا دور شروع ہوا تو مختلف نکات نظر نے جنم لیا۔ اختلافات میں شدت بڑھتی گئی۔ اس طرح ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھرتا گیا۔ دور نبوی کے بعد سے ظہور مہدی تک آٹھ سو سالہ درمیانی عرصہ میں فروعات نے اصول پر غلبہ پایا اور امت مسلمہ جو بظاہر صرف ۷۲ فرقوں میں منقسم ہے۔ دراصل کئی ذیلی فرقوں میں بھی منقسم ہے جس کا ایک اہم سبب اختلاف رائے تھا۔ اور یہ اختلاف رائے عمداً بھی تھا اور سہواً بھی کیونکہ سیاسی اور مادی مفادات پیش نظر تھے۔ اپنے اپنے مفادات کے تحفظ و ترویج کے لئے احادیث وضع کی گئیں۔ اور بعض مفسرین نے تفسیر بالرائے کے لئے اپنی علمی قابلیت کا استعمال کیا۔ ایک طرف درباری علماء نے شاہانِ وقت کی خوشنودی کے لئے اسلام کی شکل بگاڑ دی تو دوسری طرف ان حرکتوں کو ناپسند کرنے والے طالبانِ خدا نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ یعنی علماء اور عارفین کے درمیان فرق واضح طور پر نظر آنے لگا تھا۔

ایک طرف تو قرآن وسنت سے منہ موڑنے والوں میں رسم وعادت وبدعت کا غلبہ تھا تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو ولایت محمدیہ سے فیضیاب ہونے کے قابل بنانے کے لئے ان کی ذہنی آبیاری کر رہا تھا۔ یعنی دور نبوی کے بعد سے ظہور مہدی تک کا درمیانی عرصہ ایک Preparatory period تھا جس میں مومنوں کو اس قابل بنایا جا رہا تھا کہ ولایت محمدیہ کے اسرار کو سمجھ سکیں اور جب ثم ان علینا بیانہ کی تکمیل کا وقت آئے تو وہ رموز قرآنیہ اور اسرارِ الٰہیہ کو سمجھنے کے قابل بن سکیں۔

حضرات! یہاں تک تو امت مسلمہ کا شیرازہ بکھرنے کی چند وجوہات پیش کی گئی ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ تعلیمات امامنا حضرت سید محمد مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کس طرح شیرازہ بندی میں مدد ومعاون ثابت ہو سکتی ہیں۔

شیرازہ بندی کے لئے تعلیمات امامؑنا کی اہمیت وافادیت پر لب کشائی سے قبل یہ چیز ذہن عالی میں رہے کہ تمام مفسرین، محدثین اور فقہاء غیر معصوم تھے، ان سے خطا وصواب دونوں کا امکان تھا لیکن امامؑنا کی ذات اقدس معصوم عن الخطاء ہے، مامور من اللہ، خلیفۃ اللہ ہے۔ لہٰذا آپ کی ہر بات پر ایمان لانا فرض ہے۔ امت مسلمہ میں جاری وساری اختلافی مسائل کے تعلق سے آپ کے اقوال

ان اختلافات کا حتمی فیصلہ ہیں۔ اگر امت مسلمہ فرامین مہدی کی خصوصیت واہمیت کو سمجھ کر تسلیم کر لیتی ہے تو یقیناً اختلافات کا خاتمہ ہوسکتا ہے اور اس کی شیرازہ بندی ہوسکتی ہے۔

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ ذات مہدی اور فرامین مہدی کو سب نے تسلیم کیوں نہیں کیا۔ اس کا جواب خود امامؑ نے یوں دیا کہ جو مومن ہیں وہ ایمان لا چکے ہیں اس کے علاوہ بعثت مہدی سے قبل حضرت الشیخ محی الدین ابن عربیؒ نے پیشین گوئی کر دی تھی کہ جب مہدی کا ظہور ہوگا تو علماء اور فقہاء ان کی مخالفت کریں گے۔ کیونکہ ان کی ریاست باقی نہیں رہے گی۔ اس کو عام الفاظ میں اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ ان علماء کی دوکانداری باقی نہیں رہے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تاریخ شاہد ہے کہ درباری علماء ہی آپ کی مخالفت میں پیش پیش رہے۔ نتیجہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ساری دنیا میں مسلمان ذلیل وخوار ہو رہے ہیں۔ سیاسی، سماجی، مالی، مادی، اخلاقی ہر اعتبار سے مسلمان پسماندہ ہیں۔ کیونکہ انہوں نے قرآن حکیم اور رسول کریم ﷺ دونوں کو بھلا کر فلسفۂ یونان میں یا مارکس ولینن کی تعلیمات میں اپنے مسائل کا حل ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ انہوں نے خدا کو اپنا حافظ وناصر سمجھنے کے بجائے امریکہ اور روس کو اپنا محافظ بنالیا۔ نتیجہ آپ دیکھ رہے ہیں سارا عالم اسلام انتشار کا شکار ہے۔ حالانکہ قرآن حکیم کہہ رہا ہے **واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا** اور امامؑ نے ارشاد فرمایا کہ ''**در اتفاق نصرت دین است**''

اگر امت مسلمہ کو مفاد دنیاوی کے بجائے نصرت دین عزیز ہو جائے تو یقیناً شیرازہ بندی ہوسکتی ہے۔ امامؑ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ آپ ہر سوال کا جواب قرآن سے دیا کرتے تھے۔ اپنی دعوت کی خصوصیت آپ نے اس طرح بیان فرمائی کہ ''میں نے کتاب اللہ کو پیش کیا ہے اور خلق کو توحید وعبادت کی دعوت دیتا ہوں'' آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ''**مذهب ما كتاب الله واتباع محمد رسول الله** ''یعنی کتاب اللہ کی مکمل اتباع اور اقوال، افعال اور احوال محمد کی اتباع۔ آج کوئی بھی مسلمان صرف مسلمان نہیں ہے بلکہ حنفی، شافعی، مالکی یا حنبلی مسلمان ہے۔ امامؑ نے اُن سب کو کلمہ طیبہ کی بنیاد پر ایک ہونے کی دعوت دی۔ آپ نے فرمایا کہ توریت، زبور، انجیل اور فرقان کی مراد **لا اله الا الله** ہے۔

فقہی اختلافات کا حل یہ بتلایا کہ جو عمل عالیت پر ہو اس کو اختیار کرو۔ ظاہر ہے کہ ائمہ اربعہ معصوم عن الخطا نہیں تھے۔ ان سے بھی خطاء وصواب ممکن تھا۔ لہٰذا جو چیز قرآن کے مطابق ہو اس کو اختیار کرنے کی ہدایت دی۔ خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ **فان تنازعتم فی شئی فردوه الی الله ای کتاب الله** یعنی اگر تم جھگڑ پڑو کسی امر دین میں تو اس کو رجوع کرو اللہ کی طرف یعنی اللہ کی کتاب کی طرف۔

امت مسلمہ میں اختلاف کی ایک وجہ آیات قرآنی کی تنسیخ بھی ہے۔ امامؑ نے صاف وصریح الفاظ میں فرمایا کہ قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے لہٰذا خلیفۃ اللہ کا ارشاد تمام علماء ومفسرین کے قیاس کے مقابلہ میں قابل قبول اور قطعی ہے۔

مفسرین ومحدثین کی وجہ سے پیدا شدہ الجھن کا حل آپ کا یہ فرمان ہے کہ جو تفسیر اور حدیث بندہ کے قول وفعل کے مطابق ہے وہی صحیح ہے۔ یاد رہے کہ آپؐ معصوم عن الخطاء، مامور من اللہ ہیں اور محمد رسول اللہ صلعم کے تابع تام ہیں۔ موضوع احادیث اور تفاسیر بالرائے امت مسلمہ میں اختلافات کا ایک اہم سبب ہیں۔ امامنّا کے فرامین اور حیاۃ طبیہ سے مطابقت کے ذریعہ ان کی جانچ ممکن ہے۔ اور اختلافات کا خاتمہ بھی ممکن ہے۔

یقیناً فرائض شریعت کے ساتھ ساتھ فرائض ولایت امت مسلمہ کی یا مسلم سماج کی شیرازہ بندی میں اہم رول ادا کر سکتے ہیں۔ مثلاً ترک دنیا کو لیجئے ترک دنیا سنیاس یا رہبانیت نہیں ہے یا صرف ترک کسب نہیں ہے بلکہ ترک دنیا، ترک نفس، ترک ہستی وخودی، ترک عزت، ترک شہوت، ترک لذت، ترک دولت ہے۔ غور کیجئے کیا ہماری زندگی میں ان چیزوں کی طلب وجہ فساد نہیں ہے؟ کیا شاہان وقت نے طلب دنیا اور تسکین نفس کے لئے بے شمار بندگانِ خدا کا خون نہیں بہایا؟ کیا دور حاضر کے بادشاہ نصرت دین کے بجائے تخت شاہی کے تحفظ کے لئے ملت اسلامیہ کی ناموس ومفادات کا سودا نہیں کر رہے ہیں؟ کیا یہ طلب دنیا نہیں ہے؟

اگر دنیا کی حقیقت اور ترک دنیا کی افادیت سمجھ میں آجائے تو امت مسلمہ بہت سارے فتنوں سے محفوظ رہ سکتی ہے۔ ترک دنیا دراصل ترک حُبِّ دنیا اور اپنے نفس کے ساتھ مسلسل جہاد کا نام ہے۔

اسی طرح ذکر خدا سے غفلت کے نتیجہ میں بندوں کا ذکر ہماری زبان پر جاری ہے۔ یعنی مخالفانہ تذکرے جو وجہ فساد بھی ہیں اور وجہ انتشار بھی۔ اپنے حال وماحول کے سرسری جائزہ سے اس کی تصدیق ہوسکتی ہے۔ اگر بندہ ذکر خدا کو اپنا لے تو باہمی انتشار پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ جس سے ایک صالح معاشرہ تشکیل پاسکتا ہے۔ اور معاشرہ امت کی اکائی ہے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ امت افراد پر مشتمل ہے اور افراد اگر پیام محمدی اور پیام مہدی کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں تو امت مسلمہ کی شیرازہ بندی ممکن ہے

مجھے اپنے بزرگوں کے خیالات بھی سننا ہے اس لئے تنگی وقت کی وجہ سے دیگر فرائض ولایت پر اظہار خیال ممکن نہیں۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ فرائض یا تعلیمات امامنا یقیناً امت کی شیرازہ بندی میں مدد ومعاون ثابت ہوسکتی ہیں۔

یاد رہے مہدی علیہ السلام دافع ہلاکتِ امت محمدیہ ہیں۔ کتاب اللہ اور محمد رسول اللہ کی اتباع میں ہی نہ صرف امت مسلمہ بلکہ ساری انسانیت کی نجات ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

شادی۔رحمت یا زحمت!

اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ نے تمام انسانوں کی رہنمائی کے لئے' ایک مکمل نظام حیات اسلام کو پیش کیا ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔اس خدائی نظام سے روگردانی کا نتیجہ معاشرہ میں بگاڑ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔چنانچہ ایک صالح معاشرہ کی تشکیل کے لئے نکاح کا حکم دیا گیا ہے جو نہ صرف معاملات بلکہ عبادات کا بھی ایک جزء ہے۔نکاح سنتِ مؤکدہ ہے اور گناہوں کے خلاف جہاد کے مساوی بھی ہے۔اور زوجین کے درمیان نیک اور پاکباز زندگی گذارنے کا ایک معاہدہ بھی ہے۔نکاح پاکیزہ اور بلند مقاصد کے لئے مشروع ہوا ہے۔نکاح عزّت وعفت کا محافظ ہے' معاشرتی نظام کا اہم ستون ہے اور نسلِ انسانی کی بقاء وافزائش کا ذریعہ ہے۔استمرار حیات کے لئے اللہ تعالیٰ نے نہ صرف انسانوں بلکہ حیوانات ونباتات میں بھی زوجین کی تخلیق فرمائی اور تزاوج وتوالد کا سلسلہ جاری رکھا۔جیسا کہ ارشاد باریٔ تعالیٰ ہے۔**ومن کل شئی خلقنا زوجین لعلکم تذکرون**

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اوران میں امت محمدیہ کو ''خیرامت'' کا درجہ دیا ہے۔**اوراطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول** کا حکم بھی دیا ہے۔لیکن اس اطاعت سے روگردانی کی وجہ سے ہم ذلیل وخوار ہورہے ہیں اور کئی سماجی' سیاسی' مذہبی ومعاشرتی مسائل میں الجھے ہوئے ہیں۔صالح معاشرہ کی تشکیل کے لئے اسلام نے جو راہ دکھائی ہے اس راہ سے بھٹک کر ہم نے غیر مسلموں کے رسم ورواج کو اپنے لئے پسند کرلیا ہے اور نکاح کے آسان ترین اسلامی نظام کو چھوڑ کر اغیار کی تقلید میں ہم نے نکاح کو زندگی کا مشکل ترین مرحلہ بنالیا ہے۔

نکاح کا پہلا مرحلہ زوجہ کا انتخاب ہوتا ہے۔بقول رسول مقبول ﷺ نکاح کے لئے زوجہ کے انتخاب میں چار چیزوں کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔دولت' حسب ونسب' حسن وجمال اور دینداری۔ان میں حضور ﷺ نے دیندار اور صالح عورت کے انتخاب کو قابل ترجیح قرار دیا ہے۔**الدنیا کل متاع وخیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ** لیکن اس کے برعکس آج کل دولت' حسب ونسب' اور خوبصورتی کو ترجیح دی جارہی ہے۔دیندار اور متقی مرد وعورت کو دقیانوسی اور قدامت پسند قرار دے کر بے دین یا آزاد خیال کو ترقی پسند اور ماڈرن تصور کر کے نکاح کے لئے منتخب کیا جارہا ہے۔حتیٰ کہ حسن یا دولت یا سماج میں مرتبہ یا کسی دنیاوی مفاد کے لئے غیر مسلم بھی قابل قبول ہے۔خلاف سنت اس عمل کا نتیجہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ایمان وعقائد میں ضعف پیدا ہورہا ہے۔

نکاح سے متعلق قابل غور دوسری چیز جہیز (Dowry) ہے جو دراصل ضروریات نکاح یا شرائط نکاح میں شامل نہیں ہے۔لیکن آج لڑکے والے زیادہ سے زیادہ جہیز مانگنے سے نہیں شرماتے اور لڑکی کے والدین لڑکی سن بلوغ کو پہنچنے سے پہلے ہی جہیز جمع کرنے میں لگ جاتے ہیں۔خصوصاً غریب اور اوسط طبقہ کے لوگ متوقع داماد کی مفروضہ خواہشات کی تکمیل کے لئے کئی برس پہلے سے ہی تیاری شروع کردیتے ہیں۔اوراس عمل کے دوران مجبوراً لڑکی کو زیور علم سے محروم کردیتے ہیں۔یعنی بہرصورت لڑکی کے ہاتھ پیلے

کرنا ان کی زندگی کا واحد مقصد بن جاتا ہے۔ اورفکر و پریشانی کی وجہ سے ان کے چہرے زرد پڑ جاتے ہیں۔ جہیز کے ساتھ ساتھ گھوڑے جوڑے کی رقم بھی لوازمات نکاح میں شامل ہوگئی ہے۔ ہزاروں لاکھوں روپے نقد اور کم از کم ایک موٹر سیکل کے بغیر نکاح کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

عہد رسالت میں یہ مثال ملتی ہے کہ نبی کریمؐ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو چند چیزیں مثلاً ایک چارپائی' ایک چادر ' دو چکیاں اور ایک مشکیزہ مرحمت فرمائی تھیں کیونکہ حضرت علیؓ کا مدینہ منورہ میں کوئی گھر نہیں تھا اور وہ صاحب مال بھی نہیں تھے۔ اس لئے نیا گھر بسانے کے لئے یہ چیزیں دی گئی تھیں۔ لیکن حضور ﷺ نے اپنی دوسری صاحبزادی کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کیا تو ان کو کوئی چیز عطا نہیں فرمائی کیونکہ حضرت عثمانؓ صاحب مال تھے۔ اس واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شادی کے وقت لڑکی کو حسب ضرورت وحسب سہولت کچھ چیزیں دی جاسکتی ہیں لیکن اس کو ایک رسم بنالینا یا ضروریات نکاح میں شامل سمجھنا اور سامانِ عیش وعشرت کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے۔ یہ دراصل غیر مسلم معاشرہ کے رسم ورواج کی تقلید ہے۔ اس سماجی لعنت کے خاتمہ کے لئے اہل دانش' مذہبی رہنما اور خود عوام کو آگے آنا چاہئے۔ ورنہ مسلم معاشرہ میں بھی ''مزید جہیز'' کے لئے دلہنوں کو جلا کر مار ڈالنے کے واقعات میں اضافہ ہوسکتا ہے۔

دولہے کے سر پر سہرا باندھنا بھی ہندوستانی رسم ورواج کی تقلید ہے اور شان وشوکت کے اظہار کے لئے قرض لے کر باجے کا انتظام کرنا نادانی اور اسراف ہے۔ اسراف اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ بعض لوگوں کا یہ استدلال کہ بعض مقدس ہستیوں کی شادی میں تشہیر کے لئے باجہ کا انتظام تھا' قرض لے کر باجہ بجانے کا جواز نہیں بن سکتا۔ یہ لوازمات یا شرائط نکاح میں شامل نہیں ہے۔ کچھ سال قبل ایک ادارہ کی جانب سے تمام مذہبی رہنماؤں کا ایک اجلاس منعقد کیا گیا تھا۔ جس میں طئے کیا گیا کہ گھوڑا جوڑا' جہیز اور باجہ کی رسومات کو ختم کیا جائے لیکن اس کے کچھ ہی دن بعد بعض رہنما اس فیصلہ کی مخالفت اور بے جا رسومات کی تائید میں کمر بستہ ہوگئے۔ اس سے یہ تاثر پیدا ہونے لگا کہ شائد باجہ وموسیقی کے بغیر نکاح درست نہیں ہوتا۔ تعجب ہے کہ رسم وعادت وبدعت کو مٹانا جن کے فرائض منصبی میں شامل ہے وہی ان کے احیاء وارتقاء کے نہ صرف حامی بن گئے بلکہ عملاً مظاہرہ بھی کر دکھایا حالانکہ اصلاح معاشرہ کی مہم میں مذہبی رہنماؤں کا بہت اہم کردار ہوتا ہے۔

نکاح سے متعلق ایک اہم چیز مہر (Dower) ہے۔ مہر اس نقد رقم یا کسی شئی کو کہتے ہیں جو عقد نکاح کی رو سے شوہر کی جانب سے زوجہ کو واجب الادا ہوتی ہے۔ مہر زوجہ کا حق ہوتا ہے۔ یہ کسی قسم کا معاوضہ نہیں ہے بلکہ زوجہ کی عزت واحترام کی علامت کے طور پر مہر دیا جاتا ہے۔ جس کی ادائی شوہر پر لازم ہوتی ہے۔ مہر دو قسم کا ہوتا ہے مؤجّل اور معجّل۔ مہر مؤجّل تاخیر سے ادا کیا جاسکتا ہے جس کی مدت شوہر کی موت یا طلاق تک ہے۔ بہتر یہ ہے کہ جتنا جلد ہوسکے مہر ادا کردے کیونکہ مہر بھی قرض ہے۔ مہر کی عدم ادائی کی صورت میں شوہر کی موت یا طلاق پر مہر وصول کرنے کے لئے عورت کو دعویٰ کرنے کا حق حاصل ہے۔ مہر معجّل فوراً یا عند الطلب ادا کرنا ضروری

ہے ورنہ عورت کو دعویٰ کرنے کا حق حاصل ہے۔ جس طرح قرض معاف ہوسکتا ہے اسی طرح مہر بھی معاف ہوسکتا ہے لیکن یہ عورت کی مرضی پر منحصر ہے جبراً معاف کروانا درست نہیں ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ مہر قبول کرنے کے بعد کوئی شخص ادا نہ کرے اور ادا کرنے کی نیت بھی نہ رکھے تو قیامت کے روز اس کا شمار زانیوں میں ہوگا۔

تعین مہر میں بھی اعتدال بہتر ہے۔ کہیں مہر بہت کم مقرر کیا جاتا ہے تو کہیں بہت زیادہ۔ حالانکہ مہر کوئی دکھاوا یا رسم نہیں ہے بلکہ اس کی ادائی ضروری ہے۔ بعض وقت مہر طئے نہ ہونے سے عین نکاح کے وقت بڑی بے لطفی پیدا ہوجاتی ہے۔ حتیٰ کہ برات بھی واپس چلی جاتی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دوست کی شادی کے موقع پر قبل از وقت مہر کا تعین نہیں کیا گیا۔ عین نکاح کے وقت بحث چھڑ گئی۔ لڑکی کے والدین کا اصرار تھا مہر گیارہ اوقیہ ہو لیکن لڑکا صرف پانچ ہزار روپئے پر مصر تھا۔ ایک کمرہ میں فریقین الجھے رہے بالآخر نوشہ کے ایک دوست نے مداخلت کی اور لڑکی والوں سے سوال کیا کہ مہر دینے کی نیت سے باندھا جائے یا معاف کرانے کی نیت سے۔ وہ لوگ چونک گئے۔ اس نے کہا کہ اگر دینے کی نیت سے باندھنا ہے تو لڑکے کی استطاعت دیکھ کر طئے کر لیجئے۔ چنانچہ ساری بحث ختم ہوگئی اور سکۂ رائج الوقت میں مہر طئے کر دیا گیا۔

سعودی عرب جیسے متمول ملک میں بھی شادی بیاہ کے مسائل موجود ہیں۔ اور وہاں عموماً مہر معجّل ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے زیادہ تر عورتیں خود آگے بڑھ کر طلاق کا مطالبہ کرتی ہیں۔ دولت و مرتبہ کی خاطر کئی لڑکیاں زیادہ عمر تک بن بیاہی بیٹھی رہتی ہیں۔ اور زیادہ مہر کی وجہ سے لڑکے شادی سے کتراتے ہیں چنانچہ بعض مقامات پر علاقہ کے سربرآوردہ لوگوں نے مل کر کنواری اور مطلقہ یا بیوہ کے مہر کی حد کا تعین کر دیا ہے تاکہ نکاح میں رکاوٹ دور ہوسکے۔ مستحق نوجوانوں کو شادی کے لئے حکومت کی جانب سے امداد بھی فراہم کی جاتی ہے۔

ہمارے پاس عموماً نو، دس یا گیارہ اوقیہ زرِ سرخ خالص مہر باندھنے کا رواج ہے۔ اور عام لوگ اس حقیقت سے ناآشنا ہیں کہ اس کی قیمت کتنی ہوتی ہے۔ عموماً شوہر کی وفات پر روتی بلکتی بیوہ سے کہا جاتا ہے کہ مہر معاف کر دے۔ آندھرا کے ایک ایسے مقام پر جہاں صد فی صد مسلم آبادی ہے اور اکثریت ان پڑھ ہے اور خط غربت سے نیچے زندگی گزارتی ہے، عام لوگوں کے نکاح کے موقع پر ''نو اوقیہ زرِ سرخ خالص بوزن مکہ'' مہر باندھا جاتا ہے جبکہ قاری النکاح کو خود نہیں معلوم کہ ''بوزن مکہ اوقیہ'' کی مقدار کیا ہوتی ہے۔ وجہ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ بزرگوں کی تقلید میں یہ عمل جاری ہے۔ اور اس سے انحراف کی کسی بھی کوشش کی سختی سے مخالفت کی جاتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ پہلی شب ہی دلہن کو بہلا پھسلا کر یا بالجبر مہر معاف کروالیا جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہر دینے کی نیت سے نہیں باندھا جاتا۔ ایسی صورت میں شرعاً نکاح درست ہوگا یا حرام کاری کی ترغیب ہوگی۔ علمائے کرام سے گذارش ہے کہ اس کی وضاحت کریں۔ اسی موضع میں کچھ سال قبل ایک نوجوان نے جراءت کر کے سہرا اور گھوڑا باجہ کے بغیر شادی کی اور مہر سکۂ رائج الوقت میں طئے کر کے ادا کر دیا تو لوگوں نے اتنی شدید مخالفت کی کہ پھر کسی کی ہمت نہ ہوسکی۔ وہاں اکثر لوگ ہمیشہ مقروض رہتے ہیں۔

حتی کہ کفن بھی ادھار لیا جاتا ہے۔رسم ورواج کا یہ عالم ہے کہ لڑکی والے کم ازکم ایک سال تک نوشہ اوراس کے لواحقین کی ناز برداری کرتے کرتے خود فاقہ کشی کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔جہیز' موٹر سیکل' سونا اورنقد رقم کا مطالبہ اتنا بھاری ہوتا ہے کہ کئی خاندان گھر اوراراضی بیچ کراپنے ذریعہ روزگار سے محروم ہوجاتے ہیں۔یہ دراصل ہندورسم ورواج کی تقلید ہے۔ان غریبوں کو بے جارسم ورواج اورحرام کاری سے بچانے اور وہاں کی معیشت کوسدھارنے کے لئے وہاں کے بزرگوں اور مذہبی رہنماؤں کوفوراً قدم اٹھانا چاہئے۔ ورنہ انہیں خدا کے پاس جواب دینا پڑے گا۔

قوم کی مشہور کتاب ''چراغ دین نبوی'' میں ''ہدایہ'' اور ''درالمختار'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایک اوقیہ 9 تولے 8 ماسہ کے مساوی ہوتا ہے۔اور 9 اوقیہ کے 87 تولے 6 ماسے ہوتے ہیں۔رائج الوقت نظام اوزان کے مطابق ایک تولہ 11.665 گرام کے مساوی ہوتا ہے اور 9 تولے 8 ماسے 113.429 گرام کے مساوی ہوتے ہیں اسطرح 9 اوقیہ کا وزن 1020.861 گرام یعنی ایک کیلو اکیس گرام خالص سونا' 10 اوقیہ کا وزن 1134.29 اور 11 اوقیہ کا وزن 1247.719 گرام ہوتا ہے۔موجودہ قیمت کے حساب سے کیا غریب ومتوسط طبقے کے لوگوں کے لئے اس کی ادائی ممکن ہے؟

اوقیہ عربی لفظ ہے جس کو انگریزی میں اونس Ounce کہتے ہیں۔اوقیہ کا وزن ہر ملک میں مختلف ہے۔''المنجد'' میں لکھا ہے کہ اوقیہ چھٹانک کے چوتھائی حصہ کے برابر ہوتا ہے۔برطانیہ میں 37.44 گرام' بیت المقدس میں 240 گرام' بیروت (لبنان) میں 213.3 گرام۔بین الاقوامی طور پر رائج موجودہ میٹرک نظام اوزان کے مطابق ایک اونس 28.35 گرام کا ہوتا ہے۔اورایک ٹرائے اونس 31.1 گرام ہوتا ہے۔فی الحال سعودی عرب میں جہاں کہ مکہ مکرمہ واقع ہے خالص سونا بحساب اوقیہ یا اونس فروخت کیا جاتا ہے۔اورمذکورہ بالا دونوں اوزان یعنی 28.35 گرام اور 31.1 گرام رائج ہیں۔اب سوال یہ ہے کہ سال 2003ء میں منعقدہ عقد نکاح میں جومہر ''اوقیہ بوزن مکہ'' متعین کیا گیا ہے اس کی مقدار کیا ہوگی؟ عاقد اگر مہر ادا کرنا چاہے تو کیا بحساب 31.1 گرام فی اوقیہ ادا کرے یا صدیوں قبل طئے شدہ مقدار 113.429 گرام فی اوقیہ ادا کرے؟ نزاع پیدا ہوجائے تو فیصلہ کرتے وقت مکہ کا کونسا وزن ملحوظ رکھنا ہوگا؟

شریعت میں مہر کی اقل ترین یا اعظم ترین حد مقرر نہیں ہے بلکہ حسب استطاعت مہر کا تعین جائز ہے۔قلۃ وکثرۃ مہر کے قطع نظر اگر عاقد وعاقدہ راضی ہوں تو ایک لوہے کی انگوٹھی یا صرف کتاب اللہ کی تعلیم بھی کافی ہے۔فقہ حنفی میں مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے جو ہندوستانی اوزان کے مطابق تقریباً 21 گرام چاندی کے مساوی ہے۔

الغرض اس تحریر کا مقصد یہ ہے کہ غیر مسلم معاشرہ کے زیر اثر نکاح سے متعلق جو رسم ورواج یا غلط تصورات پیدا ہوگئے ہیں ان کی اصلاح ہوسکے اور مہر کے معاملہ میں اعتدال پسندی کی فضاء ہموار ہوسکے۔جو لوگ لڑکی والوں سے لاکھوں روپئے مالیتی جہیز' زیور' نقد رقم اور جائیداد کا مطالبہ کرتے ہیں ان کے لئے اسی مناسبت سے مہر کا تعین بھی کیا جاسکتا ہے لیکن عام حالات میں اعتدال پسندی

ضروری ہے ۔ یہ استدلال غلط ہے کہ مہر کم ہوتو طلاق کا امکان زیادہ ہوتا ہے ۔ نکاح کے بعد ازدواجی زندگی صبر وشکر، الفت ومحبت اور باہمی اعتماد پر قائم رہتی ہے ۔ اگر رشتے میں نا قابل اصلاح دراڑ پڑ جائے اور مہر کی زیادتی یا کسی اور وجہ سے طلاق بھی ممکن نہ ہوتو زوجین ایک دوسرے کو معلق چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرلیں گے یا چھٹکارا پانے کی راہیں تلاش کریں گے ۔ طلاق حلال چیزوں میں خدا کے پاس سب سے زیادہ ناپسندیدہ عمل ہے ۔ الفت ومحبت اور عزت کے ساتھ نباہ نہ ہوتو باعزت علیحدگی کی گنجائش ہونی چاہئے ۔

آخر میں ایک امر کی جانب توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں کہ سکۂ رائج الوقت میں جو مہر باندھا جارہا ہے کچھ سال بعد اس سکہ کی قدر گھٹ جاتی ہے ۔ یعنی بیس سال قبل مہر اگر پچاس ہزار روپئے طئے کیا گیا تھا تو آج اس کی قدر صرف پچیس ہزار کے مساوی ہے ۔ البتہ سونے کی قدر میں کوئی خاص گراوٹ نہیں ہوتی اس لئے بہتر یہ ہوگا کہ مہر کے تعین کے لئے سونا ہی اختیار کیا جائے لیکن اس کا تعین اوقیہ کے بجائے ''تولہ'' یا ''گرام'' میں کیا جائے تو مقدار میں اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہے گی اور عاقدین کو بھی سمجھنے میں آسانی ہوگی ۔ مذہبی رہنماؤں اور بزرگانِ ملّت سے گذارش ہے کہ اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کریں اور عوام کی رہنمائی فرمائیں تاکہ نکاح میں آسانی ہو ۔ ارزاں اور آسان نکاح باعث برکت ہوتا ہے ۔ سب سے بابرکت شادی وہ ہے جس کا بار کمتر ہو (بیہقی) قرآن واحادیث میں اس طرح رہنمائی کی گئی ہے ۔

☆ اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری ہی قسم سے تمہارے لئے جوڑے بنائے تاکہ ان سے تمہیں قرار حاصل ہو اور تمہارے درمیان مہر ومحبت پیدا کردی ہے (سورۂ روم ۔ ۳)

☆ اور ان (محرمات) کے سوا تمہارے لئے حلال کی گئیں اس طرح کہ تم اپنے مالوں کے ذریعہ قید نکاح میں لاتے ، شہوت رانی سے بچتے ہوئے طلب کرو ۔ پھر ان میں سے تم جنہیں نکاح میں لانا چاہو ان کے مقررہ مہر انہیں ادا کرو (النساء ۲۴)

☆ مرد عورتوں پر افسر ہیں اس وجہ سے کہ اللہ نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ۔ (النساء ۔ ۳۴)

☆ دل شکر گذار زبان ذکر سے سرشار بناؤ اور ایسی زوجۂ مومنہ اختیار کرو جو تمہارے لئے کار آخرت میں مددگار ہو (ابن ماجہ)

☆ عورتوں سے شادی کی بنیاد محض ان کے حسن کو نہ بناؤ ، ان کا حُسن انہیں تباہی میں ڈال سکتا ہے اور ان کی دولت وثروت کو بھی شادی کی بنیاد نہ بناؤ ہوسکتا ہے ان کی دولت انہیں سرکشی میں مبتلا کردے ۔ لیکن دین کی بنیاد پر تم شادی کرو ، کالی کلوٹی ، دیندار کنیز زیادہ اچھی ہے (ابن ماجہ)

☆ تقویٰ کے بعد مرد مومن کو حاصل ہونے والی سب سے بہتر نعمت صالح بیوی ہے جسے مرد حکم دے تو اس کی فرمانبرداری کرے ۔ عورت کو دیکھے تو خوش ہوجائے ۔ اس پر قسم کھالے تو پوری کردے ۔ اس سے غائب ہوتو وہ اپنے نفس اور شوہر کے مال میں خیر خواہ ثابت ہو ۔ (ابن ماجہ)

(مطبوعہ ماہنامہ ''فضیلت'' بابتہ مارچ ۲۰۰۳ء)

تراجم

ڈاکٹر قمرالدین دہلی۔انگریزی سے ترجمہ:

کالپی اور جائس میں مہدویہ اثرات

بھکتی تحریک کے بانیوں اور ہندو مسلم اتحاد کے علمبرداروں میں سے اودھ کے صوفی منش شاعر ملک محمد جائسی انفرادیت کے حامل تھے۔اور غالباً وہ اپنے عصر کے واحد ہندی شاعر تھے جو مہدوی تحریک سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔اپنی نظموں میں انہوں نے حضرت سید محمد جونپوری' ملک الہداد اور شیخ برہان کالپی کی مدح سرائی کی ہے۔اور جابجا ان کا ذکر کیا ہے۔لیکن جائسی اور شیخ برہان کے مذہبی عقائد شائد محققین کی توجہ کا مرکز نہ بن سکے۔ یہاں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ دستیاب شدہ ہم عصر وجدید لٹریچر تاریخ وتذکروں کی روشنی میں دو اہم شخصیتوں کے حقیقی مذہبی عقائد پر روشنی ڈالی جائے۔

حضرت سید محمد نے ۱۴۸۲ء میں جونپور سے ہجرت کرنے کے بعد کچھ عرصہ کالپی میں قیام کیا اور چند لوگوں کو اپنا مقلد بنالیا۔ حضرت مہدیؑ کے سنِ وفات ۱۵۰۵ء کے بعد مہدوی بزرگوں کی سرگرمیوں کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔کہا جاتا ہے کہ حضرت مہدیؑ کی وفات کے بعد ان کے ایک خلیفہ میاں الہداد باڑیوال نے اس عقیدہ کی تبلیغ کی اور اپنے وقت کی ایک اہم مذہبی شخصیت کو اپنا معتقد بنالیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ برہان الدین انصاری ابن تاج الدین انصاری جو ایک ممتاز زاہد وخدا ترس بزرگ تھے انہوں نے میاں الہداد باڑیوال سے متاثر ہوکر یہ عقیدہ قبول کرلیا۔ملا عبدالقادر بدایونی کے مطابق میاں الہداد نے صرف تین دن کی تبلیغ کے بعد شیخ برہان کو اپنا معتقد بنالیا۔وہ کہتے ہیں۔

" شیخ برهان اهل زهد وتوکل وتقویٰ وسلطان ارباب عزلت وتجرید و استغنااست۔ می گویند که سه روز صحبت میاں الهداد باڑی وال که بیک واسطه بمیر سیدمحمد جونپوری مشهور قدس الله روحه می رسد داشته ایں فیض حاصل کرده وبدرجه کمال رسیده مرتاض و باحضور بود' در کالپی حجره داشت' بسیار تنگ وتاریک پیوسته در آں بذکر وفکر ومراقبه اشتغال داشته اوقات به پاس انفاس بطریق مهدویه می گزرانید و آنکم علوم عربیه هیچ نه خوانده بود تفسیر قرآن بوجه بلیغ می گفت وصاحب کشف قلوب بود" (بدایونی جلد۳صفحہ۸۰۶'غوثی شطاری مصنف گلزار ابرار مخطوطہ رامپور صفحہ۱۹۵' شیخ عبدالحق محدث مصنف اخبارالاخیار مطبوعہ دہلی ۱۳۳۲ھ صفحہ ۲۸۳)

اس عبارت میں شیخ برہان کو ایک اعلیٰ درجہ کی ممتاز مذہبی شخصیت بتلایا گیا ہے جنہوں نے مہدوی عقائد قبول کرنے کے بعد ایک خستہ حجرہ میں قیام کیا۔ جہاں ہمیشہ عالم محویت میں بیٹھے ہوئے ذکر خدا میں مصروف رہتے تھے۔ انہوں نے طریق مہدویہ کے مطابق پاس انفاس وسانس کی حفاظت جس کے نتیجہ میں آدمی خود پر مکمل قابو پیدا کر لیتا ہے' کا طریقہ اختیار کیا۔ گو کہ انہوں نے کبھی عربی ادب اور متعلقہ علوم کی تعلیم حاصل نہیں کی پھر بھی بڑی روانی سے درس قرآن (بیان) دیا کرتے تھے۔ ملا بدایونی نے شیخ برہان سے اپنی شخصی ملاقات کا ایک تجربہ بیان کیا ہے جبکہ وہ ۹۶۷ھ م ۶۰-۱۵۵۹ء میں چنار سے لوٹ رہے تھے۔ شیخ کے حضور میں جب وہ پہنچے تو انہوں نے اہم ترین (**سخنان بلند فرمود**) موضوع پر اظہار خیال کیا اور اپنی چند ہندی نظمیں پڑھیں۔ جو پند ونصائح' اسرار روحانی' طلب خدا' عزلت' نفس کشی اور تصوف سے متعلق تھیں۔ وہ ایک ہندی شاعر تھے اور اکثر اعلیٰ معیاری ابیات سنایا کرتے تھے۔'' گلزار ابرار'' کے مصنف غوثی شطاری کہتے ہیں کہ'' ان کی تقریر و بیان دلپذیر اور جذبات انگیز تھیں۔ وہ اکثر ہندی ابیات پڑھا کرتے تھے۔ ان کا مرتبہ'' فراق نامہ'' دلسوز و دلپذیر جذباتی خیالات سے پُر ہے۔ (گلزار ابرار صفحہ ۱۹۵)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی اس کی تصدیق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ'' ان کے ہندی ابیات (دوہے) بہت مشہور' مسرور کن اور روح پرور ہیں'' **وبغایت مشغول مرتاض بود گویند کہ وے تصرف عالی و کشف جلی و دھر ھائے ھندی ازوے در خلائق مشھور است بعضے گویند کہ وے اعتقاد مھدویہ داشت** ۔ (اخبار الاخیار صفحہ ۲۸۳) ملا بدایونی ایک قصہ منسوب کرتے ہیں جو خود ایک ثبوت ہے اور جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مہدوی علماء سے ملنے والا ہر شخص اُن سے بہت ہی متاثر ہو جاتا تھا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح اصحاب تفاخر و گھمنڈ بھی ان کی بے اعتنائی کے آگے سر تسلیم خم کر دیتے تھے۔ مہر علی سلد وز جو ایک جھگڑالو آدمی تھا۔ اس نے شیخ برہان کی محفل میں جانے سے قبل اپنے ملازمین کو کئی بار بُری طرح مارا پیٹا اور گالی گلوج کی تھی۔ لیکن جب وہ اور ملا بدایونی ان کے پاس حاضر ہوئے تو شیخ صاحب کے ابتدائی الفاظ یہی تھے کہ پیغمبر نے فرمایا۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده (یعنی حقیقی مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں)

شیخ صاحب کے الفاظ نے مہر علی کے دل و دماغ پر اتنا گہرا اثر کیا کہ اس نے فوراً اظہار افسوس کیا اور شیخ صاحب سے خواہش کی کہ اس کی طرف سے (سورۂ) فاتحہ پڑھیں اور کچھ چیز تحفتاً پیش کی جس کو قبول نہیں کیا گیا۔ شیخ صاحب کا انتقال تقریباً سو سال کی عمر میں ۹۷۰ھ م ۶۳-۱۵۶۲ء میں ہوا اور ان کے حجرہ میں ہی دفن کیا گیا۔ ملا بدایونی نے مادۂ تاریخ'' **دل گفت کہ شیخ اولیا بود** '' نکالا۔ جس سے ان کا سنِ وفات نکلتا ہے۔ (بدایونی ۳۰ صفحہ ۷)

حضرت شیخ برہان جیسے ممتاز مہدوی بزرگ کی موجودگی کی وجہ سے یقیناً بہت سارے لوگوں نے اس عقیدہ کو قبول کیا۔ ہمیں

کالپی میں مہدوی دائروں کی کوئی تفصیلات نہیں ملتیں۔لیکن غیر مہدوی ماخذ میں حضرت شیخ برہان کو ہندی کے ایک مشہور ومعروف شاعر کی حیثیت سے پیش کیا گیا جن کے ابیات حق وصداقت اور ہدایت سے پُر ہیں اور جذباتی اور محبان انسانیت کے لئے خوش کن یا مسرت انگیز ہیں۔(اخبارالاصفیاء محفوظ پٹنہ)

اسی عہد کے ہندی کے ممتاز شاعر اور سولہویں صدی عیسوی کی مشہور مثنوی ''پدماوت'' کے مصنف ملک محمد جائسی حضرت شیخ برہان الدین کے معتقدین میں خاص مقام کے حامل تھے۔انہوں نے اپنی دو تصانیف پدماوت اور اکھراوٹ میں بار بار ذکر کیا ہے کہ وہ کالپی کے شیخ برہان کے معتقد تھے جو حضرت مہدیؑ کے مصدق تھے اور جنہوں نے علم کی روشنی دی تھی۔انہوں نے اپنے اشعار میں اپنی بیعت کے سلسلے بتلائے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء
حضرت شیخ سراج الدین
حضرت شیخ علاء الحق

شیخ نور قطب عالم	سید اشرف جہانگیر
شیخ حسام الدین	شاہ عبدالرزاق نورالعین
سید راجے احمد شاہ	شاہ سید احمد
شیخ دانیال	شاہ عبدالرزاق
سید محمد	شاہ سید حاجی قتال
شیخ الہٰداد	شاہ جلال اول
شیخ برہان کالپی	شاہ سید کمال
شیخ محی الدین	شاہ مبارک بودلہ
ملک محمد جائسی	ملک محمد جائسی

اشعار میں حضرت شیخ برہان کو شیخ الہداد کا خلیفہ بتلایا گیا ہے۔جو خود حضرت مہدیؑ کے خلیفہ تھے۔ان کے ہندی ابیات جن میں سلسلہ بیعت بتلایا گیا ہے۔حسب ذیل ہیں۔

پاپئے او گرد مہدی میٹھا | ملا پنتھ تو درسن سیٹھا
نادن پیار سیخ برہانو | نگر کالپی ہست گرد تھانو
اور تینھ درس گو سائی پاوا | الہداد گرو پنتھ لکھاوا
الہ داد گرو سدھنو ملا | سید محمد کے وے چیلا
سید محمد دین ہی سانچا | گرو مہدی کھیوگ میں سیوا
چلے اتا ہل جے ہی کرکھوا | اگوا بھیو سیخ برہانو
پنتھ لائی محی دینھ گیا تو | الہ داد مل یتھی کرگرو
دن دونی روس سرخرو | سید محمد کے دے چیلا
سدھ ہرش سنگم جے ہی کھیلا | (جائسی گرنتھاولی از رامچند رشکلا)

(تفصیل کے لئے مصنف کا مضمون ''ملک محمد جائسی اپنے عقائد کی روشنی میں'' مطبوعہ ماہنامہ شاعر اگسٹ ۱۹۷۳ء بمبئی ملاحظہ فرمایئے۔)

جائسی کے کلام کے مطابق وہ سید اشرف کو بھی مساوی طور پر قابل عزت سمجھتے ہیں جن سے ان کو محبت تھی اور جنہوں نے ان کو علم کی روشنی عطا کی۔ وہ خود کو ان کے گھر کا غلام تصور کرتے ہیں۔ درج بالا اشعار سے کوئی جائسی کے روحانی سلسلہ کے بارے میں قطعی رائے قائم نہیں کرسکتا۔ کیونکہ کسی وقت ان کے تعلقات حضرت سید اشرف جہانگیر سے بھی تھے۔ یہ اشعار ان کی زندگی کے ابتدائی دور کے نظر آتے ہیں۔لیکن بعد میں حضرت شیخ برہان سے ان کی ملاقات ہوئی اور وہ مہدوی ہوگئے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے مہدویت قبول کی تھی۔ حالانکہ کسی بھی ماخذ سے ان کا سراغ نہیں ملتا کہ آیا انہوں نے خود کو کسی مہدویہ دائرہ سے منسلک کیا تھا۔خزینۃ الاصفیاء کے مصنف غلام سرور لاہوری نے بھی جائسی کے کلام کی بنیاد پر انہیں مہدوی بتلایا ہے۔(وہ لکھتے ہیں'' **ولقب او محقق هندی است مرید و خلیفه شیخ الله داد خلیفه محمد مهدی است انچه از کلام وی مفهوم می گردد همیں است اور در کتب خود مدح او بسیار کرد**)ان کی زندگی کی تفصیلات پر پردہ پڑا ہوا ہے۔لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ انہوں نے پدماوت ۹۴۷ھ م ۴۱-۱۵۴۰ء شیر شاہ سوری کے دور حکومت میں لکھی۔ وہ ۱۴۹۴ء میں پیدا ہوئے اور ۵/رجب ۹۴۹ھ م ۱۵/اکٹوبر ۱۵۴۲ء کو وفات پائی۔(خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۳۷۴' جائسی گرنتھاولی صفحہ ۳۴۱' جائسی کا جیون ورتا صفحہ ۱۷ تا ۱۸)

سترھویں صدی کی ایک تصنیف معارج الولایت کے مصنف (غلام معین الدین عبداللہ خویشگی) کے مطابق جس نے کسی حد تک جائسی کے کلام کا مطالعہ کیا تھا' جائسی اکبر کے دور حکومت کے اختتام تک زندہ رہے لیکن اس نے تاریخ وفات نہیں بتلائی۔ صاحب

معارج الولایت کا خیال ہے کہ جائسی نے مہدویہ عقیدہ قبول نہیں کیا تھا بلکہ حضرت شیخ الہدادؒ سے صرف روحانی فیض حاصل کیا تھا۔اسی لئے اپنے کلام میں ان کو سراہا ہے۔ جائسی کے قول ''سید محمد حقیقی مہدی تھے'' (سید محمد مہدی سانچا) کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ جائسی نے انہیں حقیقی مہدی تسلیم نہیں کیا بلکہ انہیں صرف اپنا روحانی رہبر تسلیم کیا تھا۔(معارج الولایت فی مدارج الہدایت صفحہ ۳۴۳) غلام سرور لاہوری ایک دلچسپ قصہ بیان کرتے ہیں'' کہا جاتا ہے کہ جائسی کو جب اکبر کے دربار میں پیش کیا گیا تو وہ کو بڑے ہو چکے تھے۔ان کی یہ حالت دیکھ کر اکبر نے قہقہہ لگایا۔ جائسی نے فوراً جواب دیا کہ اے شہنشاہ تو برتن بنانے والے پر ہنس رہا ہے یا برتن پر۔

ان کے مرشد حضرت شیخ برہان بھی تقریباً ایک صد سال کی طویل عمر تک زندہ رہے۔اور۱۳-۱۵۶۲ھ میں وفات پائی۔اس لئے اگر جائسی کے سن پیدائش ۱۴۹۴ء کو درست مان لیا جائے تو پھر یہ بھی درست ہے کہ وہ اکبر کے دور میں بقید حیات تھے۔لہذا شجرۂ چشتیہ میں جو سن وفات بتلایا گیا ہے اور جس کا حوالہ صاحب خزینۃ الاصفیاء نے بھی دیا ہے یعنی ۱۰۴۹ھ م۴۰-۱۶۳۹ء سراسر غلط نظر آتا ہے۔(خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۳۷۴ میں لکھا ہے کہ

''صاحب شجرہ چشتیه می گوید که وے بآخر عمر ارادت بخدمت اله داد آورد ودر اندک زمان کاملین وقت شد ودر سال یک هزار وچهل ونهه وفات یافت) اپنے اشعار میں انہوں نے بابر اور شیر شاہ کا ذکر کیا ہے جو اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ ''شجرۂ چشتیہ'' میں دی گئی تاریخ وفات غلط ہے۔اور یہ کہ وہ اکبر کے دور میں زندہ تھے۔ (خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۳۷۴)

حضرت شیخ برہان اور ملک محمد جائسی جیسے ممتاز شعراء اور بزرگوں کی مہدویوں سے وابستگی نے تحریک کو جلا بخشی۔مہدویہ ماخذوں میں ان کی تبلیغی سرگرمیوں کا کچھ بھی تذکرہ نہیں ملتا۔ یقیناً جائسی بھکتی تحریک سے متاثر تھے اور کبیرؔ سے ربط قائم ہوا تھا۔اور ہندی میں ان کی تقلید بھی کی تھی۔وہ کہتے ہیں۔

''ایک جولا ہے تیل میں ہارا'' (جائسی گرنتھاوالی صفحہ ۳۴۲)

ایسا لگتا ہے کہ ان دونوں کی زندگی میں مہدویہ روایات عشق الٰہی عزلت اور نظریہ انسانیت سے تقویت ملی۔انہوں نے ایک نئی حیات پائی۔

(مطبوعہ ماہنامہ نور حیات بابتہ جولائی و اگسٹ ۱۹۸۱ء)

☆☆☆☆☆☆☆☆

ڈاکٹر قمر الدین انگریزی سے ترجمہ

مکران کے ذکری

زیر نظر مضمون ڈاکٹر قمر الدین کے انگریزی مضمون (The Dhikris of Makran) کا ترجمہ ہے۔ جو (Studies in Islam) کے شمارہ اکٹوبر ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا تھا۔ ایک غیر مہدوی مورخ کے نتائج تحقیق سے مہدویوں کو واقف کرانے کے لئے اس کا اردو ترجمہ نور حیات میں شائع کیا گیا ہے۔

کسی مذہب کے ایک مخصوص اصول یا تعلیم پر زیادہ زور دینے کا رجحان نئے فرقوں کو عالم وجود میں لانے کا باعث بنتا ہے۔ بالعموم ایسے نئے فرقے اصل مذہب کے بنیادی اصولوں سے ہٹ کر بالکل نیا اور دلچسپ موڑ اختیار کر لیتے ہیں ایسے ہی مذہبی فرقوں میں سے ایک مکران (بلوچستان) کے ذکری یا داعی ہیں۔ اس علاقہ کی قلیل اور مختلف الاجزاء آبادی نے علوم انسانی کے ماہروں کو ہمیشہ اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ ایک سے زائد زبانوں کے حامل اس آبادی کے مختلف الاجزاء اور مختلف الخیال ہونا مکران کے باشندوں کی ہمیشہ ایک اہم خصوصیت رہی۔

ذکری فرقہ کے پیروؤں کی اکثریت مکران میں سکونت پذیر ہے۔ اس کے علاوہ یہ لوگ مشکائی (ملک جھالوان) میں بھی پائے جاتے ہیں۔ انیسویں صدی کے آخری دہائی میں اس فرقہ نے پاس بیلہ تک اپنا اثر ورسوخ قائم کر لیا تھا۔ خصوصاً ساحل سمندر کے کنارے اس فرقہ کے پیرو قابل لحاظ تعداد میں سکونت پذیر ہیں۔ بلوچستان پر مشتمل یہ فرقہ ایک مذہبی اقلیت میں ہے جو بلوچستان اور ایران کی سرحد کے کنارے پہاڑی علاقوں کراچی اور اس کے نواحی دیہاتوں میں سکونت پذیر ہے۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ حضرت سید محمد جونپوری کے پیرو ہیں جنہوں نے مہدی آخر الزماں ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ اور ان (ذکریوں) کے خیال کے مطابق حضرت سید محمد نے ایک طویل مدت تک بلوچستان میں رہ کر اپنی تعلیمات کا پرچار کیا تھا۔

عموماً یہ باور کیا جاتا تھا کہ حضرت سید محمد کی صرف ایک سرسری نظر ہی کسی کو مہدوی عقیدہ کی طرف مائل کر دینے کے لئے کافی تھی۔ آپ کی تعلیمات اور طرز زندگی علماء کے اقتدار کے لئے ایک مستقل خطرہ بن گئی اس لئے اپنے کو مناظروں میں کمزور پا کر علماء نے ایذا رسانی کی راہ اختیار کی۔ چنانچہ آپ (مہدی) بلوچستان کے خشک وبنجر پہاڑی علاقہ کو عبور کرتے ہوئے قندھار پہنچے۔ وہاں سے آپ فراہ (وادی ہلمند یا افغانستان) تشریف لے گئے جو کہ قندھار سے ۱۸۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ وہاں ۲۹ مہینے قیام کے بعد آپ نے ۹۱۰ ہجری م ۱۵۰۵ء میں انتقال فرمایا۔

ذکریوں کا خیال ہے کہ حضرت سید محمد فراہ سے غائب ہو گئے اور مکہ و مدینہ کے مقدس شہروں کی زیارت کر کے ایران تشریف

لائے اور براہ لار (موجودہ لارستان) مکران پہنچے اور کوہ مراد نامی ایک پہاڑ پر سکونت اختیار کی۔ان ذکریوں کا خیال ہے کہ آپ نے دس سال تک اپنی تعلیمات کی تبلیغ فرمائی اور مکران کا سارا علاقہ تبدیل (مذہب) کرنے کے بعد انتقال فرمایا۔ یہ امر واضح ہے کہ ذکریوں کے بیان کردہ حضرت سید محمد کے حالات قیاسی ہیں اور مستند نہیں ہیں۔حضرت سید محمد کے مکران کا دورہ کرنے یہاں کے لوگوں سے براہ راست ربط قائم کرنے اور اجتماعی تبدیلی (مذہب) کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ قندھار جاتے ہوئے آپ مکران سے گذرے ہوں۔لیکن اس مختصر مدت میں اتنی کثرت سے مذہب تبدیل کرانے کی بات قرین قیاس نہیں۔ تمام مورخین اور علماء نے یہ تسلیم کیا ہے کہ حضرت سید محمد اولین شخص تھے جنہوں نے ایک ایسی خالص مذہبی تحریک چلائی جسے سیاست سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ اخلاقی اور سماجی اصلاح کے لئے یہ اولین تحریک تھی جس کا اظہار مذہبی خیالات کے ذریعہ ہوا اور جس نے ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک موثر قوت کی حیثیت سے اپنا رول ادا کیا۔عوام الناس کے سامنے اپنے مذہب کو بہ اخلاص تمام پیش کرنا آپ کا واحد مقصد تھا۔ بدقسمتی سے ذکری تحریک بنیادی طور پر مہدوی تحریک کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے۔آیئے ہم دیکھیں کہ یہ بگاڑ کیوں اور کیسے وقوع پذیر ہوا۔

ذکری' بلوچیوں کی ایک مذہبی اقلیت ہے جن کا مرکز ضلع مکران ہے۔ بنیادی طور پر انہوں نے اپنا نام (ذکری) ذکر سے اخذ کیا ہے وہ لوگ داعی بھی کہلاتے ہیں۔ یہ ایک بلوچی لفظ داہ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ''پیغام'' وہ قرآن کو داعی کہتے ہیں۔ بلوچ قبائل کی بذات خود حضرت سید محمد کے ذریعہ اجتماعی تبدیلی مذہب کا واقعہ بالکل بے بنیاد ہے البتہ ہوسکتا ہے ایک یا دو مہدوی مبلغوں کے ذریعہ یہ تبلیغی کام انجام پایا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ میاں عبداللہ نیازی کی جدوجہد کے نتیجے میں بلوچ قبائل نے مہدوی عقیدے کو قبول کیا ہو۔ اسلام شاہ سوری کے حکم سے انہیں بار بار جسمانی اذیت پہنچائی گئی۔ اس لئے میاں عبد اللہ نیازی نے (۔۹۱۰ھ/۱۵۰۵ء۔۱۰۰۰ھم۹۱۔۱۵۹۰ء) بیانہ چھوڑ کر سفر اختیار کیا وہ تقریباً ۱۵۴۹ء کے بعد افغانستان آئے اور پھر وہاں سے واپس آکر سرہند میں مستقل طور پر سکونت اختیار کی۔اس میں بہت کم شک ہے کہ مکران میں بلیدی سلطنت کے بانی بوسعید نے بھی ذکری عقیدہ کی اشاعت میں مدد دی ہو۔ ایک مقامی روایت کے مطابق بلیدی سلطنت کے ساتھ ساتھ ذکری عقیدہ کو عروج حاصل ہوا۔ بلیدی حکومت سے قبل کبھی مکران میں ذکری عقیدہ کی موجودگی کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ بلیدی سلطنت کا بانی حضرت سید محمد کا ہم عصر تھا۔اور وہ فراہ کے قریب یلمند وادی (جرمشل) سے آیا تھا۔ غالباً بوسعید نے حضرت سید محمد سے ربط پیدا کیا ہوگا اور ان کا عقیدت مند ہوگیا ہوگا۔ وہ مکران آیا اور اس نے پندرھویں صدی کے اوائل میں اپنی حکومت قائم کی۔ چنانچہ بلیدی مکران کے پہلے ذکری حکمران تھے۔اور اسی عہد میں ذکری عقیدہ نے مکران میں اپنی بنیاد مضبوط کی اور متعدد افراد نے اس عقیدے کو قبول کیا۔

آر۔ ہیوگس بلّر نے ذکری عقیدہ کی ابتداء کے بارے میں ایک نیا نظریہ پیش کیا ہے۔جس کی حقیقت ایک ایسے فرضی افسانہ

سے زیادہ نہیں ہے جو اس نے کسی سے سنا ہے وہ لکھتا ہے۔

مقامی روایات کے مطابق اس عقیدہ کی بنیاد کئی پشت پہلے رحمت یا دوست محمد نامی ایک ملاّ نے ڈالی تھی۔ یہ شخص ایرانی بلوچستان کے ایک مقام کشمش سے آیا تھا۔ اور ایک روایت کے مطابق یہ مکران گیا اور تربت کے قریب کوہ مراد نامی پہاڑ پر سکونت پذیر ہوا۔ یہاں اس نے ایک فارسی کتاب لکھی جو کچھ نثر میں اور کچھ حصہ نظم میں تھی۔ اور اس کو اس نے ببول کے درخت کے نیچے چھپا دیا پھر اس نے مکاری سے یہ ظاہر کیا کہ معجزاتی طور پر یہ کتاب اس نے دریافت کی ہے۔ اس کے بعد اس نے خود کو مہدی یا بارھویں امام ہونے کا دعویٰ کیا جس کی آمد کے مسلمان منتظر تھے۔

حضرت سید محمد نے اپنے پیروؤں کے لئے ذکر دائمی کو فرض قرار دیا۔ انہوں نے اپنے پیروؤں کو اس عبادت کے دوران نہ صرف اللہ کے نام کو رسمی طور پر دہرانے کا حکم دیا بلکہ یہ حکم دیا کہ اس انہماک سے عبادت کریں کہ مکمل فنا کا درجہ حاصل ہو جائے۔ آپ دوران ذکر دنیاوی افعال کے خلاف تھے۔ کوئی چیز جو کہ ذکر میں مداخلت کرے، منع تھی۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے شیخ عبداللہ نیازی نے اس عقیدہ کی روشنی کو بلوچستان تک پہنچایا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے شاگردوں نے ذکر پر غیر معمولی زور دیا۔ اس لئے وہ ذکری کہلانے لگے۔ دھیرے دھیرے انہوں نے حضرت سید محمد کے جملہ عقائد کو ترک کر دیا اور صرف ذکر پر قائم رہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ حال تک بھی ہندو پاک کے مہدوی ذکریوں کے وجود سے بالکل بے خبر تھے۔ پاکستان میں بعض مہدوی مبلغ مثلاً مولانا سید مرتضیٰ صاحب کو چند نایاب دستاویزات کا پتہ چلا جن سے یہ حقیقت بے نقاب ہوئی کہ ذکری بھی حضرت سید محمد کے پیرو ہیں۔ مہدوی مبلغوں کی کوشش سے یہ ایک تنظیم موسوم بہ پاکستانی ذکری (مہدوی) انجمن کی بناء ڈالی گئی۔ جس کا مقصد ایک ہی عقیدہ کے دو فرقوں میں قریبی ربط قائم کرنا اور مدت دراز سے نظر انداز شدہ مکران کے ذکریوں کے حقوق کی حفاظت کرنا ہے۔ یہ تنظیم لوگوں کو سماجی، معاشی اور سیاسی حالات سے واقف کرانے کے لئے کتب شائع کر رہی ہے۔ اور دیگر ذرائع استعمال کر رہی ہے۔ وہ لوگ ذکریوں کو مہدوی عقیدہ کے مختلف پہلوؤں سے روشناس کرانے کی کوشش بھی کر رہے ہیں۔

ذکریوں کے مذہبی افعال:

ذکریوں کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے ان میں سے بہت کچھ جانبدارانہ اور گمراہ کن ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ مکران کے بعض ذکری قائدین کے پاس کچھ کتابیں ہیں جن کے مطالعہ سے ان کی ابتداء اور دیگر متعلقہ سوالات پر کافی روشنی پڑ سکتی ہے۔ ان میں سے دو کتابیں ''سفرنامہ مہدوی'' اور ''تردید مہدویت'' سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فرقہ کی ابتداء ہندوستان سے ہوئی۔ دیگر ذکری کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکری عقیدہ، مہدوی تحریک کا ہی ایک ٹکڑا ہے۔

ذکریوں کے مذہبی رسوم ذکر اور کشتی کی شکل اختیار کر گئے ہیں۔ ذکر روزانہ مقررہ وقفہ سے کی جانے والی عبادت ہے اور کشتی

خاص موقع پر ہوتی ہے۔ذکر دو طریقوں سے کیا جاتا ہے۔ذکر جلی اور ذکر خفی۔ ہر ذکر دس تا بارہ سطروں پر مشتمل ہے۔ یہ روزانہ چھ مرتبہ کیا جاتا ہے۔لیکن ذکریوں کا طریقہ عام مسلمانوں کے طریقہ سے بالکل مختلف ہے۔عام مسلمانوں کی طرح ذکریوں کی کوئی مسجد نہیں ہوتی بلکہ چند مکانات عبادت کے لئے مختص کر دیئے جاتے ہیں۔جنہیں ذکرانہ کہا جاتا ہے۔ذکرانہ کسی خاص طرز پر نہیں بنایا جاتا اور نہ ہی اس کے دروازے کسی مقررہ سمت پر ہوتے ہیں۔

ذکری ایک دوسرے کے مقابل دو صفوں میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور درج ذیل جملے دہراتے ہیں۔

صف(۱) لا الہ (کوئی معبود نہیں)

صف(۲) الا اللہ (سوائے اللہ کے)

صف(۱) حسبی ربی (اللہ میری مدد کے لئے کافی ہے)

صف(۲) جل اللہ (اللہ بہت بڑا ہے)

صف(۱) مافی قلبی (جو کچھ میرے قلب میں ہے اس کو ترک کرتا ہوں)

صف(۲) غیر اللہ (اللہ کے سوا)

صف(۱) ھادی

صف(۲) مہدی

یہ ذکر اس وقت تک کیا جاتا ہے کہ اس میں حصہ لینے والوں میں مجذوبانہ کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے۔

(۱) ذکر کا انعقاد حسب ذیل وقفوں سے عمل میں آتا ہے۔

(i) لا الہ الا اللہ کا ذکر خفی علی الصباح ہر شخص ۱۳ مرتبہ گھر پر دہراتا ہے۔

(ii) گوار بام یعنی علی الصبح کا ذکر: الفاظ سبحان اللہ یرجوا ' ذکر جلی بآواز بلند پڑھا جاتا ہے اور اس کا اختتام سجدہ پر ہوتا ہے اس کے بعد ذکر خفی لا الہ حسبی ربی اور جل اللہ دہرایا جاتا ہے اور جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ایک اور سجدہ کیا جاتا ہے۔

(iii) نیم روچ ذکر یعنی دوپہر کا ذکر و ذکر جلی اس وقت سبحان اللہ یرجوا کے علاوہ تمام ذکر دہرائے جاتے ہیں لیکن سجدہ نہیں کیا جاتا۔

(iv) روچ زرد ذکر یعنی ذکر بوقت عصر' ذکر خفی جو کہ سبحان اللہ یرجوا پر ختم ہوتا ہے اور سورج غروب ہونے پر سجدہ کیا جاتا ہے۔

(v) سرشاب ذکر یعنی ابتدائی شب کا ذکر: ذکر جلی دس بجے شب ہوتا ہے جس میں سبحان اللہ کے علاوہ تمام ذکر

دہرائے جاتے ہیں۔

(vi) نیم ہنگام ذکر یعنی ذکر نیم شب وانفرادی ذکر خفی بہتر یہ سمجھا جاتا ہے کہ لا الٰہ ہزار مرتبہ دہرایا جائے اور ہر ۱۰۰ کے بعد سجدہ کیا جائے۔

گو کہ ذکری خود کو مسلمان کہتے ہیں لیکن ان میں اور دیگر مسلمانوں میں کوئی چیز مشترک نہیں ہے۔ سوائے تلاوت قرآن کے اعمال میں ذکری اور سنّی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ذکریوں کے چند دیگر اہم تعلیمات یہ ہیں۔

(۱) حضرت محمد صلعم کا مذہب ختم ہوگیا ہے اور ان کی جگہ مہدی نے لے لی ہے۔

(۲) پیغمبر حضرت محمدؐ صاحب قرآن تھے اور آپ کا مقصد قرآن کی تعلیمات کو ان کے ظاہری معنی میں پیش کرنا اور پھیلانا تھا لیکن مہدی صاحب تاویل قرآن تھے اور نئے (باطنی) معنی پیش کرنا مہدی کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس لئے اس (مہدی) تشریح وتاویل (قرآن) قطعی مکمل اور نا قابل ترمیم ہے۔

(۳) رمضان کے روزے رکھنا ضروری نہیں۔

(۴) نماز ترک ہوچکی ہے۔ اس لئے لوگوں کو نماز کے بجائے ذکر کو اپنانا چاہئے۔ ذکری نہ صرف نماز کو پسند نہیں کرتے بلکہ اپنے حریفوں کو حقارت سے نمازی کہہ کر پکارتے ہیں۔

(۵) کلمہ توحید میں مہدی کا نام شامل کرنے کے لئے ترمیم کی گئی ہے۔ یعنی لا الہ الا اللہ نور پاک نور محمد مہدی رسول اللہ

(۶) زکواۃ (۱/۴۰) کی ادائیگی موقوف کردی گئی ہے اور بجائے اس کے عشر (۱/۱۰) دیا جانا چاہئے۔

(۷) ترک دنیا اور ہجرت پر عمل کرنا لازمی ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ ذکریوں کا طریقہ عبادت دو اصولوں پر مشتمل ہے ذکر اور کشتی اہم اور باقاعدہ عبادت کی صورت ذکر ہے۔ یہ دیگر مسلمانوں کی نماز کے برابر ہے۔ اور روزانہ چھ مرتبہ (ادا) کیا جاتا ہے۔

کِشتی:

یوم پیدائش، شادی، ختنہ اور دیگر معاشرتی اور مذہبی جشن کے مواقع پر انجام دی جانے والی عبادت کو کشتی کہتے ہیں۔ ہر جمعہ کی رات کو اور ہر ماہ کی چودھویں کو منعقد ہوتی ہے یہ ماہ ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں اور عیدالاضحیٰ سے قبل کے دن بھی منعقد کی جاتی ہے۔ اصل کشتی ۹ رویں ذی الحجہ کی شب میں منعقد ہوتی ہے۔ کشتی کا عمل کرنے والے ایک دائرہ کی شکل میں بیٹھ جاتے ہیں۔ کشتی شروع کرنے سے قبل تمام لوگ ذکرانہ میں جمع ہوجاتے ہیں۔ کمرہ کی وسعت میں ایک آگ جلائی جاتی ہے۔ اور مرد وزن اس کے اطراف دائرہ بناتے ہیں۔ ڈھول اور دیگر آلات موسیقی استعمال نہیں کئے جاتے ایک یا زائد خوش الحان خواتین دائرہ کے درمیان کھڑے ہوکر مہدی

کی شان میں قصیدہ پڑھتی ہیں جبکہ مردان کے اطراف دائرہ بناتے ہیں اور اسے کورس میں دھراتے ہیں۔ مرد وزن مل کر مختلف گانے گاتے ہیں۔ جب گانے والا لفظ (ہادیا) پر پہنچتا ہے تو لوگ جواب میں ''گل مہدیہ'' کہتے ہیں۔ دوران ذکر یہ (لوگ) آگ کے اطراف اچھلنے کودنے لگتے ہیں یہاں تک کہ انتہائی جوش ومسرت کے عالم میں پہنچ جائیں۔

چوگان:

چوگان بھی ایک بلوچی رقص ہے جو شادی جیسے خاص موقعوں پر کیا جاتا ہے یہ بلوچ نوجوانوں میں بہت مقبول ہے۔ اور ہر کوئی اس میں حصہ لیتا ہے۔ بعض مواقع پر چوگان دن بھر ہوتا ہے اور اس کے دوران مہدی کی شان میں ابیات (نظم) پڑھے جاتے ہیں۔ چوگان عموماً رات میں ذاکرانہ کے سامنے منعقد کیا جاتا ہے۔ چوگان میں جو اشعار پڑھے جاتے ہیں وہ کشتی (میں پڑھے جانے والے قصیدہ) سے مشابہ ہیں۔ چوگان کے دوران پڑھے جانے والے اشعار ہزاروں کی تعداد میں ہیں اور کوئی نہیں جانتا کہ کب اور کس نے انہیں ترتیب دیا ہے صرف بلوچی ذکریوں میں چوگان کا رواج ہے اسے مذہبی سے زیادہ سماجی تقریب کی حیثیت حاصل ہے۔ اکثر حصہ لینے والے ایک تفریحی مشغلہ سمجھ کر اس میں حصہ لیتے ہیں۔

کوہِ مراد:

کوہ مراد تین چٹانوں پر مشتمل ہے جو مکران کے پایہ تخت تربت سے دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ وسطی چٹان ساٹھ تا ستر فیٹ اونچی ہے اور اوپری حصہ پیالی نما ہے جس کے بیچ گہرا گڑھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فراہ جاتے ہوئے حضرت سید محمد نے اس چٹان پر کچھ عرصہ قیام کیا تھا اور اپنے مشن کی تبلیغ کی تھی لیکن خود ذکریوں میں اختلاف رائے ہے۔

تقلید پسند ذکری خیال کرتے ہیں کہ حضرت سید محمد نے یہاں خود قیام فرمایا تھا جو ایک بے بنیاد خیال ہے۔ دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ (سید محمد) کے خلفاء جنہوں نے آپ (مہدی) کے مشن کی تبلیغ واشاعت کی تھی کوہ مراد پر ٹھہرے تھے اور طویل مدت تک کوہ مراد پر ذکر میں مشغول رہے۔

ذکری عقیدہ ایک لحاظ سے خوش قسمت تھا اس کے حامی بہادر بلیدی خاندان کے بعد ایک اور قبیلہ گچکی برسر اقتدار آیا جو اس نئے عقیدہ سے عقیدت اور تحریکی سرگرمیوں میں بلیدی خاندان سے بازی لے گیا۔ ملا مراد گچکی نے اٹھارویں صدی میں بلیدی کو بے دخل کر کے ذکریوں کی قیادت سنبھال لی اور ذکری عقیدہ کو ایک نیا نظریہ دیا اس کی ذہانت اور فہم وفراست ہی کا نتیجہ تھا کہ ذکری عقیدہ اسلام سے بالکل مختلف شکل میں اُبھرا۔ ملاّ مراد گچکی کے عروج سے قبل ذکری خود کو مسلمان کہلاتے تھے لیکن ملا مراد گچکی' ذکری عقائد کو اسلام سے بالکل الگ ایک جارحانہ حریف مذہب بنانے کا خواہشمند تھا۔ چنانچہ ذکری عقیدہ کو اسلام کے برابر بنانے کے لئے ملاّ مراد

کی خوش تدبیری نے کوہ مراد کو ذکریوں کے مکہ کی حیثیت سے چن لیا اور یہاں سالانہ اجتماع یا حج میں شرکت ہر ذکری پر فرض قرار دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے قلعہ تربت کے سامنے زم زم کی طرح چاہ سم سم کھدوایا۔ اسی دوران کچھ اور تبدیلیاں بھی وقوع پذیر ہوئیں۔ جب کسی ذکری کا انتقال ہو جاتا ہے تو مسلمانوں کی طرح نماز جنازہ پڑھانے کا رواج نہیں ہے۔ اس کے چہرے کا رخ کوہ مراد کی جانب کر کے دفن کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ مسلمانوں کے چہرہ کا رخ مکہ کی طرف کیا جاتا ہے۔ ملا کا لکھا ہوا جنت میں داخلہ کا ایک اجازت نامہ مردہ کے بازو میں رکھ دیا جاتا ہے اور قبر میں مقدس درخت کیکر کی لکڑی کا ایک ٹکڑا بھی رکھ دیا جاتا ہے۔

دور حاضر میں ذکریوں میں اشاعت تعلیم کے سبب کوہ مراد کی اہمیت پر اختلاف رائے پیدا ہو گیا ہے۔ ذکری آبادی کی اکثریت کوہ مراد کی زیارت کو مسلمان کے زیارت کعبہ کے برابر جانتی ہے۔ بڑی تعداد میں ذکری دور دور سے یہاں آتے ہیں کوہ مراد کو پیدل جانا خدا ترسی یا پارسائی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ وہ نہ صرف مسلمانوں کے طواف کعبہ کی طرح چٹان کے اطراف پھرتے ہیں بلکہ مکہ کے حجر اسود کی طرح ایک پتھر کو بوسہ بھی دیتے ہیں۔ شب برات' لیلۃ القدر اور عیدین کے موقع پر خصوصی اجتماع منعقد ہوتے ہیں۔ ذکریوں کا تعلیم یافتہ طبقہ کوہ مراد کو اتنی اہمیت نہیں دیتا۔ وہ بطور حج نہیں بلکہ صرف زیارت سمجھ کر جاتے ہیں۔ پہاڑ کے دامن میں زائرین کے لئے عمارتیں بنی ہوئی ہیں جن میں مردوں اور عورتوں کے لئے علیحدہ حصوں کے ساتھ ایک ذکرانہ بھی ہے۔

مذہبی قائدین سے عقیدت:

ذکریوں پر ان کے مذہبی عقائد یعنی ملا کا بڑا گہرا اثر ہے۔ اور صرف ملاّ کے لئے ان کی اطاعت بہت زیادہ ہے۔ وہ ان کے مذہبی پیشوا ہیں جن کی ذکری بہت عزت کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ملاّ اپنے مریدوں سے فائدہ اٹھانے کا کوئی موقع نہیں کھوتے وہ ہر ایک کی آمدنی کے دسویں حصہ کے حقدار ہوتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ انہیں کسی کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دینے یا روکنے کا حق حاصل ہے اور ایک طریقہ رائج کر دیا ہے جس کی رو سے کچھ رقم کی ادائیگی پر جنت میں داخلہ کا اجازت نامہ عطا کیا جاتا ہے۔

اصولی طور پر شادی کی رسم بھی ملاّ ہی ادا کرتے ہیں۔ لیکن اگر وہ آسانی سے نہ مل سکے تو دولہا یا اس کے قریبی رشتہ دار کے لئے ضروری ہے کہ ایک خالی مشک لے کر ملاّ کے گھر جائے۔ ملاّ اس میں اپنی سانس (ہوا) بھر دیتا ہے اور مشک کا منہ حفاظت سے بند کر کے دلہن کے گھر لایا جاتا ہے۔ اور دلہن کے چہرہ پر چھوڑا جاتا ہے۔ جیسے ہی ہوا دلہن کے چہرہ کو چھوتی ہے تصور کر لیا جاتا ہے کہ شادی کی رسم مکمل ہو گئی۔

ملاّ اگر کسی کے گھر میں داخل ہو جائے تو ذکری اس کی قدمبوسی کرتے ہیں اور اس وقت تک نہیں اٹھتے تا آنکہ وہ ان کی پیٹھ پر ہاتھ نہیں پھیرتا۔ جب کوئی بچہ چھ سال کا ہوتا ہے تو اسے ملاّ کے پاس لے جایا جاتا ہے ملاّ بچہ کی پیٹھ چھو کر تسمیہ خوانی کی رسم انجام دیتا ہے۔

یقین کیا جاتا ہے ملاّ کو معجزاتی طاقتیں حاصل ہیں۔ وہ آفات و بلیات' بیماری اور ہر قسم کی بدروح سے بچنے کے لئے تعویز

وغیرہ تقسیم کرتا ہے جو کہ طاقتور اور زود اثر سمجھے جاتے ہیں کچھ رقم دینے پر تمام گناہوں کی معافی بھی ملاّ سے مل سکتی ہے ملاّ کے اختیارات قبر سے بھی آگے ہیں کہ مرحوم کے نام سے نذر دینا اس کے لئے خاص طور پر فائدہ مند رہتا ہے جب تک کہ ملا کی مبارک دخل اندازی اسے حاصل رہے۔

ایذا رسانی:

ذکریوں کو وقتاً فوقتاً قلات کے خان لوگوں کے ہاتھوں ایذا رسانی کا سامنا بھی کرنا پڑا سب سے پہلے قلات کے میر ناصر خاں اول نے طاقت کے بل بوتے پر اس علاقہ سے ذکریوں اور ان کے عقیدے کی بیخ کنی کی کوشش کی۔ اس کے نتیجہ میں ملاّ مراد کے فرزند ملک دینار کی بھیانک موت واقع ہوئی۔ جس نے ذکری مذہب کو بہت قوت عطا کی تھی۔ بالآخر ذکری تباہ حال ہو گئے اور خان کلات کے دباؤ کے نتیجہ میں کچھ لوگ مشکائی اور دوسرے پہاڑی علاقوں کو چلے گئے لیکن ناصر خاں کی توجہ ہٹتے ہی اس فرقہ نے دوبارہ اپنی قوت مجتمع کر لی۔

کاشی کور (ایران) کے ذکری شیخ کو بھی ۱۹۳۶/۱۳۵۵ میں ملا عبداللہ محمد قاضی سرباز اور اس کے شاگردوں کے مذہبی جنون کے نتیجہ میں ایذا رسانی کا شکار ہونا پڑا۔ ذکریوں کے ظالمانہ قتل کے بعد ان کا ایک قائد مولوی نور محمد جو کہ خوش قسمتی سے ان کے ظلم سے بچ گیا تھا عازم طہران ہوا۔ تا کہ متعصب لوگوں کے ظلم وستم کے خلاف رضا شاہ پہلوی کے دربار میں دعویٰ کرے لیکن وہ کراچی میں انتقال کر گیا۔ مولوی نور محمد فارسی کا ایک شاعر تھا اس نے اس واقعہ کو منظوم کیا ہے اور عنوان ہے۔

خطاب بہ قاضی عبداللہ سربازی قاتل ذکری شیخان عرض تعظیم بہ اعلیٰ حضرت ناجی ملت ایرانی۔

اس کی نظم کا پہلا شعر یوں ہے۔

از عدل پهلوی تو اے سایه خدائے بس داد خون ناحق شیخانم آرزواست

برطانوی دور حکومت میں بھی ذکریوں کو کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ حتیٰ کہ انہیں کھلے طور پر مذہبی رسوم بھی ادا کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ذکریوں نے بھی مذہب تبدیل کرانے (تبلیغ) کی کوئی کوشش نہیں کی اور موجودہ صدی کے اوائل سے یہ مذہب روبہ زوال نظر آتا ہے۔ تاہم قیام پاکستان اور کراچی اور دیگر اقطاع پاکستان کے مہدویوں کی رہنمائی سے بلوچستان کے ذکریوں نے اپنے مطالبات منوانے کی ضرورت کو محسوس کیا ہے ان مطالبات میں خدمات اور تعلیمی وظائف وغیرہ میں ان کی نمائندگی شامل ہے۔

ذکریوں نے اس علاقہ کی سماجی، سیاسی اور تہذیبی زندگی میں ایک اہم رول ادا کیا ہے لوگ اوائل پندرھویں صدی سے اٹھارویں صدی کے اختتام تک سب سے بڑی سیاسی طاقت تھے۔ قلات کے خان (لوگوں) نے ذکری حکمرانوں (کی حیثیت) کو گھٹا دیا۔ ذکریوں نے فارسی اور بلوچی زبانوں کی ترویج وترقی میں بہت حصہ لیا۔ ناطق مکرانی کو چھوڑ کر مکران کے تمام ممتاز فارسی شعراء

ذکری تھے شاہ محمد درفشاں' میر عبداللہ جنگی' شاہ سلیمان' شاہ جلال اور ملّا ابراہیم کے نام ان کے لافانی کام کی بدولت ہمیشہ زندہ جاوید رہیں گے۔

ذکریوں نے اپنے امتیازی مقام کو برقرار رکھا اور علاقہ کے دوسرے مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ خوش حال ہیں۔ وہ مختصر اور بہتر طور پر منظّم ہیں گو انہوں نے اپنی وہ سیاسی قوت کھودی ہے جو کہ انہیں ڈیڑھ صدی قبل حاصل تھی۔ لیکن اب بھی وہ مکران کے سیاسی اور معاشی زندگی میں اہم مقام رکھتے ہیں۔

مکران میں بزنجو قبیلے کی بڑی تعداد اور سانگھر کا پورا قبیلہ اب بھی ذکریوں پر مشتمل ہے جو مکران کی تقریباً نصف آبادی پر ہے۔ زیادہ تر ساجدی' شیخ احمدی اور کچھ ڈاگرزی' شاپت موتک' اور کرد بھی اسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

ایک منکر کے لئے بلوچستان کا ذکری عقیدہ ایک قدیم یادگار کی حیثیت ہی رکھتا ہے جس کو جدید معلومات اور دیگر علوم کے اثرات کے تحت ایک عرصہ قبل ہی مٹ جانا چاہئے تھا۔ لیکن ایسا کوئی بھی نتیجہ اخذ کرنا بلا شبہ ایک سخت فیصلہ ہوگا۔ کیونکہ ذکری مذہب اوہام پرستی کے جال میں رہنے کے باوجود کئی باشعور افراد اپنی روحانی تشفی کی خاطر اس کے عقائد کو ایک زمانے سے مانتے آرہے ہیں۔ تاہم یہ ماننا پڑے گا کہ ذکری مذہب اپنے صوفیانہ رواج اور طور طریق کے سبب ایک آثار قدیمہ بن گیا ہے۔ اور اس کی بقاء اسکے پیروؤں کی ذہنی ترقی میں تاخیر (کا باعث) ہے۔ یہ ایک فولادی چولی یا روایتی چینی جوتوں کے مانند ہے مستقبل میں بھی جسمانی و دماغی طاقت کی حامل اس بلوچی قوم کی (ترقی میں) رکاوٹ بن سکتا ہے جس (قوم) کو کہ قدرت نے متعدد ذہنی و قلبی خوبیاں عطا کی ہیں۔

بلوچستان اب پاکستان کا ایک حصہ ہے جہاں سماج میں تیزی سے تبدیلی ہو رہی ہے اس میں حصہ لینے کے لئے بلوچیوں کو ان کے بعض عقائد میں ترمیم کرنا پڑے گا جو کہ ان کی ترقی میں حائل ہیں۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''نور حیات'' بابتہ ماہ مئی' جون ۱۹۷۳ء)

☆☆☆☆☆☆☆

عربی: مصطفیٰ لطفی المنفلوطی (اردو ترجمہ)

فضیلت کی تلاش

میں نے بعض ناولوں میں پڑھا ہے کہ ایک نوجوان نے اپنی عمر کا ایک حصہ ایسی خیالی لڑکی کی محبت میں گزار دیا جسے اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس نے اپنے ذہن میں ایک ایسی صورت کا تخیل پیدا کیا جو مختلف خوبیوں کی حامل تھی۔ جب وہ تصویر اس کے تصور میں بس گئی تو اس کی دونوں آنکھوں میں مجسم بن کر ظاہر ہوئی۔ اور اس کے قلب و ذہن پر چھا گئی۔ چنانچہ وہ اس کو زمین کے چپہ چپہ میں جہاں تک آواز جا سکتی ہے اور نظر کام کر سکتی ہے تلاش کرنے لگا۔ حتیٰ کہ اس کو پانے میں کامیاب ہو گیا۔

اس قصہ کو میں جھٹلا نہیں سکتا۔ کیونکہ بعینہ وہ نوجوان میں ہی ہوں۔ میرے اور اس کے درمیان صرف اتنا فرق ہے کہ وہ اپنی شئے گمشدہ کو لڑکی کا نام دیتا ہے اور میں اپنی مطلوبہ چیز کو فضیلت کا نام دیتا ہوں۔ اس نے اس کو پانے میں کامیابی حاصل کی لیکن فضیلت کو کہیں نہ پا سکا۔

فضیلت کو میں نے تاجر کے اسٹور میں ڈھونڈا تو اس کو ایک ڈیلر کے بھیس میں ایک چور پایا۔ کیونکہ وہ اس چیز کو دو دینار میں فروخت کرتا ہے جس کی قیمت صرف ایک دینار ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ دوسرے دینار کا چور ہے۔ اگر فیصلہ میرے ذمہ کر دیا جائے تو یہ آسان نہ ہوگا کہ درہموں کے چوروں کو سزا دوں، لیکن دنانیر کے چوروں سے غفلت برتوں جو ہمیشہ مجھ سے میرا مال چھینتے رہے۔

مجھے تاجر کے اس نفع سے انکار نہیں ہے جس کا وہ مستحق ہے کیونکہ اس نے سامان کے حصول و حفاظت میں اپنی راحت بھی صرف کی ہے۔ البتہ زائد نفع سے مجھے انکار ہے۔ نیز حلال و حرام کے درمیان فرق کو میں جانتا ہوں۔ حلال کوشش اور محنت کا بدلہ ہے جبکہ حرام جھوٹ اور دھوکہ کا بدلہ ہے۔

میں نے فضیلت کو محکمہ قضات میں تلاش کیا تو دیکھا کہ سب سے بڑا قاضی وہ ہے جو موجودہ قانون کو افسر بالا کی مرضی سے مطابقت دینے کی پوری پوری کوشش کرتا ہے تاکہ اس کے محاسبہ سے محفوظ رہے اور کرسی محفوظ رہ سکے۔ اب رہا مظلوم کے ساتھ انصاف اور ظالم کو سزا دینا اور حقدار کو حق دلانا اور جرم کے لحاظ سے سزا کا نفاذ تو سب ذیلی باتیں ہیں جسے وہ خاطر میں نہیں لاتا۔ ہاں ان ذیلی باتوں پر خوش بختی سے کوئی ستارہ چمکے اور قانون بھی ساتھ دے (یعنی افسر بالا کی رضامندی ہو) تو انصاف ہو سکتا ہے۔ مگر خوش بختی اور انصاف کا راستہ الگ الگ ہو جائے تو قاضی جو کر گزرتا ہے اس کا علم خود اس کو نہیں ہوتا یعنی مجرم کو بے گناہ اور بے گناہ کو مجرم بنا دیتا ہے۔ اور اگر کوئی اس معاملہ میں اس سے باز پرس کرے تو معذرت چاہ لیتا ہے۔ کہ ''قانون کا فیصلہ اس کے خلاف پڑا'' ایسا معلوم ہوتا

ہے کہ وہ عقل کو قانون کا اسیر بنانا چاہتا ہے جبکہ قانون عقل کی خوبیوں میں سے ایک خوبی اور عقل کے امور خیر میں سے ایک امر خیر ہے۔

میں نے فضیلت کو اصحاب ثروت کے محلوں میں ڈھونڈا تو دیکھا کہ دولت مند یا تو بخیل ہے یا پھر مسرف۔ جہاں تک اول الذکر بخیل کا تعلق ہے اگر وہ حضرت فاطمہؓ کا پڑوسی ہو اور اگر آدھی رات میں ان کی اور ان کے دونوں بچوں کی بھوک سے کراہنے کی آواز سن لے تو یہ دونوں انگلیوں سے اپنے کان نہیں بند کرے گا۔ اس بھروسہ کے ساتھ کہ اس کا پتھر جیسا دل رحم و کرم کی شعاع کی پہنچ سے دور ہے۔ اور اس کے دل کی گہرائیوں کے درمیان احسان کا جھونکا نہیں چل سکتا۔ اب رہا دوسرا مسرف تو اس کی دولت دونوں ہونٹوں کے درمیان صرف ہوتی ہے۔ شراب اور حُسن کی خاطر' تو ان دونوں میں سے کس کے پاس فضیلت ملے گی؟

میں نے فضیلت کو سیاسی مجالس میں تلاش کیا تو دیکھا کہ معاہدہ' اتفاق' ضوابط و قواعد مترادف الفاظ ہیں ان کا معنی جھوٹ ہے اور دیکھا کہ بادشاہ مملکت کی کرسی پر ایسا بیٹھا ہے جس طرح گاڑی بان بیٹھتا ہے۔ ان دونوں میں فرق صرف یہی ہے کہ گاڑی بان شہرت نہیں رکھتا اور بادشاہ میں ایفائے عہد (معاہدہ) کی کمی ہے۔ اور دیکھا کہ انسان کا سب سے بدترین دشمن انسان ہی ہے۔ اور یہ کہ تمام قوموں نے اپنے خزانوں' قلعوں کے وسط میں اور اپنے سفینوں اور طیاروں کی پشت پر اپنی بہنوں (قوموں) کے لئے سامانِ موت اور طرح طرح کے عذاب تیار کر رکھا ہے۔ جیسا کہ اللہ نے چاہا تھا۔ اگر ان کے درمیان کوئی سرحدی اختلاف واقع ہو تو انسان درندہ کی کھال پہن لیتا ہے۔ اور درندہ کی طرح ناخن اور کونچلیاں تیار کر لیتا ہے۔ اور تیز بھی کر لیتا ہے۔ پھر وہ تیار ہو کر اپنے ہی ماں باپ کے بیٹے پر یعنی اپنے ہی بھائی بندوں پر حملہ کرتا ہے۔ جس سے اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ سوائے اس کے کہ اپنی جان بچا کر واپس آتا ہے۔ اگر آپ دو لڑنے والے سپاہیوں سے پوچھیں کہ تم میں کیا دشمنی ہے اور کس وجہ سے نبرد آزما ہو اور یہ کونسا جذبہ تمہارے سینے میں ہے اور اس خصومت کی ابتداء کب ہوئی تھی؟ تو مجھے یقین ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو پہچانتے بھی نہیں صرف اس قتل و خون کی گھڑی میں ہی متعارف ہوئے ہیں۔ اور خود اپنے آپ سے دھوکہ کھائے ہوئے ہیں۔ وہ دونوں اپنے گھروں سے صرف اس لئے نکلے ہیں کہ اپنے بادشاہ کے تاج میں ایک اور موتی جڑیں یا کمانڈر کے سینہ پر تمغہ رکھیں۔

میں نے فضیلت کو دینداروں میں تلاش کیا تو دیکھا کہ بجز چند لوگوں کے جن پر اللہ رحم کرے باقی سب جہالت کے بازاروں میں عقلوں کی تجارت کرتے ہیں۔ ان میں کا ہر ایک' ہر انسان کے سر میں ایک راستہ بنا لیا ہے۔ جس سے وہ اخلاق تک پہنچتا ہے اور اس کو بگاڑ دیتا ہے۔ اور جو اس تک پہنچ کر انہیں مار ڈالتا ہے تاکہ اس کے خزانوں تک پہنچ کر لوٹ لے۔

میں نے فضیلت کو ہر اس جگہ تلاش کیا جہاں اس کے ملنے کی توقع تھی مگر نہ پا سکا۔ کاش میں اس کو شراب خانوں' کوٹھوں یا چوروں کی کمین گاہوں یا قید خانوں کی دیواروں میں پا سکتا۔

اکثر لوگ یہ کہیں گے کہ راقم نے اپنا فیصلہ صادر کرنے میں مبالغہ سے کام لیا ہے اور اندازہ لگانے میں تجاوز کر گیا ہے۔ لوگوں

کا کہنا ہے کہ فضیلت تو بہت سے لوگوں کے سینوں میں کشادہ جگہ پاتی رہی ہے۔تو میں ان سے کہنا چاہتا ہوں کہ فضیلت کے وجود کا مجھے انکار نہیں لیکن میں اس کے مقام وٹھکانہ سے ناواقف ہوں۔لوگوں کی سیاہ کاری نے میری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔اور وہ اتنا سیاہ ہے کہ آسمان پر چمکتا ہوا کوئی ستارہ بھی نظر نہیں آتا۔

ہر شخص فضیلت کا دعویدار ہے اور اس کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے اس کا لباس زیب تن کرتا ہے۔اور اس کی چادر اوڑھتا ہے اور خود کو اس حال میں پیش کرتا ہے کہ تیز فہم اور کند ذہن دونوں دھوکہ کھا جاتے ہیں اور ایسا حلیہ بناتا ہے کہ سب سے زیادہ بدگمان شخص بھی فریب میں آجاتا ہے لہٰذا اس گھٹا ٹوپ تاریکی اور اندھیری رات میں فضیلت تک میرے پہنچنے کا کون ضامن ہے؟

اگر یہ صحیح ہے جو کہ لوگ زندگی کی خوش بختی' اچھائی اس کی مسرت ونعمت کی بات کرتے ہیں تو یہ میری سعادت ہوگی کہ اپنے ایام حیات میں کسی دن' ایسے دوست کو پالوں جو سچی محبت کرے اور میں اس سے سچی محبت کروں۔اور وہ محبت کے ماوراء چیزوں یعنی ضرورت واغراض کو تصور میں لائے بغیر میری محبت واخلاص سے مطمئن ہو جائے اور یہ کہ وہ شریف النفس ہوتا کہ غیر مطمع چیزوں کی طمع نہ کرے اور وہ شریف القلب ہو کہ وہ کینہ نہ رکھے۔اور خلوت میں وہی بات کرے جو جلوت میں کرتا ہے۔اور وہ شریف اللسان ہوتا کہ جھوٹ نہ کہے اور چغلخوری نہ کرے فحش گوئی نہ کرے اور عزت سے نہ کھیلے۔اور وہ شریف المحبت ہوتا کہ فضیلت کے علاوہ دوسری چیزوں سے محبت نہ کرے اور رذیلت کے علاوہ دوسروں سے دشمنی نہ رکھے۔

یہ وہ سعادت ہے جس کی میں تمنا رکھتا ہوں لیکن اس کو دیکھ نہ سکا۔یقیناً میں سرسبز وشاداب باغات میں جھومتے ہوئے درخت' نغمہ سنج پرندے دیکھ رہا ہوں' باغوں کے پھول وکلیوں کے درمیان بل کھاتی ہوئی نہروں کو دیکھ رہا ہوں جیسا کہ سفید ریت میں رینگتے ہوئے سفید سانپ' اور میں دیکھ رہا ہوں کہ بادنسیم کی انگلیاں بکھرے ہوئے پتوں کے ساتھ چھیڑ خانی کر رہی ہیں۔ایسی چھیڑ چھاڑ جیسا کہ عاشقوں کے دماغوں سے عشق کرتا ہے۔اور میں بلبلوں کی سیٹیوں سے لے کر نہروں کی آواز تک سنتا ہوں جو ایسے درد بھرے نغمے ہیں جو نفس انسان پر اس قدر اثر انداز ہوتے ہیں کہ ستار کے تار بھی اثر نہیں کرتے۔لیکن ان میں کا کوئی منظر مجھے خوش نہیں کرتا اور نہ کوئی نغمہ طرب میں لاتا ہے۔کیونکہ میں ان مشاہدات میں اپنے شئے گمشدہ کو نہیں پا رہا ہوں جس کا میں متلاشی ہوں۔رزالت کا چہرہ میری آنکھوں میں بدنما ہو گیا ہے۔اور اس کی بات میرے کانوں پر گراں گزرتی ہے اور میری یہ تمنا ہے کہ بغیر دل کے زندہ رہوں تا کہ زندگی کی مسرتوں اور رنجشوں اور حزن وملال کو محسوس نہ کر سکوں۔

اگر میری چھوٹی موٹی بچیاں نہ ہوتیں جو میرے بغیر زندگی کی مسرتوں سے محروم ہو جائیں گی تو میں اس عالم ناطق سے عالم خموشاں کی طرف بھاگ جاتا اور وہاں انس وسکون پاتا۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''نور حیات'' بابتہ مارچ ۱۹۷۸ء)

مصطفیٰ لطفی المنفلوطی۔عربی سے ترجمہ

الغنی و الفقیر

کل شب ایک مصیبت زدہ آدمی کے پاس سے گذر ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھے ہوئے کسی تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ مجھے اُس پر رحم آیا اور پوچھا تو اُس نے بھوک کی شکایت کی۔ میں نے حتی المقدر اس کی مدد کی اور پھر ایک دوست سے ملنے چلا گیا جو دولت مند تھا تو میں یہ دیکھ کر دہشت زدہ ہوگیا کہ وہ بھی اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھے ہوئے کراہ رہا ہے۔ میں نے اُس سے دریافت کیا تو اُس نے سوءہضمی کی شکایت کی مجھے بہت تعجب ہوا کہ اگر یہ تونگر اپنی ضرورت کے بعد فاضل غذا اُس فقیر کو دیدیتا تو دونوں میں سے کوئی بھی شکایت نہ کرتا۔ نہ تو بھوک کی اور نہ بدہضمی کی۔

اس کے لئے مناسبت تو یہ تھا کہ وہ اتنا ہی کھائے جس سے شکم سیر ہو سکے اور اس کی پیاس بجھ سکے۔لیکن وہ اپنے نفس کا بندہ تھا اپنے آپ سے محبت کرتا تھا اس لئے اُس نے فقیر کے برتن سے چھین کر اپنے دسترخوان پر رکھ لیا۔لہذا اللہ تعالیٰ نے اس کی سخت دلی کا انتقام لیا یعنی بدہضمی کی سزا دی۔حتیٰ کہ ظالم کے لئے اس کا ظلم خوشگوار زندگی کا باعث نہ بن سکا۔اسی طرح کسی کہنے والے نے سچ کہا ہے۔''تونگر کی بدہضمی فقیر کی بھوک کا انتقام ہے۔''

آسمان نے پانی برسانے میں اور زمین نے نباتات اگانے میں بخل سے کام نہیں لیا۔لیکن قوی نے کمزور پر حسد کیا اور ان دونوں چیزوں کو اُس غریب سے دور کر دیا اور اپنی طرف کھینچ لیا (نتیجہ یہ ہوا کہ) وہ مفلس قلاش ہوگیا اور مظلوم وشا کی بن گیا۔ (دراصل) اُس کے دشمن زمین وآسمان نہیں بلکہ یہ اغنیاء ہیں۔

کاش مجھے اتنی عقل ہوتی جس کے یہ لوگ مالک ہیں تو ایسا ہی تصور کرسکتا جیسا کہ یہ لوگ کرتے ہیں۔یعنی طاقتور لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ وہ مال حاصل کرنے اور اُس پر حق ملکیت جتانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ بہ نسبت کمزوروں کے۔اگر اس معاملہ میں قوت ہی اُن کی دلیل ہے تو اس دلیل کی بناء پر وہ غرباء کی ارواح کو کیوں چھین نہیں لیتے جس طرح وہ ان کے اموال کو غصب کر لیتے ہیں۔ ایک زندہ شخص کی نظر میں زندگی اُس لقمہ سے زیادہ قیمتی نہیں ہے جو بھوکے کے ہاتھ میں ہے۔ان کا استدلال یہ ہے کہ یہ مال ان کے آباء واجداد سے وراثت میں ملا ہے۔اگر آباء واجداد کا ہونا میراث کا سبب ہے تو ہم اُن سے پوچھتے ہیں کہ تم اپنے باپ دادا کے مال کے کیوں وارث ہوئے ہیں اور کیوں ان کے مظالم کے وارث نہیں ہوئے؟ اس وجہ سے کہ تمہارے آباء واجداد طاقتور تھے اور انہوں نے اس مال کو کمزوروں سے چھین لیا تھا۔اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ تم ان کے وارث بنے ہیں تو اس مال کو صاحبِ مال کو لوٹانے میں بھی ان کے جانشین بنو نہ کہ ظلم یعنی اغتصاب مال جاری رکھو۔

بنی نوع انسان کے یہ طاقتور لوگ کتنے ظالم اور سنگدل ہیں کہ ان میں کا ہر ایک اپنے نرم بستر پر نیند بھر سوتا ہے لیکن سردی اور

ٹھنڈک سے کانپتے ہوئے پڑوسی کے کراہنے کی آواز اس کو اپنی خواب گاہ میں مضطرب نہیں کرتی۔ اور جب وہ ایسے دسترخوان پر بیٹھتا ہے جس پر انواع واقسام کے کھانے چُنے ہوئے ہیں جن میں بھنی ہوئی، تلی ہوئی، میٹھی اور کھٹی اشیاء ہیں تو یہ جاننا اس کی بھوک کو مکدر نہیں کرتا کہ اُس کے قرابت داروں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اس دسترخوان کے ٹکڑوں کی طرف تاک رہے ہیں اور حسرت سے ان کا لعابِ دہن بہہ رہا ہے۔ بلکہ بعض ایسے بھی (سنگدل) ہیں کہ ان کے دل میں رحم وکرم پھٹکتا بھی نہیں اور شرم وحیاء ان کی زبان کو نہیں روکتی۔ وہ فقیر کے سامنے اپنی نعمتوں کا ذکر کرتا ہے۔ اسی پر اکتفاء نہیں کرتا بلکہ زر وجواہر پر مشتمل اپنے خزانوں کو گننے اور کمروں میں بھرے ہوئے مختلف النوع ملبوسات اور سامان کو شمار کرنے میں اُس (فقیر) کی مدد لیتا ہے تا کہ اُس کی دل شکنی کرے۔ اس کے لئے زندگی مکدر کردے اور اُسے اپنی زندگی سے ملول ومتنفر کردے۔ اس کے ہر کلمہ اور ہر حرکت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ میں خوش بخت ہوں کیونکہ میں امیر ہوں اور تو بد بخت ہے کیونکہ تو فقیر ہے۔

میں سوچتا ہوں کہ اگر اقویاء کو ضعفاء کی حاجت نہ ہوتی جو بوقت ضرورت ان کی اسی طرح خدمت کرتے ہیں جس طرح ان کے گھریلو سامان کی خدمت کرتے ہیں۔ (اقویاء) اپنی خواہشات کے لئے انہیں اس طرح مسخر کر لئے ہیں جس طرح اپنی سواریوں پر قابو کر رکھا ہے اور اگر ان (اقویاء) نے ان (ضعفاء) کی بقاء کو ترجیح دی ہے تو صرف اس لئے کہ ان کی بندگی اور اپنے سامنے ان کی سجدہ ریزی کے مشاہدہ سے لطف اندوز ہوں۔ (ورنہ) وہ تو ان کا خون چوس لیتے جیسا کہ ان کا رزق ہڑپ کر لیا ہے اور ان کو زندگی سے محروم کر دیتے جیسا کہ انہیں زندگی کی لذتوں سے محروم کر رکھا ہے۔

میں کسی انسان کے انسان ہونے کا تصور نہیں کر سکتا جب تک کہ اُسے احسان کرتے ہوئے دیکھوں۔ کیونکہ میں انسان اور حیوان کے درمیان صحیح (مقام) فضیلت کا فیصلہ صرف احسان کی بنیاد پر کرتا ہوں۔ اور بلاشبہ میں لوگوں کو تین طرح کے پاتا ہوں۔ ایک وہ آدمی ہے جو دوسرے پر احسان کرتا ہے تا کہ اپنے احسان کو خود پر اس سے احسان کروانے کا ایک ذریعہ بنائے اور وہ مستبد اور جبار ہے جو احسان کا مطلب انسان کو اپنا غلام بنانا سمجھتا ہے۔

اور ایک آدمی وہ ہے جو خود پر احسان کرتا ہے اور دوسروں پر احسان نہیں کرتا۔ ایسا آدمی سگ خو ہے جو اگر جان لے کہ بہنے والا خون ٹھوس سونے میں تبدیل ہو سکتا ہے تو وہ اس راہ میں تمام لوگوں کو ذبح کر دے گا۔ ایک آدمی وہ ہے جو نہ خود پر احسان کرتا ہے اور نہ دوسرے پر۔ وہ بخیل واحمق ہے جو اپنے پیٹ کو بھوکا رکھتا ہے تا کہ اپنے صندوق کا پیٹ بھرے۔

جہاں تک چوتھی قسم کے آدمی کا تعلق ہے جو خود پر احسان کرتا ہے اور دوسروں پر بھی تو میں اس کے مقام اور اس تک پہنچنے کے راستے سے ناواقف ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ وہی آدمی ہے جس کی تلاش میں یونانی فلسفی دیوجینس کلبی دن کے اُجالے میں چراغ لے کر گھومتا تھا اور کہتا تھا ''مجھے انسان کی تلاش ہے''

(مطبوعہ ماہنامہ ''نورحیات'' اکتوبر ۱۹۷۵ء)

طنز ومزاح

آیئے! میرے دوستوں سے ملئے

دوست زندگی کی ایک اہم ضرورت ہے۔اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی کی زندگی بنانے یا بگاڑنے میں دوست اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ دوست فائدہ مند بھی ہوتے ہیں اور نقصان رساں بھی۔ دوست ہم خیال بھی ہوتے ہیں اور مختلف الخیال بھی۔ خلوص ومحبت کبھی دوستی کی بنیاد ہوتی ہے تو کبھی مجبوری۔ دوستی کی ایک قسم ''کمرشیل فرینڈ شپ'' بھی ہے جو تاجر اور گاہک کے درمیان ہوتی ہے۔ یہ سب حرفِ عام میں دوست ہی کہلاتے ہیں۔آیئے.....! اپنے وسیع حلقۂ احباب میں سے چند مخصوص دوستوں کا تعارف آپ سے بھی کرادوں۔

آپ سے ملئے.....آپ ہی مسٹر الف خاں۔ بڑی خوبیوں کے مالک ہیں۔آپ کا تعلق ایسے خاندان سے ہے جو علم وفضل کا گہوارہ تھا۔ یوں سمجھئے کہ پیدائشی عالم فاضل ہیں۔ ہر ایک کی خوشی وغم میں ہمیشہ شریک رکھتے ہیں۔ان کا حلیہ دیکھ کر ہی سمجھ سکتے ہیں کہ اپنے اہل وعیال کے سواء ساری دنیا کا درد ان کے جگر میں ہے۔خدمت خلق کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے بلکہ یوں کہیئے کہ جسم میں خون کم جذبہ زیادہ ہے۔شعلہ بیان مقرر ہیں۔اور ہر''کم خون'' شعلہ بیان ضرور ہوتا ہے۔ ہر وہ تنظیم، ادارہ یا بزم جس میں یہ شریک نہیں بے مقصد و بے حرکت ہوتی ہے۔ یہ میرا خیال نہیں بلکہ ان کا اپنا خیال ہے۔مگر خیال رہے صرف رکن یا کارکن کی حیثیت سے آپ ان کی خدمات سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں تو یہ خلافِ شان ہے بلکہ کوئی اہم عہدہ دے کر ہی آپ ان سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ان کا وجود اور خدمات عوام کے لئے ایک ناگزیر حقیقت ہیں اس لئے ان کی سرگرمیوں سے عوام کو باخبر رکھنے کے لئے اخبارات سے کام لیجئے کیونکہ عوامی خدمت گار کے لئے شہرت وعزت نفسیاتی غذا ہوتے ہیں۔نام کے بغیر کام کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

ہاں! ایک اور بات بتلانا بھول گیا۔کسی بھی معاملہ میں آپ خود انہیں مشورہ دینے یا ان کے مشورہ کو نظر انداز کرنے کی جرأت نہ کیجئے۔اگر ان سے کچھ کام لینا ہے تو ہاں میں ہاں ملایئے بلکہ آنکھ بند کر کے تقلید کیجئے۔ بادلِ نخواستہ ہی سہی ان کی بات ضرور مان لیجئے اگر اختلاف کریں گے تو آپ کے کردار کا بھیانک قتل ہوتا رہے گا۔اور آپ اس عاشقِ نامراد کی طرح زندہ رہیں گے جو اپنے معشوق پر بار بار مر کر بھی زندہ رہتا ہے۔ چلئے.....ہاتھ ملایئے۔اور اچھی طرح یاد رکھ لیجئے کہ اس تعارف کے بعد ان کی دوستی سے چھٹکارا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

آیئے.....! آپ سے ملئے۔آپ ہیں مسٹر جیم بدر۔قد اور جسامت سے ہی آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کس پایۂ کے دوست

ہیں۔ ملک کے ممتاز سیاست دانوں میں اپنا شمار کرتے ہیں اور وہ ساری خوبیاں آپ میں موجود ہیں جو ایک خالص ہندوستانی سیاست دان میں ہونی چاہئے۔ خدمت خلق کے خواہشمند ہیں۔ لیکن ساتھ ہی خدمت حلق بھی ضروری ہے۔ آپ کی قابل رشک صحت اس بات کی علامت ہے کہ لوگوں کے بہت زیادہ غم خوار ہیں۔ خصوصاً احباب کے بارے میں بہت زیادہ فکر مند رہتے ہیں کہ اس کے گھر میں جملہ افرادِ خاندان کتنے ہیں۔ ان میں کمانے والے کتنے ہیں؟ کمانے کے ذرائع کیا ہیں؟ جملہ آمدنی کتنی ہے؟ ماہانہ بچت کتنی ہے! جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کتنی ہے؟ آیا یہ جائیداد ورثہ میں ملی ہے یا سسرال سے؟ کیا آپ نے خود خریدی ہے؟ اگر خریدی ہے تو دولت کہاں سے آئی؟ اس سے قبل آپ کی مالی حالت کیا تھی؟ آپ کی ترقی کا راز کیا ہے؟ غرض اپنے احباب کے بارے میں ہمیشہ فکر مند رہتے ہیں۔ لیکن اپنی مالی حالت اور پوشیدہ ذرائع آمدنی کا انکشاف نہیں کرتے۔ قابلِ تعریف صفت تو یہ ہے کہ کسی دوست کی ترقی پر اپنے رشک وحسد کا اظہار بلا جھجک کرتے ہیں' اور کفِ افسوس ملتے ہیں کہ ''ہم چھابو کے چھابو رہ گئے''۔ موصوف ایک شعلہ بیان مقرر بھی ہیں۔ ذخیرہ الفاظ کی کمی ہے۔ لیکن اس کی تلافی وہ ذخیرۂ آواز سے کر لیتے ہیں۔ اگر محلّہ کے کسی جلسہ میں آپ کو مدعو نہ کیا جائے تو احساس ناقدری کی وجہ سے بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے۔ مزاج بگڑ جاتا ہے۔ لہٰذا ایک دوست کے ناطے آپ ان کا خیال رکھئے۔ اور اگر آپ کے کارناموں کا سہرا وہ اپنے سر باندھ لیتے ہیں تو بھی آپ سرِ تسلیم خم کیجئے۔ جس طرح سپاہیوں کی بہادری کا تمغہ کمانڈر کے سینہ پر اور اعلیٰ تعلیم یافتہ افسروں کی جدوجہد کا سہرا انگوٹھا چھاپ سیاست دانوں کے سر باندھا جاتا ہے۔ اسی طرح موصوف بھی اپنے رفقاء کی جدوجہد کے بعد کامیابی کا سہرا اپنے سر باندھ لیتے ہیں۔ کیونکہ ابھی تک باضابطہ طور پر صرف ایک بار ہی دھوم دھام سے اُن کے سر سہرا باندھا گیا تھا۔ خیر آپ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا کچھ خیال نہ کیجئے۔ بلکہ اتنا کیجئے کہ ہر موقع پر ان کے نام سے اخبار میں بیانات ضرور چھپوایئے۔ محلّہ میں گندگی ہے' سڑکوں پر گڑھے پڑ گئے ہیں۔ حکومت نے ٹیکس میں اضافہ کر دیا ہے۔ شہر میں فساد ہو گیا ہے۔ اسٹریٹ لائٹ بند ہیں وغیرہ۔ غرض موقع کی مناسبت سے اخبار میں بیان ضرور شائع کروایئے۔ یہ ان کی بیماریوں کا بہترین علاج ہے۔

آپ سے ملئے..... مولوی نشتر دہلوی۔ نہایت خلیق آدمی ہیں۔ صرف مولوی ہی نہیں بلکہ مسٹر بھی ہیں۔ یعنی دینی ودنیاوی دونوں قسم کی جامعات کے فارغ التحصیل ہیں۔ علم وعقل کے معاملہ میں نہ آپ کا کوئی ثانی ہے اور نہ پیدا ہوگا۔ آپ کے کئی شاگرد اس وقت آپ سے زیادہ اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔ بیک وقت دو قسم کی باتیں کرنا اور کسی سے کام نکالنا کوئی آپ سے سیکھے۔ اس فن میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ ایک مولوی ہونے کے ناطے آپ کے لئے بارہ خون معاف ہیں۔ البتہ ساری اُمّت کی اصلاح کے خواہشمند ہیں۔ لباس قلندرانہ ہے لیکن مزاج کھلنڈرانہ پایا ہے۔ آپ کے خیال میں سارا جہاں مومن کا وطن ہے۔ اس لئے اپنی ولادت کو کسی خاص وطنِ مخصوص سے منسوب کرنے کے قایل نہیں۔ البتہ لوگوں کا خیال ہے کہ ولادت شمالی ہند اور تعلیم وتربیت شمال مشرقی ہند کی

ہے۔جبکہ زوجیت اور ملازمت جنوبی ہند میں پائی ہے۔اس لحاظ سے موصوف بڑے خوش قسمت ہیں کہ ہندوستان کی علاقہ واریت آپ کی راہ میں کبھی رکاوٹ نہ بن سکی۔

اچھا آپ سے ملئے۔مسٹر خوش تر ہیں آپ کا تعلق بیجاپور سے ہے۔جو اردو کا مرکز رہا ہے اور کنڑی تو ریاستی زبان ہے لیکن آپ کی وزیر داخلہ کا تعلق مہاراشٹرا سے ہے۔اسی طرح ہمہ لسانی فارمولے پر پوری طرح عمل پیرا ہیں۔علاوہ ازیں انگریزی اور پنجابی سے بھی اچھی طرح واقف ہیں۔اس پر طرّہ یہ کہ مزاح نگار ہیں۔لطائف کا چلتا پھرتا انسائیکلو پیڈیا ہیں اس لئے ہر محفل میں اپنا سکّہ جما دیتے ہیں۔صرف ایک جگہ ایسی ہے جہاں ان کا سکّہ نہیں چلتا وہ ہے دفتر وزارت داخلہ۔موصوف کو اپنے شوہر ہونے کا بہت زیادہ احساس ہے۔چنانچہ سورج ڈھلتے ہی آپ میں کرب و بے چینی کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔اور چاہے کیسی ہی اہم گفتگو یا دلچسپ محفل ہو سب چھوڑ چھاڑ کر کوچۂ جاناں کی طرف دوڑتے ہیں۔روکنے کی کوشش کی تو کہتے ہیں کہ ''میں دوست کے ساتھ ساتھ شوہر بھی ہوں۔'' آج کل آپ پتی سے ''لکھ پتی'' بننے کی فکر میں ہیں۔اس لئے کرناٹک اسٹیٹ لاٹریز کی ہر سیریز کے ٹکٹ بلا ناغہ خریدتے ہیں۔پھر بھی آج تک صرف پتی ہی ہیں۔خدا کرے یہ جلد از جلد پتی سے ''لکھ پتی'' بن جائیں۔

(مطبوعہ ''شگوفہ'' جون ۱۹۸۰ء)

☆☆☆☆☆☆☆

tyrant and blaming God. Whatever I say or do is as ordained by Allah. I receive fresh teachings daily from Allah."

He claimed that one could see the Almighty with physical eyes. For achieving this, he prescribed the following principles "Faraiz-e-Wilayat" in the light of Qur'an:

1. ***Tark-e-Duniya*** (Renunciation of the world): It does not mean the monasticism, but to renounce the love of this transitory world.
2. ***Zikr-e-Dawam*****:** Reciting the name of Allah constantly with a sense of complete absorption in Him. Anything which may cause disturbance during the *Zikr* is prohibited.
3. ***Hijrat*** (Migration): To shun the worldly attachment, he instructed his followers to migrate to other places and invite people towards right path, as was done by the Prophet Muhammad [PBUH].
4. ***Uzlat az Khalq*** (Recluse from the lovers of the world): This also does not mean monasticism, but to keep away from the worldly and mischievous people.
5. ***Suhbat-e-Sadiqeen*** (Company of the Truthful): To live in the company of sincere and faithful persons, who love and seek Allah only, for perfect guidance in the way of love.
6. ***Tawakkul*** (Resignation to the Divine Will): It means to rely only on Allah in all matters and one should not be greedy.
7. ***Talab-e-Deedar-e-Khuda*** (Quest for the vision of Allah): He claimed that the vision of Allah is possible with physical eyes in the world itself, but for this one should be qualified to do so by practicing the Islamic teachings of *Wilayat*.

There was a practice of equitable distribution of wealth or anything received in the name of Allah (*Sawiyat*) among the residents of *Daira*. Daira means a camp established to practice these principles and to live strictly according to the teachings of Islam.

Modern writers have described this principle of equitable distribution as the fore-runner of socialism preached by Marx.

The followers of Syed Muhammad are called as "Mahdawis". This sincere and purely Islamic movement attracted the people on a large scale.

Syed Muhammad did not claim to present any new religion, but he only claimed to be the Promised Mahdi, and laid down much stress on the observance of *Shariah* and purification of one's inner-self in accordance with the teachings of Prophet Muhammad and the Qur'anic injunctions. He and his followers did not preach hatred against anybody. They were never inclined towards the people having wealth or any worldly status, and never distinguished between the rulers and the ruled one. They are just seekers of truth and lovers of Allah.

(Published in "Deccan Chronicle" Daily Sunday Edition dated April 12, 1981)

He returned to Ahmedabad (Gujarat) from Makkah and continued his preaching. Faced with the misguided criticism of the then Muslim orthodoxy, Mahdi AS wrote to the rulers of the time that he must be judged from all angles and that if he was right then he should be helped, otherwise put him on right path or kill him.

Finally he reached Farah (Afghanistan) travelling though various places. When the Timuried Prince Sultan Hussain Mirza of Khurasan learned about his claim, he appointed four eminent Ulemas to investigate the matter. After prolonged discussions among themselves they prepared four questions to inquire into and examine the claim of his being a Mahdi, and put the questions to him.

The first question was: "Do you call yourself as the Promised Mahdi"?

Syed Muhammad replied; "I never call myself but Allah has ordained me that I am appointed as the Promised Mahdi, so I claim it."

The second question was: "Which religion do you profess"?

He replied: "My religion is the Book of Allah (Qur'an) and adherence to the Messenger of Allah (Prophet Muhammad PBUH)".

The third question was: "With the help of which commentary (*Tafseer*) you discourse about and expound the verses of Qur'an"?

He replied: "I disclose and reveal the Will of Allah. Only that commentary of Qur'an is correct which is similar to my discourses and expositions, otherwise it should be believed as wrong."

The fourth question was: "You invite the people to have the vision of Allah"?

In answer he recited some verses from Qur'an and proved his claim that the vision of Allah is possible in this world."

The Ulema when satisfied, acknowledged him as the Promised Mahdi, and when they informed King Hussain Mirza about it, he also acknowledged his claim as Mahdi.

At Farah, Hazrat Syed Muhammad died on 19th Zeeqada 910 AH/23rd April 1505 AD. On last Friday before his death, he offered "Vitr" prayer. The Ulema present there, guessed that he will die before next Friday.

Syed Muhammad Mahdi Mau'ood AS neither presented any new religion nor claimed to be a prophet, but declared himself as Promised Mahdi and a Caliph of Allah, deputed to invite the people towards the right path and bring them nearer to Allah. None of his principles was contrary to the teachings of Islam. He said: "I walk on the footsteps of Prophet Muhammad."

He characterized the Qur'an as ***'Ishqnama***, the Book of Love. He enjoined the love of God, but not the transitory world. He said: "Till the Day of Resurrection (*Qiyamat*) any verse of the Qur'an shall neither be obsolete nor cancelled, hence following the Qur'an is obligatory till the Last Day." His exposition of Qur'an was not by interpretation, but whatever he explained was ordained by Allah. Once he said: "If I had come out (of house) after reading and studying Qur'an and expound on it, I would be a

A GREAT SPIRITUAL REFORMER

Whenever the masses were found rolling in evils, God sent His Messengers for rectification. From Adam to Muhammad (Peace be upon them), more than one lakh prophets were deputed. Except Muhammad, all were meant only for their own tribe, community or country. But Prophet Muhammad, the last Messenger of Allah, was deputed for the guidance of whole mankind.

It was prophesied by Prophet Muhammad that a man from his family will appear after him, whose name will agree with his own name and this man (Mahdi) will strengthen his religion and make justice triumph. "Mahdi" literally means the divinely guided one.

Hazrat Syed Muhammad of Jounpur, who proclaimed himself as the "Promised Mahdi" (Mahdi –e- Mau'ood) was indeed a great spiritual reformer. He was the first to launch a purely Islamic religious movement in the Sub-continent, at a time when the followers of Islam were immersed in customs, habits and evil deeds, because of which, the essence and purpose of Islam had vanished.

Syed Muhammad was born at Jaunpur in Uttar Pradesh on Monday, 14th Jamadi-ul Awwal 847 AH/ 10th September 1443. His surname was Abul Qasim and his father's name was Syed Abdullah, who was conferred with the title of "Syed Khan" by the Sharqi rulers of Jaunpur. His mother's name was Bibi Amena. Both the parents were direct descendents from Imam Hussain, the grand- son of Prophet Muhammad. He was having an oval projection between two shoulders on back, which is termed as *Muhar-e-Wilayat* (Seal of the Sainthood).

When Syed Muhammad was of our years four months and four days age, his *Tasmiya Khawni* (pronouncing the name of God) was conducted in presence of Shaik Daniyal Chishti, khaja Khizr and other eminent scholars. He took his early education at the school of Shaik Daniyal, the renowned scholar of Islamic theology at that time. This child was known for his natural intelligence and sparkling wit. He memorized the Qur'an at the age of seven, and at the age of twelve, he was conferred with the title of *"Asad-ul-Ulema"* (a lion among the scholars) affectionately in recognition of his abilities by eminent religious scholars of Jaunpur. Later on, he was considered as a great saint *"Saiyedul-Auliya"* by his contemporaries.

After acquiring formal education, he started delivering sermons at congregations, which were attended to by the people in large number from every walk of life. He acquired reputation for his discourse on and exposition of the verses of Qur'an. His simplicity and Puritanism impressed the people immensely.

To strengthen the religion of Prophet Muhammad, he travelled a long distance from Jaunpur to Makkah, where he proclaimed himself as 'Promised Mahdi" after performing Haj in 901 AH/1497 and said "He who followed me is a Momin (Faithful).

جناب شیخ چاند ساجد صاحب

تصانیف

- فاروقِ ولایت (اُردو و ہندی)
- ہماری نماز (ہندی)
- پوتر جیونی
- The Prayer
- The Promised Mahdi
- The Mahdavia Tenets

تراجم (ہندی)

- چراغِ دینِ نبویؐ
- مولود حضرت امام مہدیؑ
- عقیدہ شریفہ
- بعض الآیات
- مکتوب ملتانی
- المعیار
- رسالہ ہژدہ آیات
- مجالس خمسہ
- خلاصۃ الکلام
- خصائص
- براہین مہدویہ
- رسالہ دُعا
- العقائد (حصہ اول و دوم)
- العقائد (حصہ سوم و چہارم)
- ہمارا مذہب
- تعلیم الاسلام مہدویہ
- جالوری پیر

تراجم (انگریزی)

- مخزن الدلائل
- ہمارا مذہب
- تعلیم الاسلام مہدویہ
- صحبت صادقین
- العقائد (حصہ اول و دوم)
- رسالہ دُعا
- عزلت از خلق